تاریخ خٹک

خٹک عقاب

تاریخ خٹک

وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ - وَمِنْہُ الْھِدَایَتُ اِلَی التَّحْقِیْقِ وَالتَّوْفِیْقِ ۔

حصّہ اوّل

(ابتدا سے لقمان تک)۔

تاریخ

خٹک

مصنّفہ

محمّد سرفراز خان خٹک عقاب

بی۔ اے (آنرز) ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

یونیورسٹی گولڈ میڈلسٹ

ایڈوکیٹ

ب/۴۲ ریلوے روڈ بنّوں

تاریخ خٹک

حصہ اول — ابتدا سے لقمان تک

" دوئم — لقمان سے آج تک

" سوئم — ثقافت

" چہارم — قبیلے، شاخیں اور وصلی

تصنیف — خٹک عقاب

کتابت — خٹک عقاب انجم رقم

بار — اول

تعداد — ۵۰۰

سن آغاز — ۱۹۶۲ء

" کتابت — ۱۹۶۴ء

" طباعت — ۱۹۶۵ء/۱۳۸۵ھ

مطبع — حمیدیہ پریس پشاور

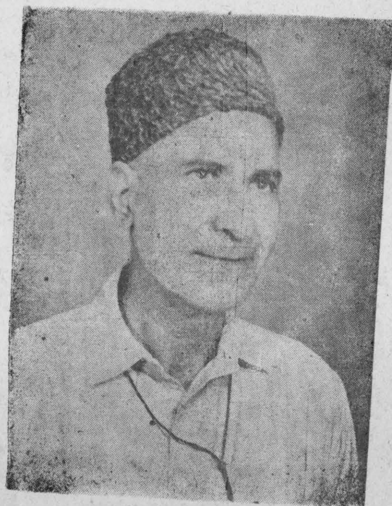
قیمت — ۷ روپے ۵۰ پیسے

دستیابی — ہر بڑے کتب فروش سے

فہرست مضامین

حصہ اول۔

حصہ دوسرا



مصنف

کتابیات

۱-۱۴ - شل خبیث ۱۸۸۶ء ضلع کوہاٹ تحصیل کرک مواضعات:
شیخی لصرنی، منڈون، مانزئی، لنڈ کمر، عالمشیری، شنوہ گڑ بچیل، بڈین خیل
احمد والہ، بہادر خیل، چوکارہ، بگیر کلہ، کرک، لتمر، جہسک۔ (اردو قلمی)

۱۵-۱۸ - شل خبیث ۱۸۹۳ء ضلع کوہاٹ تحصیل کوہاٹ مواضعات:
ٹیری، گرگری، دلن، گنڈیری۔ (اردو قلمی)

۱۹-۲۴ - شل خبیث ضلع پشاور ۱۸۷۰ء تحصیل نوشہرہ (اردو قلمی) مواضعات:
زیارت کاکا صاحب، ایسوڑی، مغلکی، ننددک، ڈنگرزی، ارمڑ پایان۔

۲۵-۲۷ - گزیٹیر آف دی:
کوہاٹ ڈسٹرکٹ ۱۸۸۳-۸۴ء، بنوں ڈسٹرکٹ ۱۸۸۳ء، پشاور ڈسٹرکٹ ۱۹۳۱ء

۲۸ - امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، دی انڈین امپائر، جلد II، نیو ایڈیشن۔

۲۹ ایضاً - پراونشل سیریز، نارتھ ویسٹ فرنٹیر پراونس کلکتہ ۱۹۰۸ء، مطبوعہ

۳۰-۳۴ - رپورٹ آف دی لینڈ ریونیو سیٹلمینٹ آف دی:
کوہاٹ ڈسٹرکٹ ۱۸۸۴ء، بنوں ڈسٹرکٹ ۱۸۷۷ء، بارک نپہ ۱۸۸۳-۸۴ء
بارک نپہ آف ٹیری تحصیل ۱۸۸۰ء، پشاور ڈسٹرکٹ ۱۸۷۸ء، ۱۹۰۰-۱۹۰۵ء۔ مطبوعہ انگریزی

۳۵ - اسیسمینٹ رپورٹ آف دی ٹیری تحصیل ۱۹۰۷ء۔ مطبوعہ انگریزی

۳۶ - تاریخ مرصع [محمد افضل خان خٹک] قلمی، پشتو۔

۳۷ - مخزن افغانی [انگریزی ترجمہ بنام ہسٹری آف دی افغانز] مطبوعہ ۱۸۲۹-۳۶ء
انگریزی ترجمہ از برنارڈ بوسن، بنام لودی، پیبرڈ۔ مطبوعہ شانتی نکیتن
۱۹۵۸ء۔ مخزن افغانی ۱۰۲۱ء کی تصنیف ہے۔

۳۸ - حیات افغانی [محمد حیات خان] اردو، مطبوعہ لاہور ۱۸۶۵ء۔

۳۹ - تاریخ خورشید جہان [شیر محمد خان]۔ فارسی، مطبوعہ ۱۸۹۴ء

۴۰ - این اکاونٹ آف دی کنگڈم آف کابل .... [ماؤنسٹورٹ ایلفنسٹن]
انگریزی، مطبوعہ ۱۸۱۵ء۔

۴۱-۴۳- نوٹس آن افغانستان، [انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۸ء] و سیلیکشنز فرام دی پوئیٹری آف دی افغانز (انگریزی لنڈن ۱۸۶۲ء) و اے گرامر آف دی افغان لینگویج (انگریزی، کلکتہ ۱۸۶۷ء) [ہرسہ از میجر ایچ جی۔ راورٹی]۔

۴۴-۴۶- دیوان [خوشحال خان خٹک (پشتو وغیرہ، مطبوعہ پشاور جلد ۱۸۷۰ء) و دستار نامہ [خان] پشتو۔ تصنیف ۱۰۷۵ھ-۱۶۶۵ء۔ مطبوعہ ۱۹۵۲ء و فضلنامہ [خان] تصنیف ۱۰۸۹ھ۔ مطبوعہ پشاور ۱۹۵۲ء، پشتو۔

۴۷- دیوان [عبدالرحمٰن مہمند] پشتو، مطبوعہ پشاور ۱۹۳۱ء

۴۸- دی ہیرو سائیل۔ [پیٹرمین] انگریزی، مطبوعہ لنڈن ۱۹۵۵ء

۴۹- دی ٹرائیبز آف دیر، صوات اینڈ باجوڑ [اے۔ ایچ میکموہن] انگریزی مطبوعہ ۱۹۰۱ء۔

۵۰- اے گلاسری آف دی ٹرائیبز۔۔۔ [اے۔ ایچ روز] مطبوعہ ۱۸۸۸-۹۲ء ۳ جلد۔ انگریزی۔

۵۱-۵۲- تاریخ آزاد پٹھان (افریدی) اردو، مطبوعہ ۱۹۵۸ء و "یوسفزی" اردو۔ مطبوعہ ۱۹۶۰ء [اللہ بخش یوسفی]۔

۵۳- سینٹرل ایشیا۔ حصہ ۲۔ [میک گریگر] انگریزی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء

۵۴- انڈیاز نارتھ ویسٹ فرنٹیر [ولیم بارٹن] انگریزی، مطبوعہ لنڈن ۱۹۳۹ء

۵۵- دی پٹھان بارڈر لینڈ [سی۔ ایم۔ اینرفر] انگریزی، مطبوعہ ۱۹۲۱ء۔

۵۶- بنوں آر اور افغان فرنٹیر [ایس ایس تھاربرن] انگریزی لنڈن ۱۸۷۶ء

۵۷- ایمنگ دی وائلڈ ٹرائیبز [وائلڈ۔ ٹی۔ ایل پینل] انگریزی، مطبوعہ۔

۵۸- پشتانہ شعرا۔ مطبوعہ کابل۔ د پشتو د ادبیاتو تاریخ۔ ټوک اول۔ مطبوعہ کابل۔ ۱۳۲۰ش/۱۹۴۱ء۔ پشتو [عبدالحی حبیبی]۔

۵۹- د پشتو د ادب تاریخ [صدیق اللہ رشتین] پشتو، مطبوعہ کابل، ۱۳۲۵ش/۱۹۴۶ء

۶۰- ایران [گرلیشمین] انگریزی، مطبوعہ۔

۶۱- اے ابٹر آن دی پنجاب فرنٹیر [ہیربرٹ ایڈورڈس] ۲ جلد، مطبوعہ لنڈن، ۸-۱۸۴۷ سنہ، انگریزی +
۶۲- دی پٹھانز [اولف کیرو] - انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۹۵۸ سنہ؛
۶۳- دی پوٹھنز..... [کیرو اور ھوویل] ترجمہ + مطبوعہ پشاور ۱۹۶۳ سنہ +
۶۴- تاریخ کوہاٹ [؟] اردو، قلمی، بالتصویر، دفتر صدر قانونگو کوہاٹ میں ہے۔
۶۵-۶۷- افغانستان اینڈ دی افغانز (انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۹ سنہ +) و دی ریسز آف افغانستان (انگریزی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۰ سنہ +) و جرنل آف اے پولیٹیکل مشن ٹو افغانستان (انگریزی، مطبوعہ ۱۸۶۳ سنہ + [ایچ ڈبلیو بیلیو] +
۶۸- اینتھرالاجیکل ویکیبولری آف پشتو [پروفیسر مارگنسٹرین] انگریزی، مطبوعہ -
۶۹- لینگوسٹک سروے آف انڈیا - [جی اے گرئیرسن] انگریزی مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۱-۷ سنہ +
۷۰- د افغانستان پخوانئے تاریخ [احمد علی بھزاد] جلد I، پشتو، مطبوعہ ۱۳۴۲ سنہ ش۔
۷۱- تذکرۃ الابرار و الاشرار [اخوند درویزہ] فارسی، مطبوعہ پشاور ۱۹۶۰ سنہ وغیرہ۔
۷۲- دی ہسٹری آف افغانستان [پرسی سائیکس] ۲ جلد، مطبوعہ لنڈن ۱۹۴۰ سنہ
۷۳- اکبرنامہ [ابوالفضل] فارسی، مطبوعہ نولکشور ۱۸۸۱ سنہ، آئینِ اکبری ۳ جلد [ابوالفضل] مطبوعہ ۱۸۶۹-۹۱ سنہ، انگریزی ترجمہ از جیرٹ
۷۵- د پشتو تاریخ [قاضی عطا اللہ خان] جلد I، پشتو، مطبوعہ ۱۹۴۷ سنہ
۷۶- ہسٹری آف افغانستان [جی۔ بی۔ مالیسن] انگریزی، مطبوعہ ۱۸۷۸ سنہ + (پشتو ترجمہ از منشی احمد جان خان) +
۷۷- تاریخ فرشتہ [محمد قاسم فرشتہ] تصنیف ۱۰۲۳ سنہ، فارسی، ۲ جلد، مطبوعہ نولکشور ۱۹۰۵ سنہ (اردو ترجمہ) +
۷۸- قرآن کریم- [اللہ تعالیٰ] عربی، مطبوعہ +
۷۹- انجیل مقدس (پرانا عہد نامہ)- [اللہ تعالیٰ] انگریزی ترجمہ، مطبوعہ
۸۰- پرسنل نیریٹو..... [بیجر کیمبل] انگریزی، مطبوعہ ۱۸۲۴ سنہ لنڈن ۱۸۲۷ سنہ
۸۱- اینسائیکلوپیڈیا برٹینیکا - بار نہم - انگریزی، مطبوعہ ۱۸۷۵ سنہ +

۸۲- اینسا ئیکلو پیڈیا آف اسلام ۱۹۵۵ء، جہارم فیسیکیول میں مارگنسٹرین کا باب "افغان" (انگریزی)۔
۸۳- جرنل آف دی برٹش سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز ۱۹۵۲ء، میں بیلی۔ کسالکا (انگریزی)۔
۸۴- رگ وید۔ انگریزی ترجمہ۔ مطبوعہ۔ [متفرق رشی]
۸۵- ہیا ہیرس سر لا ارمینی۔ جلد I، مطبوعہ۔ [مسینٹ مارٹن]۔
۸۶- کتابیں جلد ۵ [ولیم جونز] مطبوعہ لنڈن ۱۷۹۹ء
۸۷- دی ہسٹری آف انڈیا اینڈ جیوگرافیکل اکاونٹ [میجر رینل] جلد I، انگریزی
۸۸- دی لائف آف الیگزانڈر [کولنٹس کرٹیس] مطبوعہ
۸۹- مطلع السعدین و مجمع البحرین [عبدالرزاق سمرقندی] ۲ جلد، فارسی، لاہور ۱۳۶۳ھ
۹۰- تاریخ یمینی [عتبی] تصنیف ۴۱۱ھ/۱۰۲۶ء، فارسی، مطبوعہ۔
۹۱- ریاض المحبت [نواب محبت خان] فارسی، قلمی۔
۹۲- کتاب [کلیپروٹ]، مطبوعہ، سینٹ پیٹرسبرگ ۱۸۱۰ء۔
۹۳- رسالہ انساب افغانیہ [فرید الدین احمد] فارسی، ۱۸۰۳ء۔
۹۴- تنقید بر دی پٹھانز [ڈاکٹر دانی] انگریزی، ٹائپ شدہ۔
۹۵- حدود عالم [؟] جغرافیہ، تصنیف ۳۷۲ھ/۹۸۲ء۔ مطبوعہ، انگریزی ترجمہ از منارسکی ۱۹۳۷ء۔
۹۶- لٹریری ہسٹری آف پرشیا [ای۔ جی براؤن] انگریزی، مطبوعہ، جلد I۔
۹۷- بھرتا سنہیتا [ورنا مہیر] سنسکرت، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۵ء، مترجمہ۔
۹۸- کتاب الہند [ابوریحان البیرونی]۔
۹۹- حاجی خلیفہ (مطبوعہ)
۱۰۰- خلاصۃ الانساب [حافظ رحمت خان]، فارسی، تصنیف ۱۱۸۸ھ۔
۱۰۱- مجمع الانساب [محمد بن علی] فارسی، قلمی
۱۰۲- مجمع الانساب [میاں محمد نور وغیرہ]، فارسی، قلمی۔
۱۰۳- روضۃ الاحباب۔ مطبوعہ۔

۱۰۴- حبیب السیر [خوند امیر] ۳ جلد، فارسی در تصنیف ۹۳۰ھ، مطبوعہ بمبئی ۱۸۵۷ء۔

۱۰۵- ماثر الامرا [شاہنواز خان] مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۸ء (فارسی)۔

۱۰۶- سٹوریا دے موگور [نکولس منوسی] اطالوی، انگریزی ترجمہ از ولیم اروِن ۴ جلد، مطبوعہ لنڈن ۱۹۰۷ء۔

۱۰۷- ہسٹری آف دی افغانز ان انڈیا [ایم۔ اے۔ رحیم] کراچی ۱۹۶۱ء، انگریزی۔

۱۰۸- حالاتِ کوہاٹ [محمد خان ملتانی] تصنیف ۱۲۹۳ھ، فارسی، قلمی۔

۱۰۹- نارتھ ویسٹ فرنٹیئر ڈیپارٹمنٹ سیکشن ایف۔ پروسیڈنگز فروری ۱۸۹۷ء نمبرات ۷۸-۷۹ نمبرے (انگریزی) دہلی آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔

۱۱۰- "تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان" [جمال الدین] عربی، اردو ترجمہ بنام "تاریخ افغانستان" از محمود علی خان، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۲ھ۔

۱۱۱- دی پوسٹمین ٹیچر [اینتی بار بنٹ] انگریزی، مطبوعہ لنڈن ۱۹۵۷ء۔

۱۱۲- اینتھراپالوجی [جے۔ ای۔ ایم۔ وائٹ] " " ۱۹۵۴ء

۱۱۳- تاریخ سلطانی [سلطان محمد خان] فارسی، مطبوعہ لاہور ۱۲۹۸ھ۔

۱۱۴- دی پاتھ آف دی پٹھانز [جے۔ ڈبلیو۔ سپین] انگریزی، مطبوعہ لنڈن ۱۹۶۲ء

۱۱۵- حیاتِ لودی معروف بہ شوکتِ افغانی [عبدالحلیم ندوی] اردو، آگرہ ۱۳۲۵ھ۔

۱۱۶- منتظم ناصری [محمد حسن خان] فارسی، مطبوعہ ۱۲۹۹ھ۔ منتخب کتاب ہے۔

۱۱۷- تاریخ سلطانی [سلطان محمد خان بارکزئی] فارسی، مطبوعہ لاہور؟ ۱۲۹۸ھ۔

۱۱۸- تاریخ افغانستان [فریئر] انگریزی، مطبوعہ۔

۱۱۹- نسب افاغنہ [عبدالسلام خان] اردو، مطبوعہ رامپور ۱۹۱۲ء۔

۱۲۰- بابرنامہ [بابر بادشاہ] چغتائی، انگریزی ترجمہ ۲ جلد از مسز بیورج۔ ۱۹۲۲ء

۱۲۱- دی گرامر اینڈ وکیبولری آف منیری پشتو [جی۔ ایل۔ لاریمر] کلکتہ ۱۹۰۲ء۔

۱۲۲- بادشاہ نامہ [عبدالحمید لاہوری] فارسی ۲ جلد، کلکتہ ۱۸۶۷ء۔ تصنیف ۱۰۶۵ھ۔

۱۲۳- دی پرابلم آف دی نارتھ ویسٹ فرنٹیئر [سی۔ سی۔ ڈیوس] کیمبرج ۱۹۳۲ء انگریزی

۱۲۴- ہسٹری آف بنگال [چارلس سٹوارٹ] انگریزی، مطبوعہ لنڈن ۱۸۱۳ء

وغیرہ - وغیرہ۔

عرض حال

جب میں نے ۱۹۳۲ء میں اپنی تاریخ پیدائش (۲۸ / اگست ۱۹۱۱ء) کے اکیسویں سال، مسلم یونیورسٹی سے بی اے آنرز سکول کا امتحان پاس کیا اور نہ صرف اول درجے میں اول رہا بلکہ یونیورسٹی میں ایک نیا ریکارڈ بھی قائم کیا تو یونیورسٹی کے بعض طالب العلم مجھے دیکھنے اور مبارکباد دینے آتے تھے۔

انہیں میں سے ایک دن میری ملاقات دکھن کے ایک طالب العلم سے ہوئی جس نے دورانِ گفتگو میں ٹھیٹ پشتو زبان کا ایک لفظ استعمال کیا۔ میرے استفسار پر کہنے لگا کہ ہم بھی خٹک ہیں اور عرصۂ مدید سے ہندوستان آئے ہیں لیکن یہ لفظ ابھی تک ہماری روزمرہ میں مستعمل ہے۔

مزید استفسارات پر وہ اپنے قبیلے کی بابت زیادہ کچھ نہ بتا سکا، ادھر میں بھی بوجہ اپنی کم عمری اور تعلیمی مشاغل کے اپنے قبیلے کی بابت زیادہ کچھ نہ جانتا تھا۔

اس دو طرفہ ندامت کی وجہ سے اسی لمحہ میرے دل میں اپنے قبیلے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

۱۹۳۳ء میں تو میں ایم اے کے امتحان میں پھر اول درجے میں اول رہا۔ لیکن اس طرف زیادہ توجہ دینے کی وجہ سے ایل ایل۔ بی پریولیس کے امتحان میں ناکامیاب رہا۔

اب میری میلانِ طبیعت تو ادب کی طرف تھی لیکن چار سال کی عمر سے ایک ٹانگ میں معذوری کی وجہ سے میرے والد صاحب (خانصاحب حاجی محمد جہان خانصاحب) مجھ سے وکالت کروانا چاہتے تھے۔

۱۹۳۴ء میں پی ایچ۔ ڈی کا سکالر اینرول ہوکر میں نے زیر ہدایت محترم ڈاکٹر ہادی حسن (بی ایس سی، پی ایچ۔ ڈی، چیرمین و پروفیسر

شعبۂ فارسی) خاقانی شروانی پر کام شروع کیا جو تین سال کی محنت کے بعد اسلئے ادھورا چھوڑنا پڑا کہ جس پائے کا تجسس میں لکھنا چاہتا تھا اس کے لئے ہندوستان میں مواد دستیاب نہ تھا + اور ۱۹۲۶ء میں شادی ہو جانے اور صاحبِ اولاد ہونے کی وجہ سے بیرونِ ممالک جانے کیلئے میرے حالات سازگار نہ تھے +

اسی سال میں نے بطور سائیڈ ورک شیخ محمد علی حزین کی زندگی زمانے اور تصنیفات پر کام شروع کیا + یہ کتاب ۱۹۳۱ء میں انگریزی زبان میں لاہور سے شائع ہوئی - اور شاید اسی سال میں نے بہ ہمکاری ڈاکٹر آٹو سپیز صاحب (پی ایچ - ڈی ایل ایل - ڈی، جرمن و پروفیسر شعبۂ عربی) مسلم یونیورسٹی کے میگزین میں شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کے رسالے "مونِسُ العُشّاق" کا انگریزی ترجمہ "دی لوورز فرینڈ" کے نام سے شائع کیا +

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر سپیز کی ہمکاری میں شیخ مقتول کے تین رسالوں (ثلاثہ رسائل) کا فارسی متن، انگریزی ترجمہ اور مصنف کے حالات زندگی وغیرہ جامعہ ملیہ پریس دھلی سے شائع کئے + اسی سال میں نے شیخ حزین کے ایک نادر الوجود کتابچے "رسالہ در چگونگیٔ مرواریدؔ" کا فارسی متن انگریزی ترجمہ اور دیباچہ ڈاکٹر سپیز کو (جو ان دنوں رخصت پر گھر جا رہے تھے) اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی میں شائع کروانے کے لئے دیا + ڈاکٹر صاحب جب لوٹ آئے تو رسالے کی بابت کبھی تو کہتے تھے کہ میں نے اے - اے - اے فیضی صاحب کو دیا ہے اور کبھی ڈاکٹر ریڈر تھا کا نام لیتے تھے + لیکن اُن سے خط و کتابت پر ہر دو صاحبان نے رسالے سے لا علمی کا اظہار کیا + وقت گزرتا گیا + حتیٰ کہ ایک دن میری وکالت کے دوران میں مجھے برنوں میں ڈاکٹر سپیز کا خط ملا کہ وہ رسالہ جنگ کے بعد سامان پلٹتے ہوئے مل گیا ہے - اور یہ رسالہ بیس سال کے بعد ۱۹۵۴ء میں جرمنی میں ہم دونوں کے نام سے چھپ گیا + کیونکہ سپیز صاحب یہی چاہتے تھے

۱۹۳۶ء میں میں چھ ماہ ریڈیو سٹیشن پشاور کا انچارج رہا۔ لیکن ایک بار گورنر کی تقریر میں کانگریس کے برخلاف ایک جملے کو سینسر کرنے اور دو مرتبہ انگریزی کے پروگرام میں گوروں کو اُن کی بدتمیزی پر ڈانٹنے کے لئے سفید چمڑی والے آقاؤں سے نہ بنی سکی اور پشاور سٹیشن کا آل انڈیا ریڈیو کے ساتھ الحاق کے وقت سبز جھنڈی دیکھنی پڑی کیونکہ بخاری برادرس کا راج تھا۔

۱۹۳۷ء میں میرے ایک عزیز نے علیگڑھ آکر طعنہ دیا کہ فارسی میں تو خوب جوہر دکھاتے تھے لیکن اب قانون میں کئی سال سے غوطے کھا رہے ہو۔ ان سے کہا گیا کہ یہ تو کبھی میں امتحان میں نہیں بیٹھتا اور کبھی پرچے ادھورے چھوڑ دیتا ہوں ورنہ قانون پاس کرنا کونسا منتارے فتح کرلانا ہے۔ تاہم وہ نہ مانے۔ ادھر طعنے نے تازیانے کا کام کیا چنانچہ اسی سال ایل ایل۔ بی کا امتحان بھی درجہ اول میں پاس کیا۔

اسی سال خانِ قلات علیگڑھ تشریف لائے تھے۔ اور ایک بلوچ طالب العلم کے ذریعہ ہم پانچ طلباء کو انکی ریاست میں نوکری کرنے پر آمادہ کیا۔ وہاں جاکر راقم الحروف نے چندے قلات سکول کی ہیڈماسٹری اور چندے مکران میں اے ڈی آئی ایس کا کام کیا۔ سرکاری سال ختم ہونے پر وہاں سے استعفیٰ دے کر گھر چلا آیا۔

گھر پہنچ کر وکالت شروع کر دی۔

مجھے بچپن ہی سے اصیل مرغوں کے پالنے اور لڑانے کا شوق تھا۔ بڑے ہو کر کئی قسم کے بدلیشی مرغ بھی پالے۔ لڑاکا مرغوں پر ایک کتاب "اشاراتِ اصیل" کے نام سے اردو زبان میں ۱۹۴۹ء میں پشاور سے شائع کی۔ اور اسی سال بدلیشی مرغیوں پر بھی ایک کتاب بہ نام "اشاراتِ مرغی خانہ" اردو زبان میں پشاور سے شائع کی۔

اور سن ۱۹۵۰ء میں اسی مضمون پر اور اسی زبان میں اور اسی جگہ سے "معلومات مرغی خانہ" نامی کتاب شائع کی۔

اس کے بعد "عرفان" جلد اول کا انگریزی ترجمہ کیا۔ لیکن کسی وجہ سے کتاب کے سرورق پر مترجم کا نام لکھا جانے سے رہ گیا۔

شعر و شاعری کا شوق بھی مجھے عہد طفولیت سے تھا۔ تکمیل تعلیم کے بعد بنوں میں سنہ ۱۹۳۸ء میں "اردو سبھا" نامی بزم ادب کا پہلا صدر منتخب ہوا۔ اور جب سنہ ۱۹۵۶ء میں عابد مجبود صاحب نے بنوں میں پشتو ادبی ٹولنہ کی بنیاد ڈالی تو بنوں کے سب پشتونوں نے اردو سے علیحدگی اختیار کرلی اسوقت مجھے ٹولنہ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ آخر ٹولنہ پر غیر ترقی پسند عنصر کا غلبہ ہوجانے کی وجہ سے تنقیدی ٹولنہ کی تشکیل کرنی پڑی۔

سنہ ۱۹۵۶ء سے پشتو کے بہت سے رسالوں اور اخباروں میں میرا کلام اور مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

سٹیج کی ٹکنیک پر پورے اترنے والے ایک ایک ایکٹ کے دو منظوم پشتو ڈراموں کو پشتو میں پہلی بار شائع کرنے کا شرف بھی راقم الحروف کو حاصل ہے۔ ان میں سے ایک کا نام "ملک شاہ سلجوقی عرف کم اختر" ہے جو سنہ ۱۹۶۰ء میں رسالہ قند (پشتو) کے ڈرامہ نمبر میں چھپا تھا۔ اور دوسرے کا نام "قومی شاعر عرف مجسمہ قوم" ہے جو سنہ ۱۹۶۰ء میں رسالہ "غنچہ" میں شائع ہوا تھا۔

سنہ ۱۹۵۹ء میں پشتو کے صوفی شاعر عبدالرحمن پر ایک کتاب "رحمت بابا" کے نام سے پشاور سے شائع کی تھی۔

سنہ ۱۹۵۲ء سے ۲۹ سال بیت گئے۔ اس عرصے میں کئی اور کتابیں بھی لکھی گئیں جو اشاعت کے لئے تیار پڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً فرہنگ خاقانی (فارسی)، شیکسپیئر کے پانچ ڈراموں کے مکمل پشتو ترجمے جن میں سے صرف ہیملیٹ کا ترجمہ کلیتہً نثر میں ہے، اردو اور انگریزی کے ترجموں سے کالی داس کی "شکنتلا" کا منثور پشتو ترجمہ، تصوف کی ایک کتاب "لطیفۂ نفس" جسمیں لطیفۂ نفس کا ذکر ہے (اردو)، خاقانی شروانی کے بعض قصائد کا انگریزی

ترجمہ، پشتو کے تین شعراء کی الگ الگ سوانحعمریاں، "وزیری نرخ" وزیریوں
کے رواج پر، "ژوبل بنکاری" سٹیج کے لئے لکھا ہوا پانچ ایکٹ کا مکمل منظوم
اصلاحی پشتو ڈرامہ ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے "د وینو جام" کے بعد
پشتو میں دوسرا مکمل ڈرامہ ہے، "نوی بوٹان" سراغرسانی کا مکمل اور پشتو
ادب میں اس موضوع پر پہلا ناول ہے، کلیاتِ عقاب (پشتو و اردو)،
حالات پیر سباکؒ وغیرہ ۔ یہ آخری کتاب کچھ عرصہ ہوا چھپ چکی ۔

ویسے تو میں نے ستمبر ۱۹۶۱ء ہی میں اس تاریخ کو مرتب کرنا شروع
کر دیا تھا اور یہ اب سے کچھ عرصہ پہلے ہی چھپ جانی چاہئے تھی لیکن
اسی کو کیا کیا جائے کہ اس دوران میں میں نے ۱۹۶۳ء میں شیکسپیر کے
ڈرامے 'دی مرچنٹ آف وینس' کا پشتو ترجمہ "د وینس سوداگر" کے نام
سے شائع کیا ۔ (پشتو ادب میں یہ شیکسپیر کے ڈراموں کا پہلا صحیح، مکمل اور
منظوم ترجمہ ہے)۔

۱۹۶۴ء میں خٹکوں کے سب سے بڑے ولی کاکا صاحبؒ پر ایک کتاب
بہ نام "کاکا صاحب" اور اسی سال ایک کتاب اردو زبان میں بنوں کے
غازی ولاسہ خان پر شائع کی ۔

"تاریخ خٹک" کو مزید التواء میں نہ ڈالنے کی غرض سے دیگر تصنیفات
کے مشغلے کو سردست چھوڑ کر اواخر جولائی ۱۹۶۴ء میں اس کتاب کی
کتابت شروع کر دی اور برداشتہ قلم اسے پشتو سے اردو میں بھی ترجمہ
کرتا رہا کیونکہ اصلاً یہ کتاب پشتو میں لکھی گئی تھی ۔ اور للہ الحمد کہ یہ
کتاب آج آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔

چونکہ خٹکوں کا سب علاقہ پہاڑی یا ریتلا اور عموماً بارانی ہے جسے
پہاڑی نالوں نے کاٹ کاٹ کر نشیب و فراز بنا دیا ہے جس میں زراعت
بہت کم ہو سکتی ہے اسلئے ازمنۂ گذشتہ میں یہاں کی سرزمین پر کبھی بھی
ایسے بڑے بڑے شہر آباد نہیں ہوئے جہاں سے کچھ آثار قدیمہ ملنے کی
امید ہو سکے ۔ لیکن چھوٹے چھوٹے کھنڈرات کہیں کہیں پائے جاتے ہیں ۔

خٹکوں کے علاقے کے شمال اور جنوب کی طرف پشاور اور بنوں کے زرخیز میدان پڑے ہوئے ہیں جن میں جا بہ جا پرانی آبادیوں کے کھنڈرات اور نشانات ملتے ہیں جن میں آثار قدیمہ کے پائے جانے اور انکے ذریعے خٹکوں کی تاریخ لکھنے میں مدد ملنے کی توقع ہو سکتی ہے۔

پشاور میں اب تک جو کھدائی ہوئی ہے یا جو آجکل صوابی میں ہو رہی ہے وہ عموماً بدھ مذہب کے آثار دریافت کرنے کے نقطۂ نظر سے ہوئی ہے اور بنوں میں تو آکرہ کی سطحی کھدائی کے علاوہ اور کبھی کام ہوا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ بنوں میں غوریوالہ اور نار میں بھی کھدائی کے قابل کئی جگہیں موجود ہیں

لیکن اور جگہوں کے آثار قدیمہ کی مدد سے خٹکوں کی جو تاریخ لکھی جائیگی اس کی مثال علاقہ باڑک خٹک کی ایک عورت کی رنگ بہ رنگ ٹوٹے لگے ہوئے قمیص کی طرح تو ہوگی لیکن گریبان ہوگا تو چھولی نہ ہوگی اور چھولی ہو تو دامن غائب ہوگا!

نہ تو خٹک کوئی کتبے چھوڑ گئے ہیں نہ سکے نہ عمارتیں نہ پرانی کتابیں جن سے ان کی تاریخ مرتب کی جاتی۔ نہ ان کے علاقے میں انسانیات (انتراپالوجی) یا عمرانیات (سوشیالوجی) کے کسی ماہر ہی نے کبھی کوئی کام کیا ہے جو ان کے اصل اور نسل کے حالات زیادہ وثوق سے لکھے جا سکتے۔

بعض لوگوں نے دوسرے ابتدائی قبائل میں پائے جانے والے انسانیات اور عمرانیات کی معلومات کا اطلاق پشتونوں پر کرنا چاہا ہے لیکن ایسا کرتے وقت لمبا منہہ کی کھائی ہے۔ مثلاً لکھا گیا ہے کہ پشتون قبائل باہمی ازدواج کا رواج نہیں ہے۔ (اس کی توضیح ہم نے آگے کر دی ہے)۔ ظاہراً دوسرے قبیلوں کی بابت جو حقائق معلوم ہوتے ہیں ان کا اطلاق قوم خٹک پر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ایک قبیلے کا علم انسانیات ایک یا دو یا حد تین یا چار پشتوں میں بدل جاتا ہے۔ اور یہ علم ان قبائل کے حالات معلوم کرنے میں معاون ثابت

ہو سکتا ہے جو نہایت ہی ابتدائی حالت میں ہوں۔ خٹک اب ویسی ابتدائی حالت میں تو رہے نہیں البتہ ان کے بعض قبائل اب بھی بیرونی دنیا سے بہت الگ تھلگ بسرِ اوقات کر رہے ہیں جن میں ایک حد تک کام ہو سکتا ہے +

صوات، دیر، باجوڑ وغیرہ اور بھارت میں راجپوتانہ میں جو کام ہوا وہ بھی بہ طریقِ موازنہ خٹک کے حالات لکھنے میں ایک حد تک مفید ہو سکتا ہے +

خٹکوں کی زبان پر بھی علم فقہ اللغت (فلالوجی) کی رو سے کام نہیں ہوا۔ اور اگر ہوتا بھی تو چنداں مفید نہ ہوتا۔ کیونکہ اس علم کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ اس سے کسی قوم کی تاریخ لکھنے میں قدرے مدد تو لی جا سکتی ہے لیکن محض اس کی بنا پر کسی قوم کی تاریخ نہیں لکھی جا سکتی۔ اور بیلیو وغیرہ کا پشتونوں کی باقاعدہ تاریخ لکھنے کی بجائے محض ایک لفظ (پشتون یا پختون) کے دو قسم کے تلفظ پر پشتون کو دو گروہوں (پشتون اور افغان) میں بانٹنا محض زیادتی ہے۔ اسطرح کے لہجیاتی تغیرات اور اصواتی مشابہت کی بنا پر تو یہ کہنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ سرحد کے خٹک اور یو پی کے کھتیک ایک ہی ہیں +

اس کتاب کے آغاز سے پہلے میں نے اپنے ہم پیشہ خلیفہ درملوک خان وزیر ناظم جبل کے ساتھ ایک دن تاریخ خٹک کے مواد پر تبادلہ خیالات کرنا چاہا۔ اُس طرف سے جواب ملا: ''گلا (پیارے)! جانے بھی دو۔ ہم وزیروں اور تم خٹکوں کی تاریخ کا مواد پڑا ہی کہاں ؟ — مجھے اپنے والد [خانبہادر جبر محمد خان صاحب ۱۸۹۰ء — ۱۹۴۲ء] نے ایک مرتبہ بتلایا تھا کہ اپنی جوانی کے دنوں میں ہم نے اپنے کئی مردے بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دئیے تھے کیونکہ دور دور تک نماز جنازہ جاننے والا انسان نہ ملتا تھا۔ بہ امر لاچاری ہم میں سے کوئی ایک پشتو خوان امیر حمزہ کی سُرخا (سرخ کاغذ پر لکھی ہوئی) کتاب اٹھا لاتا تھا اور زور زور سے پڑھنا شروع کر

دیتا تھا کہ پھر امیر حمزہ صاحب نے یوں تلوار نیام سے نکالی اور یوں کفار کے پیروں کو کھینچ ڈالا۔ اور یوں کیا اور یوں کیا۔ اور پھر وہ شخص سماں چلا اٹھتا تھا کہ ھلا [جلدی کرو]۔ یا اللہ اسے بخش دے۔ اسے دعا دو۔ تب حاضرین سر دے پیر خاک اندازی دیتے تھے۔

ایسی حالت میں تاریخ خٹک لکھنے کا کسے یارا ہوتا۔ تا ہم دل میں گزرا کہ للّٰہ الحمد! میری قوم اتنی گئی گزری بھی تو نہیں۔ ہم میں تو بہت سے اولیاء اللہ، اصحاب طریقت اور خان اور اسکے پوتے جیسے فضلاء گزرے ہیں۔ توکل تو کرنی ہی ہوگا۔ اور توکل کر ہی لیا۔ اور یہ کتاب اسی توکل کا نتیجہ ہے۔ اور اچھا ہے یا برا آپ خود ہی دیکھ لینگے۔

میں ایک ایسے گوشے میں پڑا ہوا ہوں جہاں تاریخ خٹک پر مواد بہ مشکل ہی دستیاب ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض لوگوں پر جن کے ہاں مواد ملنے کی امید ہو سکتی تھی علمی بخل کا بھی شائبہ ہے۔ با این ہمہ محض اس خیال سے کہ نہ جانے پھر کوئی خوشحال خان ثانی کب پیدا ہو جو تاریخ خٹک کی تحریر کے کٹھن کام کا بیڑا اٹھائے یہ برگ سبز است تحفۂ درویش آپکی خدمت میں بہ صد نیاز پیش کر رہا ہوں اور اپنی بے بضاعتی اور کم علمی اور اپنی غلطیوں اور خامیوں کے لئے آپ کی عالی حوصلگی سے چشم درگذر کی توقع رکھتا ہوں۔

اب ہر چند کہ خٹک قوم کی کثیر تعداد اور انکے وسیع علاقے کے پیش نظر انکی تاریخ لکھنا پھولوں کے سیج پر سونا نہ تھا تا ہم میں نے حتی المقدور اس کتاب میں خٹکوں کے تاریخی، جغرافیائی، ثقافتی اور قبائلی وغیرہ حالات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

تاریخی حالات میں آپ دیکھ پائینگے کہ ہیروڈوٹس نے سٹاگیدی کے نام سے جس قوم اور علاقے کا ذکر کیا ہے وہ اپنی ثقافت اور اپنے محل وقوع کی وجہ سے یہی قوم خٹک اور کم و بیش ان کا موجودہ علاقہ ہے۔

اس کتاب میں خٹکوں کے علاقے کے جغرافیائی حالات اسلئے شامل

کئے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے وطن کے جغرافیائی حالات، آب و ہوا اور عادات کا ذکر کئے بنا محض اس قوم کے مستند حالات یکجا کر لے تو یہ اس قوم کی مکمل تاریخ نہیں کہلائے جا سکتے۔ اس لئے کہ اگر ہم ان حالات سے ناآشنا رہیں جن میں یہ واقعات رونپذیر ہوئے ہیں تو ہمیں اس قوم کی تاریخ میں اکثر باتیں ناممکن یا غیرقدرتی نظر آئینگی۔

ثقافتی حالات میں صرف ان باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو یا ختکوں سے مخصوص یا ان میں بہت کثیرالوقوع ہیں۔ جو باتیں سبھی پشتونوں میں مشترکہ ہیں (مثلاً ننگ، ننواتے وغیرہ) اور جو ہم میں اسلام لانے کی وجہ سے آئی ہیں (مثلاً نماز، روزہ وغیرہ) انکا ذکر بجد نہیں کیا گیا۔

ہمارے مورخ ثقافتی حالات کو توجہ نہیں دینے آئے۔ لیکن کسی قوم کے معاشی، سیاسی اور اقتصادی حالات لکھے بغیر اس قوم کی موجودہ رجحان کے مطابق تاریخ لکھنی ناممکن ہو جاتی ہے۔

اس موضوع پر لکھتے وقت نہ تو مورخی کے اصولوں سے گریز کیا گیا ہے اور نہ اس خیال کو خود پر چھانے دیا گیا ہے کہ میں تو ایک ختک ہوں قوم کی اس دکھتی رگ پر ہاتھ نہ رکھونگا یا اس مرض کا علاج بتلانے سے مجھے کیا واسطہ۔ اسلئے کہ ایک مورخ کو لامحالہ اپنی قوم کا معالج بھی ہونا پڑتا ہے۔ اسلئے جہاں ایسی صورت پیش آجائے وہاں لکھنے والے سے آزردہ خاطر ہونے کی بجائے اپنی اصلاح کی ٹھانی چاہئے۔

قبائلی حالات میں پہلے تو ہر قبیلے کی چند ابتدائی پشتیں دی گئی ہیں اور اسکے بعد اس قبیلے کے مختصر حالات دئے گئے ہیں۔

قبائل ختک میں اکوڑخیل قبیلے پر تو نسبتاً بہت زیادہ مواد پایا جاتا ہے خصوصاً خان اور اسکے اخلاف پر تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب میں اگر ایک طرف یہ گوارا نہ تھا کہ یہ اکوڑخیلوں کی تاریخ بن کر رہ جائے تو دوسری جانب یہ بھی ملحوظِ خاطر نہ تھا کہ اس میں کسی قبیلے کو اسکی تعداد، وسعتِ وطن اور تاریخی کارکردگی سے

زیادہ صفحات دئے جائیں خواہ وہ میرا اپنا قبیلہ لُصرلی ہی کیوں نہ ہو۔ بابر کے زمانے سے پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں میں افغان کا ذکر تو ہے لیکن کرلانڑی کا ذکر نہیں ہے۔ ازاں بعد مخزنِ افغانی تک کی بعض کتابوں میں کرلانڑی کا ذکر تو ملتا ہے لیکن خٹک کا ذکر ندارد ہے۔ اس کے بعد کی کتابوں میں خٹک کا ذکر تو ہے لیکن مختلف قبیلوں کا مکمل اور مفصل بیان مفقود ہے۔

مخزن افغانی میں کرلانڑی قبیلے کا ذکر صرف تین صفحات پر محدود ہے اور کرلان کے بیٹے کودے کی اولاد کا شجرہ بھی غلط درج ہے جسکی وجہ آپ کو مخزن افغانی کا باب پڑھنے سے معلوم ہو جائیگی۔

میاں دلبر شاہ کوہاٹی کے پاس فارسی میں لکھا ہوا ایک ضخیم قلمی نسخہ موجود ہے جس کی جلد کے کاغذ پر "کتاب مجمع الانساب" لکھا ہوا ہے۔ حقیقتاً یہ ایک کتاب نہیں ہے بلکہ چند کتابوں کا ایک مجموعہ ہے جسمیں ہر کتاب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہے۔ اس مجموعے کے شروع میں میاں محمد نور (ولد میاں محمد قاسم ولد میاں عبداللہ معروف بہ حاجی بہادر صاحب کوہاٹی) کی ایک تصنیف شامل ہے جسکی بابت مولف لکھتا ہے: "یہ کتاب حاجی بہادر صاحب نے اپنے ہاتھ سے ملک عرب میں لکھی تھی۔ چونکہ میں نے اپنے باپ دادا سے مسلسل سنا ہے کہ شریعت میں انساب کا ثابت کرنا جائز ہے اس لئے میں نے تاریخ کی پرانی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان معتبر کتابوں سے پرانے لوگوں کے شجرے لئے اور ان اوراق میں درج کر دئے تاکہ میری اولاد کو بہ وقتِ ضرورت کام آئیں"۔ غالباً اس تحریر کی بناء پر کسی نے سب مجموعے کا نام "کتاب مجمع الانساب" لکھ دیا ہے۔ اس مجموعے میں میاں محمد نور کی کتاب اصل نہیں نقل ہے۔ کیونکہ کچی کے کاغذ پر لکھی ہوئی ہونے کے علاوہ آغاز کتاب میں تین اشعار کے بعد مولف کے نام کے ساتھ "صاحب" کا لفظ یوں استعمال کیا گیا ہے: "کہتا ہے میاں محمد نور صاحب"۔ اس کتاب میں کسی نے ۱۳۲۵ھ تک کے حالات بڑھا دئے

ہیں۔ کیونکہ ایک جگہ لکھا ہے: "اور پشاور اور کوہاٹ کی جاگیر بر ۱۳۲۵ھ تک حاجی بہادر صاحب قدس سرہ العزیز کی اولاد قابض اور متصرف آ رہی ہے۔" اور اس مجموعے کی ایک اور کتاب میں لکھا ہے: "جان لے کہ ہمارے بزرگوار داداؤں میں سے حضرت محمد نور صاحبؒ نواسہ حضرت حاجی بہادر صاحب قدس سرہ العزیز سے منقول ہے۔"

اس مجموعے کی دوسری کتاب کا نام "حالاتِ کوہاٹ" ہے۔ فارسی میں لکھی ہوئی اس کتاب میں حمد اور نعت کے بعد کتاب کا مصنف غلام محمد خان ملتانی اپنی تصنیف کی بابت لکھتا ہے: "کہتا ہے ..... غلام محمد ملتانی کہ تقدیر مجھے کوہاٹ لائی۔ اسلئے اس ملک کے حالات میں جو کچھ میں نے معتبر کتابوں میں دیکھا اور ثقہ لوگوں کی زبانی سنا وہ میں نے چند سطروں میں یہاں لکھ دئے۔" یہ کتاب نواب خواجہ محمد خان خٹک (۱۸۴۴ء - ۱۸۹۹ء) کے حینِ حیات میں لکھی گئی ہے۔

اس مجموعے کی ایک اور کتاب بھی حاجی بہادر صاحب کوہاٹی کی زبانی لکھی گئی ہے۔ جسکا آغاز یوں ہے: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جان لے کہ .... حاجی بہادر صاحب کوہاٹی سے یوں نقل پہنچی ہے کہ بنگش قوم کے حالات کی صحیح صورت یہ ہے کہ خالد ابن ولید کے تین بیٹے تھے۔ ان میں خالد کا بیٹا عبداللہ بہت ہوشیار .... تھا .... بنگش اس کی اولاد سے ہیں۔" یہی کتاب لکھتی ہے: "طوری [نوری] اور جاجی [حاجی] اصل میں کٹھر قوم سے ہیں جو پنجاب سے آئے تھے اور بنلاب میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں بنلاب سے کوچ کر کے موضع کرم کو چلے گئے اور اسے آباد کیا۔"

"حالاتِ کوہاٹ" میں اکوڑخیلوں اور بنگشوں کے خوانین کے شجرے نسبتاً بسط سے دئے گئے ہیں اور خوانین خٹک پر خوانین بنگش کی برتری ثابت کرنے کے لئے جا بجا تاریخی لحاظ سے غلط اور ناممکن الوقوع خرافات سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے: "خوانین کوہاٹ اسمٰعیل خان اور

شہولی خان جب اپنوں کے ہاتھوں تنگ آگئے تو بوجہ لاچاری خانصاحب
والا شان محمد افضل خان کے پاس ٹیری چلے گئے۔ اس نے انہیں مدد دی
اور رخصت کر دیا۔ خٹک قوم کی امداد سے حاکم بنے تھے + اسمٰعیل خان
نے کمک کی وجہ سے لاچی کا گاؤں اسے بخشش دیا تھا .... +"

مندرجہ بالا بیان میں حسبِ ذیل غلطیاں ہیں (۱) لاچی کا علاقہ
خٹکوں کو اسوقت تقسیم میں ملا تھا جب خٹکوں اور بنگشوں نے مل کر
اورکزیوں سے جنوبی بنگش کا علاقہ فتح کیا تھا (جیسا کہ آپ اس کتاب
میں آگے جا کر پڑھ لینگے +) (۲) محمد افضل خان I سنہ ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء میں
حاکم بنا تھا۔ اور اِسی "کتاب مجمع الانساب" میں آگے لکھا ہے: "بیان بنگش
قوم کے بائزئی ٹپہ کے خوانین کا جو کوہاٹ کے حاکم تھے:۔ اسمٰعیل خان ولدِ
شاہولی خان شیرشاہ بن حسن خان قوم نیازی یا سوری م کے زمانے میں
۱۵ محرم سنہ ۹۰۰ھ [/ ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۴۹۴ء] کو کوہاٹ کا حاکم بنا +" اسکا مطلب
تو یہ ہوا کہ محمد افضل خان نے اپنے حاکم بننے سے ۱۹۳ سال پہلے اسمٰعیل خان
کو مدد دی تھی!

اس مجموعے کی ایک کتاب میں اکوڑ خیلوں جیسے معروف قبیلے کا شجرہ
یوں غلط درج ہے: "محمد اشرف خان بن مشرف خان بن خوشحال بیگ خان
..... تومن خان بن سومن خان بن محمد علی خان ..... اکو خان بن مانوخان
بن تتری خان بن ثتری خان .... لقمان بن بربان +" مندرجہ بالا شجرے
میں زیر خط کشیدہ نام زائد اور غلط ہیں +

یہ دو مثالیں آنے والے کام کرنے والوں کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہونگی
اور وہ "کتاب مجمع الانساب" سے استفادہ کرتے وقت بہت احتیاط سے کام
لینگے۔ کیونکہ یہ کتاب غلطیوں سے پٹی پڑی ہے +

اس مجموعے میں دو کتابوں کے سرورق اور آخری ورق غائب ہیں جسکی وجہ سے مزید تحقیق
کے بغیر انکی بابت زیادہ کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ ہاں۔ انہیں ایک میں میں نے اس
جیسی عبارت دیکھی جو اخوند درویزہ کے تذکرے میں پیر سباک کے بزرگوں کی بحث میں ہے

سکھوں سے پشتونوں کا علاقہ چھین چکنے کے بعد انگریزوں نے افغانستان میں شمال کی طرف سے روسیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لئے اور افغانستان کو حاصل کرنے کیلئے پے در پے وفود افغانستان بھیجنے شروع کئے۔ یہ وفود پشتونوں کے علاقے سے ہو کر گزرتے تھے۔ اسلئے انگریزوں نے پشتون قوم اور اسکی زبان کا مطالعہ شروع کیا اور دونوں پر ڈھیر ساری کتابیں لکھ ڈالیں۔ لیکن انہوں نے خٹکوں پر کوئی کتاب نہیں لکھی کیونکہ وہ اپنی کتابیں ان قبائل کی بابت لکھتے تھے جو ان کی راہ میں پڑتے تھے اور ان سے برسرِ پیکار رہتے تھے اور جن سے نپٹنے اور آئندہ کیلئے اپنی قوم کی آگاہی کیلئے انگریزوں کو انکی زبان اور عادات و خصائل جاننے کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ عموماً وہ قومیں ہوا کرتی تھیں جو پہاڑوں میں بستی تھیں اور اپنے محلِ وقوع کی وجہ سے اغیار کی پر اثر مدافعت کر سکتے تھے۔ خٹک ایک تو میدانوں یا نیچی پہاڑیوں کے علاقے میں بستے تھے جو بہ آسانی فتح کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے وہ عرصۂ دراز سے اپنی طاقت خانہ جنگیوں میں ضائع کر چکے تھے۔ تیسرے انکی مشرقی شاخ کی حکومت تو سکھوں ہی کے زمانے میں ختم ہو چکی تھی اور سکھوں اور اپنے عزیزوں کا ستایا ہوا مغربی شاخ کا خان شروع ہی سے انگریزوں کا حلیف تھا۔

انگریزی دور کی لکھی ہوئی تاریخی نوعیت کی بعض کتابوں میں خٹکوں کا ذکر ضمناً یا بطور ایک مستقل باب کے آتا ہے۔ لیکن وہ کتابیں آجکل سخت کمیاب ہیں۔ اور اگر سعیٔ بلیغ اور صرفِ کثیر سے کوئی انہیں پا بھی لے تو ان میں کیا پائیگا؟ — خٹکوں کا غلط حال اور نامکمل شجرے! خٹکوں کے صحیح حالات کے متلاشیوں کے لئے، اور انہیں بیجا کاوش اور تاوان سے بچانے کے لئے یہ مخصوص، جامع، مستند اور کم قیمت کتاب لکھی گئی ہے۔

زمانہ قریب میں کیرو صاحب نے "دی پٹھانز" کے نام سے جو کتاب چھاپی ہے وہ اپنے مندرجات کی نوعیت کے لحاظ سے ایک علیٰحدہ باب کی مقتضی تھی جو اس کتاب میں قائم کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں قبیلوں کے شجروں، نقل مکانی اور اسمائے مساکن کے بارے میں ضلع پشاور کے بندوبست ۱۸۷۰ء اور ضلع کوہاٹ کے بندوبست ہائے ۱۸۹۶ء اور ۱۹۳۰-۱۹۳۴ء کے اشتمالِ حقیقت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ اشتمالہ جات بعض لحاظ سے تو کافی قابلِ اعتماد ہیں لیکن ان سے تاریخی مواد اخذ کرتے وقت بہت سے کام لینا چاہئے کیونکہ بعض مواقع پر عملۂ بندوبست کو بیان دیتے وقت مالکانِ اراضی نے بوجہ بُعدِ زمانی فحش غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً کبیر کلہ (تحصیل کرک) کے مالکان بیانی ہیں: "تخمیناً چار سو سال کا عرصہ ہوتا ہوگا کہ جب سردار شہباز خان حاکم نے ٹل اور ثوتزہ پایان کے علاقے پر جو مروت قوم کے قبضے میں تھا جنگ اور قبضہ کرلیا۔" اس بیان کے مطابق سردار شہباز خان کا زمانہ تخمیناً (۱۸۹۶ء - ۴۰۰ = ۱۴۹۶ء) بنتا ہے۔ حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ نامبردہ نے ۱۷۵۹ء سے ۱۷۹۹ء تک ٹیری پر حکومت کی تھی۔ ایسے ہی موضع بدین خیل کے مالکوں نے بھی سردار شہباز خان کا زمانہ ۴۰۰ سال قبل کا بیان کیا ہے۔ لیکن موضع کرک کے مالکوں نے اس کا زمانہ ۳۰۰ سال پہلے کا بتلایا ہے۔

بندوبست سے پہلے زمانے کے شجروں کا جو مطلب میں نے اخذ کیا ہے وہ آپ اس کتاب میں "شجرے" کے باب میں پڑھ لینگے۔

اس کتاب میں جہاں بھی ہو سکا میں نے پرانی کتابوں میں دئے ہوئے شجروں کی درستی کردی ہے اور جہاں جہاں وضاحت کے لئے ضروری دکھائی دیا میں نے پرانے شجروں میں چند پشتوں کی ابزادی بھی کردی ہے۔

اس کتاب میں میں نے حتی الوسع زبانی قصوں اور روایتوں سے

پہلو بھی کی ہے۔ کیونکہ مرورِ زمان کے ساتھ اب ان میں سے کئی ایک نے اچھا خاصا افسانوی رنگ اختیار کر لیا ہے +

اگرچہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر قوم کی تاریخ کی بنیاد روایتوں اور افسانوں پر ہی ہوتی ہے۔ لیکن بہت عرصہ گزرنے کے بعد جب وہ قوم ترقی کر لیتی ہے تو آخر ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ اس قوم میں وقائع نگاروں کی جگہ مورخ سنبھال لیتے ہیں جن میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ روایات اور اصل واقعات کو چھانٹ کر رکھ دیں + جتنی بھی کوئی قوم مہذب اور عقلِ سلیم سے بہرہ ور ہو اتنا ہی اس قوم کے مورخ روایات سے اجتناب برتتے ہیں۔ اور یا تو روایات کو سرے سے اپنی تصنیفات میں پھٹکنے ہی نہیں دیتے یا ان پر تدقیق کے ساتھ بحث کر لیتے ہیں اور ان میں سے رنگینی کو علیحدہ کر لیتے ہیں اور اگر ممکن ہو تو انہیں اصلی واقعات کے ہمدوش کھڑا کر دیتے ہیں + اس کتاب میں بھی کافی حد تک اس طریقِ کار پر عمل کیا گیا ہے +

پشتونوں اور ایرانیوں کی پرانے زمانے سے چلی آنے کیوجہ سے ایرانیوں نے پشتونوں کے برخلاف جو زہر اگلا ہے اسکی کچھ جھلک تو آپکو اس کتاب میں نظر آ جائیگی لیکن اسپر مفصل بحث سے عمداً اجتناب کیا گیا ہے +

پشتون کی نسل کے بارے میں مشرق اور مغرب کے اہلِ قلم مختلف نظریے پیش کرنے اور ایکدوسرے سے اندھا دھند نقل کرتے چلے آئے ہیں ان کے دلائل بھی آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائینگے +

یہ کتاب ہرچند کہ خٹکوں کی تاریخ وغیرہ کا ایک مختصر لیکن جگمگاتا ہوا مرقع ہے لیکن با ایں ہمہ مکمل پن کا دعویٰ نہیں رکھتی کیونکہ ابھی تو سنسکرت زبان میں پشتونوں پر مواد ڈھونڈنا باقی ہے۔ اور ابھی تو خود پشتونوں کے گھروں میں پڑا ہوا بہت سا مواد بھی منصۂ شہود پر نہیں آیا

مجھے یہ لکھتے ہوئے ندامت محسوس ہوتی ہے کہ مجھے ان میں سے ایک جگہ سے بھی مواد حاصل نہیں ہوا جہاں سے مواد ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ بلکہ بعض اوقات تو خالص خٹکوں نے میری دل شکنی اور میری راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی۔

اس کتاب کے لئے خٹکوں کی زندگی کی تمثیلی تصویریں دستی کیمرے سے لی گئی تھیں اور اپنے فوٹوگراف اور ان کی طباعت کے اخراجات بھیجنے کے لئے بعض مشہور خٹکوں کو گشتی چھٹی بھیجی گئی تھی لیکن ماسوائے عزیزم ہمشیر لفٹننٹ جنرل حبیب اللہ خان خٹک کے کسی طرف سے جواب نہ آیا۔ اس لئے جرنیل صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کتاب تقریباً معرا پیش کی جاتی ہے۔ اور مستقبل کو حال کے آئینے میں بھانپتے ہوئے اسے کم خرچ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے نقشہ جات مستند مطبوعات سے لئے گئے ہیں۔

بنوں ۱/۶۵ خٹک عقاب

پشتون کے نام :-

دنیا کی وہ سب سے بڑی قبائلی وحدت، جس نامور اور بہادر قوم کی اکثریت ایک لاکھ مربع میل کے احاطے میں سابق صوبہ سرحد آزاد قبائل اور بلوچستان اور افغانستان کے اکثر علاقوں میں سکونت پذیر ہے، جو سب کے سب حنفی مسلمان اور جنکی زبان پشتو ہے اور جو اپنے آپ کو بلا استثناء پشتون یا پختین (مذکر پشتون+جمع پشتانہ+ مونث پشتنہ+جمع پشتنے اور پشتیانے) کہتے ہیں اور جو سب سے زیادہ پشتون کے نام سے مشہور ہے، جس نے ہندوستان اور ایران پر بھی حکومت کی اور جنکی حکومت افغانستان میں آج بھی قائم ہے ۔۔۔ اس ملت قاہرہ کو اغیار نے کئی اور ناموں سے بھی پکارا ہے + پشتون کے جملہ ناموں کی تشریح حسب ذیل ہے :-

(ا) پشتون یا پختین ۔۔ قوم پشتون پشتونخوا (پشتون کے علاقے) کی اصلی اور قدیمی باشندہ ہے۔ پہاڑوں میں رہنے، جدا جدا رہائشگاہوں اور مقامی حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے قبائل کا آپس میں آزادانہ ازدواج نہ کرسکنے کی وجہ سے ان کا خون میدانی علاقوں کے باشندوں کے مقابلے میں زیادہ صاف رہا ہے +

"تتمہ" میں لکھا ہے: "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پشتون قوم ابتداء ہی سے ان پہاڑوں میں آباد تھی اور شروع ہی سے اور قوموں سے ممتاز چلی آئی ہے + یہی قوم سکندر رومی کیساتھ لڑی تھی اور فارس کے بادشاہ گشتاسب کے وقت موجود تھی۔ ان کا ملک سیستان کے صوبے اور مشہور پہلوان رستم کے زیر حکومت تھا۔ یہ اسے گائے کی دس کھالیں سالانہ خراج میں دیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے بغاوت کی اور اس قیمتی خراج کے دینے سے انکار کردیا۔ لیکن رستم نے حملہ آور ہوکر انہیں دوبارہ مطیع کر لیا +"

لیکن وقتاً فوقتاً پشتونوں میں اور قومیں مثلاً یہودی، عرب، ایرانی ترک اور منگول بھی ملتی چلی آئیں اور پھر پشتون قوم کی رعایت سے پشتون کہلانے لگیں کیونکہ ان نوواردوں نے اپنا مذہب، لباس، زبان اور خو خصلت تک تیاگ کر کلیتہً پشتونوں کی ثقافت اپنا لی تھی۔ مثلاً جو بنی اسرائیل پشتونوں میں آکر بسنے لگے ان کا نہ تو یہودی مذہب ہی باقی رہا نہ عبرانی زبان، ریشہ زنار اور نہ اور کچھ۔ عروج اسلام کے بعد جو عرب یہاں آئے وہ بھی اپنی عربی زبان اور لباس وغیرہ چھوڑ بیٹھے۔ عرب تو بجائے خود سب سیدوں کے کئی قبیلے بھی اپنے آپ کو سید کی بجائے پشتون کہنے لگے۔ ترکوں اور ایرانیوں وغیرہ کا حال بھی اسی منوال پر ہے۔

پہلے دنیا کی قومیں پوست کے لحاظ سے چار گروہوں میں بانٹی گئی تھیں۔ (۱) سفید فام (آریہ)۔ (۲) زرد فام (منگولین۔ (۳) سرخ فام (سیمیٹک)۔ اور (۴) سیاہ فام (حبشی)۔ لیکن دور حاضر کے علماء دنیا میں گیارہ نسلوں کا وجود مانتے ہیں۔ خٹک قوم کا تعلق سفید فام نسل سے ہے۔

آریہ قوم کے اصلی مسکن کی بابت علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور آئے دن اس بارے میں نئے نئے نظریئے قائم ہوتے رہتے ہیں۔

علمائے افغانستان کے نظریے میں پشتون آریہ ہیں۔ ان کے ہاں اس نظریئے کو پہلی بار ۱۹۲۲ء کے حدود میں ترویج ملی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہٹلر نے نارڈک نسل کا نظریہ پیش کرکے کہا تھا کہ جرمن قوم کا خون دنیا بھر کی قوموں سے پاکیزہ تر ہے۔ اور جرمن آریہ ہیں۔

آریہ نظریئے کے حامی کہتے ہیں کہ آج سے چھ ہزار سال پہلے جب آریہ قوم کی تعداد بڑھی اور وہ وسطی ایشیا میں اپنے مسکن میں نہ سمانے لگے تو انہوں نے تقریباً ۴۰۰۰ق م میں وہاں سے کوچ کیا اور بخد (باختر، بکٹریا، افغان ترکستان) میں ایک خوبصورت تمدن کی بنیاد ڈالی۔

کچھ عرصہ بعد جب انکی تعداد پھر بڑھ گئی تو کچھ قبیلے تو وہیں رہ گئے لیکن کچھ یورپ، ایران اور بھارت کی طرف کوچ کر گئے۔

جو آریہ بخد میں رہ گئے تھے وہ رفتہ رفتہ کوہِ ہندوکش کے شمالی اور جنوبی دامنوں میں پھیل گئے۔ حتیٰ کہ مغرب میں کوہِ ہندوکش سے لیکر مشرق میں دریائے سندھ (اباسندھ، اباسین، اٹک، نیلاب) تک، اور شمال میں تبت سے لے کر جنوب میں بحیرہ عرب تک سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ بلخ، کابل، ہرات اور خراسان وغیرہ اسی علاقے میں شامل ہیں۔ اس علاقے کے بسنے والے باختری آریہ ہیں۔ اور خٹک قوم کا تعلق اسی علاقے کیساتھ ہے۔

باختری آریہ کے ایک بڑے قبیلے کے پرانے نام بخد (یا بخت) کی رعایت سے ان کا وطن بخد، بخت یا بلخ کہلاتا ہے۔ چونکہ انکے نام میں حرفِ "خ" پایا جاتا ہے جو سنسکرت زبان میں نہیں پایا جاتا اسلئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج سے چھ ہزار سال پہلے آریہ ایک ایسی زبان بولتے تھے جس میں "خ" کا حرف موجود تھا۔ وہ زبان تو اب نہیں رہی لیکن اس سے باقیماندہ تین زبانوں پشتو، اوستا اور سنسکرت (یا منجھی ہوئی ویدک زبان) میں سے اول الذکر دو میں تو یہ حرف موجود ہے لیکن تیسری میں اب نہیں پایا جاتا۔

پشتونوں کا سب سے قدیمی ذکر آریہ کی سب سے پرانی مذہبی کتاب "رگ وید" میں آیا ہے جو سنہ ۱۲۰۰ ق م اور سنہ ۱۹۰۰ ق م میں یعنی آج سے تقریباً ۳۹۰۰ یا ۳۲۰۰ سال قبل لکھی گئی ہے۔ آریہ کا مطلب ہے اصیل۔ رگوید کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کے لکھے جانے کے وقت، علاوہ اور جگہوں کے آریہ دریائے سندھ کے دونوں طرف بھی آباد ہوچکے تھے۔

اس کتاب میں چار جگہ پشتونوں کا ذکر "پکت" کے نام سے آیا ہے جو "بخت" کی محرف صورت ہے کیونکہ وید کی زبان میں "خ" کا حرف نہ ہونے کیوجہ سے بخت کی "خ" کی جگہ اسکا ہم آواز حرف "ک" استعمال کیا گیا ہے۔

ایسا کہنا صرف اسی صورت میں قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم یہ کہیں کہ رگوید کی تصنیف کے زمانے میں پشتون ایک ایسی زبان بولتے تھے جسمیں "خ" کا حرف پایا جاتا تھا۔ اور اگر اس زبان کو پشتو کہا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ "پشتون" کے نام کا "پختون" تلفظ "پشتون" تلفظ سے زیادہ

قبیلے + کیرو کا لفظ پختہ بھی ہے - لیکن اسکا استدلال قطعاً غیر منطقی، غیر مورخانہ مضحکہ آمیز اور ایک خاص غرض پر مبنی ہے جسکا ذکر آپ اس کتاب میں پڑھ لینگے + لیکن چونکہ علم فقہ اللغت کے بعض علماء کی رائے ہیں "پشتون" تلفظ "پختون" تلفظ سے قدیم تر ہے (جسکا ذکر آپ آگے پڑھ لینگے) اسلئے ہمیں لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ اسوقت پشتون ایک ایسی زبان بولتے تھے جو پشتو اور اوستا دونوں سے قدیم تھی اور جس سے یہ دونوں زبانیں نکلی ہیں کیونکہ دونوں میں "خ" کا حرف پایا جاتا ہے +

اس سے اس نظریے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ پشتو اوستا سے نکلی ہے کیونکہ اگر ہم سنسکرت کے "پکت" کو "بخت" کی محرف شکل مان لیں تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اوستا زبان رگوید کے لکھے جانے سے بھی پہلے بولی جاتی تھی حالانکہ اکثریت کی رائے اس کے خلاف ہے +

رگوید میں پکت کا مسکن پکتیا کے نام سے یاد کیا گیا ہے + پکت ان دس قبیلوں میں سے ایک کا نام ہے جنہوں نے دس بادشاہوں کی مشہور جنگ میں حصہ لیا تھا - اور ایک خاص مقصد کیلئے اپنے قرابت داروں کے ساتھ شرکت کی تھی +

لیکن اس کے بعد (جیسا کہ ہندوستان کے تاریخی قصوں اور پرانوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے) پشتون گمنام ہو گئے - وجہ اسکی یہ ہے کہ اسوقت وادئ کابل کے نچلے حصے پر درھیو قبیلے نے قبضہ کر لیا - اور اس قبیلے کے بادشاہ گندھارا نامی نے اس علاقے پر اپنی قوم بسا لی +

ھندوستانی ماخذوں کی رُو سے پہلے درھیو اور انکے بعد بھرت کی اولاد پنجاب سے پشتونخوا کی طرف پھیلے + اگرچہ گندھارا کے علاقے میں پہلے ایکمینین اور پھر ہندی باختری بادشاہوں کی حکومت رہی (جن دونوں کا حال آپ حملہ آوروں کے باب میں پڑھ لینگے) لیکن کم از کم تین ہزار سال تک اس علاقے کا مذہب ہندوستانی برھمن مذہب اور رسم الخط خروشتی (آریہ کی پرانی حروف تہجی) رہا + اور پرانوں میں مرقوم ہے کہ یہ لوگ

جنکا مذہب ہندوستانی بدھ مذہب اور رسم الخط خروشتی تھا بھرت کی اولاد تھے۔ ان میں پشتونوں کا ذکر کہیں بھی نہیں آیا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس وقت پشتون پوشیدہ وادیوں اور پہاڑوں میں کنارہ کش ہوگئے تھے اور وہیں حسب معمول اپنا قدیمی قبائلی نظام اور آریہ مذہب چلاتے رہے۔

عربوں نے فارس اور اورینک تو پہلی صدی ہجری میں، اور اس کے بعد افغانستان کا میدانی علاقہ بھی فتح کر لیا (جس وقت اس کا شمالی علاقہ تاجک قوم کے قبضے میں تھا) لیکن پشتون اور دیگر قدیمی باشندے جو پہاڑوں میں رہتے تھے تیسری صدی ہجری تک عربوں کے ساتھ لڑتے رہے۔ اور اس کے بعد پہاڑوں سے اتر کر میدانی علاقے پر قابض ہوگئے۔ یہ لوگ آج بھی خود کو پشتون اور صرف پشتون کہتے ہیں۔ اس قوم کی سب سے خالص صورت کوہ سلیمان کے پہاڑوں (میں جو ان کا اصلی مسکن تھا) اور سب سے بڑھ کر کرلاڑی قبیلے میں نظر آتی ہے۔ راورٹی کا خیال ہے کہ پشتون سولہویں صدی عیسوی میں جنوب سے شمال کی طرف پھیلے تھے۔ یہ خیال جیسا کہ ظاہر ہے پشتونوں کے بعض قبائل کی بعد کے نقل مکانی کی بابت ہے۔

برخلاف خالص پشتونوں کے، میدان کے بعض اور قبائل نے (جو بعد میں پشتونوں میں شامل ہوئے تھے) پہلے بدھ اور بعد میں ہندو مذہب اختیار کیا تھا۔ اسلئے کہ میدانی علاقے میں تو بدھ مذہب کے آثار بہ افراط لیکن محفوظ پہاڑی سطح مرتفعوں میں بہت کم ملتے ہیں۔ غزنویوں کے زمانے تک کابل کی اونچی اور نیچی وادیوں پر شاہیہ خاندان کی حکومت تھی۔ اور ان علاقوں کی ادبی زبان سنسکرت اور عوامی زبان ایک قسم کی پراکرت تھی۔

لیکن اس کے بعد پشتونوں نے غزنویوں کی فوج میں لڑائیاں لڑیں اور غزنوی علاقے کے ساتھ ہی ساتھ پشتون بھی دریائے کابل کی بالائی اور زیریں سطح کی وادیوں پر آ گئے۔ اور بعض پشتون میدانوں میں بھی آ بسے۔

گویو سے بعد کی پرانی کتاب کا نام اوستا ہے جو آج سے تقریباً ۲۵۰۰ سال پہلے لکھی گئی ہے اور جس میں پشتونوں کو بخت اور بخد کے ناموں سے یاد کیا گیا ہو

اوستا کے بعد پشتونوں اور بالخصوص ختکوں کا ذکر یونانی مورخ ہیروڈوٹس کی کتاب ۳: ۹۱ میں آیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب ۳؛ ۱۰۲ وغیرہ میں ایکمینین بادشاہوں کی سلطنت کے ساتویں اور تیرھویں طبقے میں ذکر کیا ہے۔ پشتونوں کو پکتی، پکتیوس اور پکتیس اور ان کے وطن کو پکتیکا، پکتیجا اور پاکتیا کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پشتون ایک مضبوط اور بہادر قوم ہے۔ واضح رہے کہ اس نے حسب عادت پشتونوں اور پشتونخوا کے نام اپنے لہجے میں لکھے ہیں۔

اسی زمانے میں امیرالبحر سکائیلاکس (۵۲۱-۴۸۶ ق م) نے اپنے سفرنامے میں پکتیکا کا ذکر کیا ہے۔

یونان کے مشہور جغرافیہ دان بطلیموس کلوڈیس نے پشتونوں کو پکتیان اور ان کے ملک کو پکتین لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ملک پاروپامیزاد کے جنوب میں واقعہ ہے۔

سب سے پہلے مشہور مستشرق پروفیسر لاسین نے کہا تھا کہ رگ وید کے پکت جنہیں یونانی مورخوں نے اپنے لہجے میں پکتی، پکتوس اور پکتیس لکھا ہے یہی آجکل کے پشتون ہیں۔ پروفیسر ٹرمپ اور پروفیسر گریرسن (لینگوسٹک سروے آف انڈیا) نے لاسین کے نظریے کی تائید کی ہے۔ اور اب سب مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے۔

لیکن اوسلو یونیورسٹی کا پروفیسر مارگنسٹرین اور کیمبرج یونیورسٹی کا پروفیسر بیلی علم فقہ اللغت کی بناء پر اس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں۔

بیلی نے اپنا نظریہ جرنل آف دی برٹش سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز ۱۹۵۲ء میں کسیپکا کے عنوان کے تحت شائع کیا ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ پشتون بدیں وجہ ہیروڈوٹس کے ذکر کردہ پکتوئس نہیں ہو سکتے کہ لفظ پشتون کا اصلی تلفظ "پشتون" ہے اور اس لفظ کا "پختون" تلفظ لہجے کا جدید تصرف ہے۔ اور علم فقہ اللغت کی رو سے ش مبدل بہ ک نہیں ہو سکتا۔ خ، ک میں بدل سکتی ہے۔

پ۔ مارگنسٹرین نے اپنا نظریہ اینسائیکلو پیڈیا آف اسلام ۱۹۵۵ء چہارم فیسیکیول میں افغان کے عنوان کے تحت شائع کیا ہے۔ اسکی دلیل بھی وہی ہے جو بیلی کی +

ان دونوں نے تلفظ کے ایک ادنیٰ تغیر پر پشتونوں کو دو فرقوں (پشتون اور افغان) میں بانٹنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ جو لہجہ پشتون برتتے ہیں اور جسے عرفِ عامہ میں پشتو یا [قندہاری] یا نرم لہجہ کہتے ہیں اس لہجے سے زیادہ 'قدیمی' وسیع اور خالص ہے جسے افغان استعمال کرتے ہیں اور جسے عرفِ عامہ میں پختو یا [کابلی] یا سخت لہجہ کہتے ہیں +

ان دونوں کے نظریوں کی اساس اس غلط مفروضے پر ہے کہ پہاڑی علاقے کے پشتون اس وطن کے اصلی اور قدیمی باشندے ہیں اور ان کی زبان بھی اصلی اور قدیمی زبان ہے جو بیرونی اثرات سے مقابلتاً محفوظ رہی ہے +

ان دونوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ بعض پشتونوں کا پہاڑوں سے اتر کر میدانوں میں بسنا 'لوماضی' قریب کی بات ہے + پھر ان دونوں نے اپنے اپنے دلائل سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ بھی مختلف ہیں + بیلی کہتا ہے کہ پاکتولیس یروپامیسس کے کوہ دامان کی پرسیتے قوم ہے + اور مارگنسٹرین کہتا ہے کہ شمالی چترال کی پشو قوم ہے +

پشتونوں کو دو فرقوں میں بانٹنے کی مذموم کوشش کو کیرو نے بھی خوب اچھالا ہے۔ لیکن اس نے دی پٹھانز کے صفحے ۳۶ پر بیلی اور مارگنسٹرین سے جزوی اختلاف کیا ہے اور یوسفزئیوں کی روایتی حمایت میں لکھا ہے کہ سخت لہجہ نرم لہجے سے زیادہ قدیمی ہے۔ ایسا کرتے وقت کیرو نے کابلیوں کے نظریے کی تقلید کی ہے جو پشتونوں کی ابتداء بخت یا بجد سے بتلاتے ہیں +

لیکن کیرو نے اپنے خیال کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ خلافِ واقعات، غیر منطقی اور از روئے تاریخ ناقابلِ قبول ہیں۔ اولاً وہ لکھتا ہے: "پشاور کے آس پاس کے پٹھان یوسفزئیوں کے لہجے کو سب سے اعلیٰ کہتے ہیں +" اس بیان کی وقعت کا اندازہ اس بات سے لگائیے

کہ یہ تو ایک بہت محدود علاقے کی طرف منسوب ہے حالانکہ پشتو زبان تو مشرق میں دریائے سندھ سے لے کر مغرب میں دریائے ھلمند تک بولی جاتی ہے اور ایسی وسیع زبان کے متعلق ایک مقام کے آس پاس کے لوگوں کی رائے کو کیا وقعت حاصل ہو سکتی ہے ؟ نیز جو کچھ کیرو نے لکھا ہے وہ بھی صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ پشاور کے آس پاس کے بسنے والوں میں تو خٹک اپنے لہجے کو باقی سب لہجوں سے اعلیٰ کہتے ہیں۔ اور افغانستان میں قندھاری اپنے لہجے کو کابلی لہجے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور پھر لفظ پٹھان کے استعمال سے کیرو کا مافی الضمیر کیا ہے۔ وہ اکثر تو یہ لفظ افغان کے برخلاف پشتونوں [کرلانڑیوں] کے لئے استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہاں کس کے لئے بڑتا ہے ؟ پشاور کے آس پاس تو خٹک اور افریدی بھی بستے ہیں جو بزعم کیرو پشتون ہیں اور خلیل اور مہمند بھی جو اس کی لغت میں افغان ہیں۔

اگر کیرو یہ کہتا کہ گزشتہ زمانے میں پشاور چھاونی میں سکونت پذیر گورے یوسفزیوں کے لہجے کو اعلیٰ سمجھتے تھے تو بات کہنے کی بھی ہوتی۔ کیونکہ صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور میں فرنگیوں کا واسطہ سب سے پہلے چند یوسفزیوں کے ساتھ پڑا تھا اور انہوں نے پہلے یوسفزیوں کا لہجہ سیکھا تھا۔ جو صدیوں تک غیرملکی حکمرانوں، تاجروں اور مسافروں کے اثرات کی وجہ سے گھسا پٹا، ادھورا، محدود اور مخلوط بن گیا تھا اور جس کا سیکھنا اس لہجے میں فارسی اور اردو الفاظ کی بہتات کی وجہ سے مقابلتاً آسان تھا۔ پھر جو انگریز کسی سے اپنے لئے کچھ لکھوانا چاہتا تھا تو وہ بھی اسی لہجے میں ہوتا تھا۔ اس لئے چند ناسمجھوں نے کلام الملوک ملوک الکلام کے مصداق اس لہجے کو معیاری سمجھنا شروع کیا۔ لیکن علاوہ انگریزوں کے اس لہجے کو کہیں بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ پشتو کی پرانی کتابوں میں سے کوئی بھی بجائے پشتو زبان کے یوسفزی یا کسی اور لہجے میں نہیں لکھی گئی۔ آج تک پشتو کے سبھی اچھے لکھنے

والے پشتو زبان ہی میں لکھتے ہیں نہ کہ اِس یا اس قبیلے کے لہجے میں۔ اسی لئے پشتو کی کسی بھی پرانی کتاب کو جو بھی پڑھنے بیٹھتا ہے تو یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ تو میرے لہجے میں لکھی گئی ہے۔

یوسفزئی لہجے میں بعض چیزیں تو ناقابلِ ادراک ہیں مثلاً "کشتے" (کیشے) میں ش کا تلفظ نہ کرنا۔ علاوہ ازیں پشتو کے کسی سمجھدار لکھنے والے نے ځنسل کو ځکل، ژبہ کو جبہ، پښتنے کو پچے، کښنے کو کے، کښنبوده کو کبده وغیرہ نہ تو کبھی لکھا ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ کبھی لکھیگا۔

صاحب کو سبب، اور خلق کو خلک وغیرہ لکھنے کی بعض افراد کی آج کل کی مذموم بدعتوں سے قطع نظر، ہمیں پشتو زبان میں نظم یا نثر کی کسی ایسی کتاب کا علم نہیں ہے جو ساڑھے تین سو سال سے پہلے کی اور یوسفزئی لہجے میں لکھی گئی ہو!

ثانیاً۔ پشتو یعنی نرم لہجے پر پختو یعنی سخت لہجے کی قدامت کی کیرو کی مبینہ وجہ محض اس کے قیاس پر مبنی ہے جیسا کہ اس کی تحریر میں نخت خط کشیدہ الفاظ سے واضح ہے۔ وہ لکھتا ہے: "دریائے یوسپلا = غالباً کنڑ، کیوں کہ یونانی زبان میں "یو" کے معنی ہیں "اچھا" اس لئے ظاہراً "یو" اسپاسی زبان کی "خو" کا یونانی طرزِ تحریر ہے۔ یا بہ ہر صورت ایران کی ھخامنشی سلطنت کی اس طرف کا استعمال ہے۔"

کیرو کی تحریر سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اراین نے اناباسس IV-۲۳ میں دریا کا نام یعنی خواسپس لکھنے کی بجائے دریا کے نام کے پہلے دو حرفوں یعنی "خو" کا یونانی زبان میں ترجمہ کر دیا! اگر ایسا ہی تھا تو اراین نے دریا کے نام کے بقایا جزو یعنی اسپس (جس کا مطلب کیرو کے خیال میں "گھوڑے" ہے) کا ترجمہ اپنی زبان میں کیوں نہ کیا؟

اور خواسپس دریا کے کنارے سکندر نے جو اسپاسی قوم دیکھی تھی وہ یوسفزئی قبیلہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ کیرو نے تو یہ مضحکہ آمیز وجہ لکھی ہے کہ یوسفزئی آج بھی اچھے گھوڑوں کے شوقین ہیں۔ لیکن اولاً

تو یہ وجہ اس لئے لغو ہے کہ آج تو یوسفزیوں میں اچھے گھوڑے تو
چھوڑ ایسے ویسے گھوڑے بھی نظر نہیں آتے اور نہ وہ پہلے کبھی اور نہ
اب وہ دیگر پشتونوں سے زیادہ یا اچھے گھوڑوں کے مالک رہے ہیں۔
ثانیاً یہ کہ قبیلہ یوسفزئی کا نام تو ان کے مورثِ اعلیٰ یوسف کے نام
پر پڑا ہے جو کہ نزدیک زمانے میں گزرا ہے۔ تو اس یوسف کی اولاد اپنے
مورثِ اعلیٰ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے کس منطق کی رو سے
یوسفزئی [اسپاسی] کہلاتے تھے؟
کیرو کے سامنے تو ایک مثال اور بھی تھی، سکندر کے زمانے کے مورخوں
نے پنجاب کے ایک دریاب جہلم کا نام ہائیڈاسپیس لکھا ہے۔ نہ جانے
کیرو نے اس یونانی نام سے لفظی شعبدہ بازی کے ذریعے اپنے مطلب
کی کوئی بات پیدا کرنے سے کیوں اجتناب کیا۔ حالانکہ یہاں بھی ایک دریا کے
نام کے دو جزو ہیں جن میں سے دوسرا جزو اسپس ہے!

لفظ پشتون کے اشتقاق کے بارے میں لوگوں نے مختلف قیاس آرائیاں
کی ہیں، بعض آپ بھی سن لیجئے:-
پروفیسر مارگنسٹرین "ایٹیمالاجیکل ویکبلری آف پشتو" میں لکھتا ہے:
ممکن ہے کہ لفظ پشتون اوستا کے لفظ پرستا سے نکلا ہو جس کے معنی
پیٹھ کے ہیں اور چٹان یا بلندی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
راورٹی (نوٹس ص ۲۰۹) نے لفظ پشتون کا مادہ تاجیک (فارسی)
زبان کے لفظ پشت کو سمجھا ہے جس کا ایک معنی پہاڑ کا ٹیلہ بھی ہے۔
"تاریخ خورشید جہان (ص ۶۵) لکھا ہے: سنہ ۸۶ھ میں .... محمد قاسم
.... نے افغانوں کا ایک گروہ ساتھ لیا۔ اور اس جری گروہ کے لشکر
کو اسلام کی فوجوں کا پشتیبان مقرر کیا ..... اس لئے فارسی بان لوگ
افغانوں کو پشتیبانی کہتے تھے اور ...... یہ لوگ بھی اپنے آپ کو پشتوان
کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ حرفِ علت یعنی الف استعمال میں گر گیا اور پشتوان

سے پشتون بن گیا۔ اور اس کے بعد اس گروہ کی زبان بھی پشتو مشہور ہوئی۔
اس کودکانہ بیان سے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ افغانوں کا نام پشتون
اور ان کی زبان کا نام پشتو ۸۷ سنہ کے بعد پڑے ہیں!

ریاض المحبت کا مصنف پشتون کے معنی یوں لکھتا ہے: "پشتون، جسے
پشتو یا افغانوں کی زبان آتی ہو"۔ یہ سند میں پیدا اور پلا بڑھا پیچانہ ماں ملا ہیں۔
جمال الدین افغانی سنہ میں پختو اور پختن کے بحث میں لکھتا ہے:
"خوست، کرم اور باجوڑ کے رہنے والے اپنا نام پختو اور پختن بتلاتے ہیں"۔
یہ قطعاً خلاف حقیقت ہے۔ جمال الدین نے آگے چل کر جو جولانی طبع کی
ہے اس پر کچھ لکھنا تضیعِ اوقات کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

(۲) افغان:۔ پشتون کے بعد ہماری قوم سب سے زیادہ افغان کے
نام پر مشہور ہے۔ تاریخ ابوالفدا میں یہ اسی نام سے یاد کئے گئے ہیں۔
لفظ افغان کے بارے میں پروفیسر مارگنسٹرین انسائیکلوپیڈیا آف
اسلام میں، اور گریرسن لینگوسٹک سروے جلد ۱۰ ص ۵ پر لکھتا ہے کہ
"یہ ایک ایرانی نام ہے جس کا اشتقاق معلوم نہیں ہے"۔
افغان کا نام پشتونوں پر ان کے پڑوسیوں ایرانیوں نے رکھا ہے۔ ایرانی
یہ نام (جس کا وہ اوغان تلفظ بھی کرتے ہیں) اُن پشتونوں کے لئے استعمال
کرتے تھے جو تخت نشین ہوئے تھے۔ اس زمانے سے پہلے کی کتابوں میں اس
نام کا ذکر نہیں ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں احمد شاہ ابدالی کی بادشاہی
بننے سے پہلے افغانستان اپنے موجودہ نام پر کبھی نہیں کہلایا گیا۔
بعض لوگ لفظِ افغان کا مادہ جدید تحریروں میں ڈھونڈتے ہیں جو
تیسری صدی عیسوی سے پہلے نہیں لکھی گئیں۔ اور ان میں بھی بعض میں یقین
کے قابل کچھ نہیں پایا جاتا۔ جو کچھ ہے وہ درج ذیل ہے:۔
تیسری صدی عیسوی میں ساسانی بادشاہ شاہپور I کے نقشِ رستم کے
کتبے میں کسی گاؤنڈفر الگان رسماڈ کا ذکر آیا ہے۔ وہ لوگ اس نام کے
دوسرے لفظ الگان میں افغان کی پرانی صورت تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر دالی

(حال پروفیسر پشاور یونیورسٹی) کی رائے میں یہ ایک خطاب دکھائی دیتا ہے نہ کہ ایک نام۔

چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستانی نجومی وراہا میہرہ نے اپنی کتاب بھرت سمہیتا (اشلوک ۱۱: ۶۱ اور ۱۶: ۳۸) میں ایک قوم کا نام آودگنہ لکھا ہے۔ لیکن ڈاکٹر دانی لکھتا ہے کہ گنہ کا مطلب ہے قبیلہ۔

چینی سیاح ہیون سانگ (۶۲۹ - ۶۴۵ء) ۶۴۴ء میں گندھارا آیا تھا۔ وہ کوہ سلیمان کے شمالی حصے میں اپوکین نامی قوم کا ذکر کرتا ہے۔

حدودِ عالم میں لکھا ہے کہ گردیز کے قریب سال [فرمل] نامی گاؤں میں افغان بستے ہیں۔

البیرونی کتاب الہند میں ۱۰۳۰ء کے واقعات میں لکھتا ہے: ہندوستان کے شمالی پہاڑوں میں وادیٔ سندھ کے دامن تک افغانوں کے مختلف قبیلے بستے ہیں جو کہ ہندو ہیں۔

ایک روایت کی رو سے لفظ افغان ساول کے پوتے افغنہ کے نام سے نکلا ہے۔ یہ بحث آپ اس کتاب میں آگے پڑھ لینگے۔

تاریخ فرشتہ ص ۲۵ پر یہ بیہودہ بات لکھی ہے کہ جب افغان لاہور کے راجہ کے ساتھ لڑائیاں لڑتے تھے تو خلج اور غور کے مسلمان ان کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اور واپسی پر جب کوئی ان سے کوہستان کے مسلمانوں کا حال پوچھتا تھا تو کہتے تھے کہ کوہستان نہ کہو، آہ و فغان کہو۔ کیونکہ وہاں بغیر آہ و فغان اور غوغا کے اور کچھ نہیں ہے۔ ظاہراً اس وجہ سے لوگ ان کے وطن کو افغانستان اور انہیں افغان کہتے ہیں۔

خوشحال خان خٹک دستار نامہ ص ۱۸۰ پر لکھتا ہے: مہتر سلیمان کے وقت ملک طالوت کے بیٹے ارمیاء نے افغان کا خطاب پایا تھا۔ عبرانی زبان میں "اف" پکڑنے والے کو کہتے ہیں۔ "غان" ایک دیو کا نام تھا۔ یعنی دیو گیر۔ غان دیو کو ارمیا نے پکڑا تھا۔

تتمتہ البیان میں لکھا ہے کہ ایرانی اس قوم کو افغان پکارتے ہیں اور

اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ جب بخت ابن نصر نے انہیں قید کیا تو انہوں نے بہت شور مچایا ۔ شور کو فارسی میں افغان کہتے ہیں - اس لئے اس نام سے منسوب پائے ۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے جدِ اعلیٰ ساول کے پوتے کا نام افغان تھا۔

(۳) پٹھان ۔ ہر پشتون سب سے زیادہ نفرت اس بات سے کرتا ہے کہ کوئی اسے پٹھان کہے ۔ پٹھان اصلی پشتو کا لفظ نہیں ہے - کیونکہ پرانی پشتو میں ٹ کا حرف نہیں پایا جاتا ۔ پشتو ایک آریائی زبان ہے جس میں ٹ کی سخت آواز دراوڑی زبان سے آئی ہے ۔ پشتون کے لئے پٹھان کا لفظ گنگا کے میدان میں غالباً چھٹی صدی عیسوی کے بعد استعمال ہوا ہے ۔
پشتونوں کے لئے یہ لفظ پنجاب، دکھن اور بنگال میں استعمال ہوتا ہے ۔
پشتونوں کے لئے یہ لفظ فرشتہ اور دیگر مغلی مورخوں نے سولہویں صدی عیسوی میں استعمال کیا ہے ۔
پشتونوں اور افغانوں کو دو جداگانہ وحدتیں قرار دینے کے لئے کیرو کو بھی اپنی کتاب کا نام ہی پٹھان رکھنا پڑا ۔
مخزن افغانی ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ "رسول ؐ نے قیس عبد الرشید کو بتہان کا لقب دیا تھا جس کا مطلب عربی زبان میں وہ لکڑی ہے جس پہ کشتی بناتے وقت رکھی جاتی ہے ۔ بتہان سے پھر پٹھان بن گیا ۔"
یہ بیان بالکل لغو ہے - نہ تو عربوں کی لغت میں کسی لکڑی کا نام بطان یا بتہان یا بہتان ہے، نہ کتب احادیث یا تواریخ عرب میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے نہ آنحضور کی لوگوں کو نیا دی القاب دینے کی عادت تھی ۔

اور لفظ بتہان کا شامی زبان کی طرف کھینچ لے جانا تو صریح ظلم ہے - پیغمبر تو ہو عربی اور القاب دے سریانی زبان میں!
تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ پہلے پہل جب مسلمان بادشاہوں کے

وقت میں پشتون ہندوستان آئے تو وہ پٹنہ میں اترے۔ اس لئے ہندوستانی
لوگ انہیں پٹھان کہتے ہیں۔ فرشتہ کا بیان بھی بالکل لغو ہے۔
خان نے دستار نامہ ص ص ۱۷۹ - ۱۸۰ میں یہ بے تکی بات کی ہے:
"جب سلطان محمود سومنات کی غزا کے لئے گجرات آیا تھا تو پشتونوں
نے بہت کوشش کی تھی۔ سلطان نے انہیں کہا کہ یہ بھری لشکر کے
پٹانڑ ہیں۔ پٹانڑ ایک لکڑی ہے جس پر جہاز مرتب کیا جاتا ہے۔"
خان نے مخزنِ افغانی کے بیان کو مروڑ توڑ کر رکھ دیا ہے۔ سلطان محمود
کی زبان ترکی تھی۔ ترکی میں یہ لفظ کہاں سے آیا؟

(۴) سلیمانی:- یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حج پر جانے والے پشتونوں
کو عرب سلیمانی اور عربوں میں سے حرامی سلیمانی حرامی کہتے ہیں۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سلیمانؑ کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ
سے پشتون سلیمانی کہلاتے ہیں۔ "خلاصۃ الانساب" میں لکھا ہے کہ زمانۂ
قبل از تاریخ سے شام میں کوہِ سلیمان میں رہنے کی وجہ سے سلیمانی کہلاتے
ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "ڈیرہ اسمٰعیل خان کے پاس کوہ کسی
یا کوہِ سلیمان میں رہنے کی وجہ سے سلیمانی کہلاتے ہیں۔

(۵) الافغانیہ:- سلطان محمود کے درباری مورخ العتبی نے اپنی کتاب
تاریخ الیمینی میں لکھا ہے کہ الافغانیہ سبکتگین اور محمود کی فوجوں میں
بھرتی ہوئے تھے۔ اس وقت یہ لوگ غزنی کے مغرب کو کوہِ سلیمان
میں رہتے تھے۔

(۶) اوغان:- ریاض المحبت میں لکھا ہے: "یہ لفظ اصل میں افغان ہے۔
لیکن چونکہ افغانی میں ف کا حرف نہیں ہے اس لئے میں نے الف اور واو
کی پٹی میں لکھ دیا۔" لیکن ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر پشتو میں ف نہیں

ہے تو اس کا مبدل اور قریب المخرج پ تو کہیں نہیں گیا - اس لئے اپخان لکھنا چاہئے تھا + اوغان تو ایرانیوں کے ہاں افغان کا غلط تلفظ ہے - جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے + بابر نے بھی بابرنامہ جلد ۲ ص ۲۳۹ میں پشتونوں کو اوغان لکھا ہے +

ریاض المحبت کا مصنف نواب محبت خان، حافظ رحمت خان کا لڑکا اور یوسفزئی پشتون تھا - لیکن بہت مدت ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے اپنے باپ کی طرح وہ بھی پشتو بھول چکا تھا +

(۷) اغوان - اغبان :- یہ الفاظ مسٹر کلپروت نے اپنی کتاب مطبوعہ سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۱۰ء کے ص ۷۶ پر استعمال کئے ہیں + کروسنکی نے پشتونوں کو ہمیشہ اغوانی لکھا ہے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ افغان اغوان یا قدیم البانیوں سے نکلے ہیں +

حاجی خلیفہ اور مطلع السعدین و مجمع البحرین میں ہزارہ اور جرمان قبیلوں کے ساتھ جس افغان یا اوغان قبیلے کا ذکر آیا ہے وہ (افغان یا اوغان) در اصل ہزارہ یا ترک یا چغتائی یا منگول تھے جو نکودار اوگلان (۶۳۰-۳۲ھ ۱۲۸۱-۱۲۳۲ء) کے وقت میں مسلمان ہوئے تھے - حالانکہ اصلی افغان یا پشتون ان سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے +

(۸) روہیلہ :- اس نام سے ہندوستان کے بعض پشتون پکارے گئے ہیں + اور ان کی وجہ سے ان کا وطن روہیلکنڈ کہلاتا تھا + روہیلہ روہ کے رہنے والوں کو کہتے تھے + پنجابی پشتونوں کے وطن کو روہ کہہ کر پکارتے تھے + یہ وطن شمال میں سوات سے لیکر جنوب میں بھکر تک اور مشرق میں حسن ابدال سے لیکر مغرب میں کابل تک پھیلا ہوا ہے +

(۹) بنی اسرائیل، بنی افغنہ یا بنی افغان، اور بنی آصف :- یہ نام سب

سے پہلے نعمت اللہ ہروی (ص ۲۵) نے پشتونوں کیلئے استعمال کئے ہیں
جو کہ قیس عبدالرشید کی اولاد کو (نہ کہ کرلانڑیوں کو!) یہودی سمجھتا ہے۔
سوائے نعمت اللہ کے پشتونوں کو ان ناموں سے کبھی کسی نے نہیں پکارا۔ نہ
پشتونوں نے خود اپنے لئے یہ نام کبھی استعمال کئے ہیں۔ علمی بحث میں تو
نعمت اللہ کے بعض تابعین لکھ بھی دیتے ہیں کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں
لیکن پشتونوں کو بنی افغنہ یا بنی افغان یا بنی آصف تو انہوں نے بھی کبھی
نہیں لکھا۔ گویا یہ فرضی نام نعمت اللہ نے خود اپنا فرضی نظریہ ثابت کرنے کیلئے
لئے وضع کئے ہیں۔

نعمت اللہ قیس کی اولاد کو تو بنی اسرائیل ثابت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن
کرلان کی اولاد کے بابت اسے سانپ سونگھ گیا ہے۔ یہ دلچسپ بحث
آپ اس کتاب میں آگے پڑھ لینگے۔

پشتونوں کی نسل

جب ایک سوچی سمجھی ہوئی سازش کے تحت ہندوستانیوں نے محمد شاہ رنگیلے کی بیٹی اور نادر شاہ کے بیٹے کی نکاح خوانی کے وقت ایرانیوں کو ذلیل کرنے کی غرض سے سات پشت تک دلہن کا شجرہ سنانے کے بعد نادر شاہ سے سات پشت تک دولہا کا شجرہ سنانے کو کہا تو اس نے بیٹے کے بعد اپنا اور اپنے نام کے بعد تلوار کی مٹھی پر ہاتھ رکھ کر کہنا شروع کیا ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر۔ تو اسوقت ہندوستانیوں کو بغلیں جھانکنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

سو جب تک پشتونوں کے ہاتھ میں تلوار تھی کسی کو ان کا شجرہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن جب آپس کی نا اتفاقی کی وجہ سے ۱۵۲۶ء میں تلوار ان کے ہاتھ سے چھن گئی تو مغلی مورخوں نے ان کی ذات پات پر ہر طرح کے شرمناک حملے شروع کر دئے اور ہماری تذلیل کے لئے جو جو کچھ لکھا اس کی کچھ جھلک آپ کو اس کتاب کے آئندہ صفحوں میں نظر آجائیگی۔

ایرانیوں کے برپا کردہ طوفانِ بدتمیزی کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ خانجہان لودہی نے اپنے خدماء نعمت اللہ ہروی اور ہیبت خان کاکڑ وغیرہ کے ذریعہ مخزن افغانی مرتب کروائی جس کا حال آپ کو اس کتاب میں مخزن افغانی کے باب میں ملیگا۔

انگریزوں کے افغانستان جانے والے اوائلی وفدوں کی دیکھا دیکھی یورپ کے دیگر اقوام نے بھی پشتونوں پر کتابیں لکھنی شروع کیں اور چونکہ پشتونوں کے متعلق کچھ غیر متفق علیہہ مواد بھی منظرِ عام پر آچکا تھا اس لئے بعد کے لکھنے والوں میں سے ہر ایک نے اپنی لن ترانی الاپنی شروع کی اور پشتونوں کو مختلف طور پر آریہ، قبطی وغیرہ نسل سے لکھنا شروع کیا جن میں سے ہر ایک کا مختصر ذکر صفحات ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:۔

(۱) آریہ۔ - آریہ کے متعلق ہم اپنی مختصر معروضات پہلے ہی پیش کر چکے ہیں + لہٰذا نام بہ استثنائے "یہودی" منفی ثبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ اب یہ اچھی طرح سے ثابت ہوگیا ہے کہ پشتون ان نسلوں سے نہیں ہیں + ہم پہلے یہ منفی ثبوت اور پھر یہودی پر اپنی گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کرینگے :-

(۲) قبطی۔ - ایران اور ہندوستان کے مغلی مورخوں نے پشتونوں کو یا تو دیو نژاد لکھا ہے (جس کی تصریح مخزن افغانی کے باب میں ہو جائیگی) یا مصر کے وہ قبطی جو موسیٰؑ کا دریا پار کر چکنے کے بعد نیل میں غرق ہوگئے تھے! یہ خرافات اُن تصنیفات میں پائی جاتی ہیں جو مغلوں کا افغانوں سے ہند دوبارہ حاصل کرنے کے بعد لکھی گئیں +

سب سے پہلے مطلع الانوار نامی کتاب نے (جو بقول فرشتہ ایک ثقہ آدمی کی تصنیف ہے جو اس نے برہانپور خاندیس میں پڑھی تھی اور جو مخزن افغانی کے ماخذ میں سے بھی ایک ہے) بلا کسی قسم کی تحقیق اور سند کے یہ خرافات لکھ دی ہے جو وہاں سے (مطلع الانوار) سے مصنف نسب افاغنہ نے اپنی کتاب ص ص ۳۷-۳۸ میں نقل کی ہے : "فرعون کی قوم یعنی مصر کے قبطی جو فرعون کو خدا مانتے تھے اس کے ساتھ غرق ہوگئے۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں مصر سے نکالا اور جدا کیا + وہ کوہ سلیمان گئے اور آباد ہوئے۔ ملکِ ہندوستان کے شہروں میں انہیں افغان کہتے ہیں + وہ ہندوستان سے ہاتھی لائے اور ابرہ کی مدد میں اس کے دوست ہوگئے .... ابرہ حبشیوں کے لشکر کے ساتھ اور افغانوں کے بارہ ہزار اور ایک روایت پر اٹھارہ ہزار ہاتھیوں کے ساتھ وہاں گیا +"

اس دروغ بافی میں یہ مزخرفات اور جفنگیات ہیں : (۱) کسی تواریخ میں بھی پشتونوں کا ابرہ کے ساتھ شرکت کا ذکر مرقوم نہیں ہے + (۲) موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے تھے نہ کہ قبطیوں کو جو کہ فرعون کے ساتھی تھے (۳) سب دنیا تو ابرہ کو اصحاب فیل لکھتی آئی ہے۔ لیکن

مطلع الانوار میں لکھا ہے کہ افغان ہند سے اس کے پاس ہاتھی لے گئے +
بھلا افغانوں کو بارہ یا اٹھارہ ہزار ہاتھی مہیا کرنے کا مقدور بھی کبھی حاصل ہوا ہے۔ یا انہوں نے کبھی ہاتھی پالے بھی ہیں؟

فرشتہ نے مطلع الانوار سے نقل کرتے وقت شرمناک بے ایمانی سے کام لیتے ہوئے اس کی لغزشوں کو ڈھانپنے کی غرض سے اس کے بیان کو اس رنگ میں پیش کیا ہے: "افغان فرعون کے قبطی ہیں .... جب موسیٰؑ اس کافر پر غالب آگیا تو اکثر قبطی توبہ گار ہوگئے اور موسیٰؑ کا دین لائے۔ لیکن ایک گروہ نے جو اس کی دوستی اور خدائی کے دعوے میں پھنسا ہوا تھا نہایت جہل کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا اور وطن سے نکالا گیا اور ہندوستان آیا اور کوہِ سلیمان میں ڈیرہ جمایا اور قبیلوں کی کثرت کی وجہ سے افغان مشہور ہوگئے + جب ابرہہ کعبے پر چڑھا تھا تو دور اور نزدیک کے کئی کافروں نے اس کی متابعت کی تھی + ان میں افغانوں کے گروہ نے بھی مقرر شدہ میعاد پر ابرہہ کی دوستی کی اور جب مکے مفظمے کو پہنچے تو خدائے تعالیٰ کے قہر میں گرفتار ہو کر معدوم ہوگئے +

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ پشتونوں کو قبطی جتلانے کے لئے فرشتہ کس ایمان فروشی کے ساتھ قبطیوں کو دو گروہوں میں بانٹتا ہے اور ایک کو خود ہجرت کرنے والے موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکالتا ہے۔ اور کس شرانگیزی کے ساتھ انہیں نیل میں غرق ہونے کی بجائے مکے لاکر معدوم کرتا ہے۔ اور یہ عقل کا اندھا اتنا بھی نہیں سوچتا کہ جب افغان مکے میں معدوم ہوگئے تھے تو اب ۱۳۶۴ء میں یہ دو کروڑ سے زیادہ پشتون کہاں سے آگئے؟

"تاریخ خورشید جہان (ص ص ۵۵-۵۶) مطلع الانوار اور تاریخ فرشتہ کے ان واہیات اختراعات کے جواب میں لکھتا ہے: (۱) عہد عتیق کی کتابوں میں یہ روایت نہیں ہے کہ افغان قبطی ہیں + (۲) کتب ثقا سیر اور معتبر لوگوں کے سیر میں کسی میں بھی یہ روایت نہیں ہے کہ پشتونوں نے موسیٰؑ

کے غلبے کے مارے مصر چھوڑا (۳) کہاں ابرہہ اور کہاں افغان؟

متعصب مغل مورخ ابوالفضل نے بھی اکبر نامہ میں پشتونوں کو فرعون کے قبطی لکھا ہے (ملاحظہ ہو ترجمہ از بیورٹ جلد ۲ ص ص ۴۰۲-۴۰۳)۔

بعض لوگ جو مطلع الانوار وغیرہ کی بکواس قبول نہ کر سکنے کے باوجود پشتونوں کو قبطی لکھنا چاہتے ہیں یوں رقمطراز ہیں کہ یہ "قوم جو اٹک اور خراسان کے درمیان بستی ہے مصر کے قبطیوں کی نسل سے ہے۔ اور جب بادشاہ سور سیریس ہندوستان فتح کرنے آیا تھا یہ بھی اس کے ہمراہ آئے تھے۔

مصنف مخزن افغانی نے مطلع الانوار کی ہرزہ سرائی کو نہیں چھیڑا۔ اور تاریخ فرشتہ تو مخزن افغانی سے بارہ سال بعد لکھی گئی ہے۔

لیکن بیگانوں کا کیا رونا۔ خود اپنوں کے ہاں ایسی تضحیک آمیز باتیں سننے میں چلی آرہی ہیں۔ مثلاً حیات افغانی میں (جو بنوں میں کثیر تعداد میں تقسیم ہوئی تھی) یہ قبطیوں کا قصہ پڑھنے کے بعد اس کا اطلاق اپنے ہمسایہ قوم خٹک پر کرنا چاہا جن سے دیرینہ منافقتوں کی وجہ سے شیفنگ جلتے تھے۔ اور چونکہ بیلیو نے بھی یہودیوں کے بعض ایسے مراسم کا ذکر کیا ہے جو بوچیوں میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اس لئے ان کا یہ یقین ہو چلا تھا کہ اگر مصر کے قبطی کوئی ہو سکتے ہیں تو ضرور ہم ہی ہیں اس لئے انہوں نے جنگ عظیم ۱۹۱۴-۱۸ء کے بعد یہ پھبتی کی اڑانی شروع کر دی کہ خٹک مکے پر چڑھے تھے۔ حالانکہ جنگ عظیم میں مکے پر لڑائی ہوئی ہی نہیں تھی۔ اور مکے پر خٹک نہیں بلکہ خود عرب چڑھے تھے جنہیں انگریز و لیلے لارڈ لارنس کے ذریعے یہ کہہ کر اکسایا تھا کہ ملک تمہارا۔ اکثریت تمہاری اور حکومت کریں تم پر باہر سے آئے ہوئے مٹھی بھر ترک! چنانچہ عربوں نے بمقام طائف سلطان ترکی کے نمائندے شریف مکہ کی مختصر فوج کو نرغے میں لینے کے بعد ساتھ ذلت کے عرب سے نکال دیا۔

میں نے کہیں کسی انگریز کی انگریزی میں لکھی ہوئی ایک کتاب میں ایک تصویر کے نیچے "خٹک ڈانس ایٹ مکہ" (مکہ میں خٹک ڈانس) کے الفاظ لکھے ہوئے دیکھے تھے۔ کم انگریزی دانوں کو جو "خٹک ڈانس ایٹ مکہ" اور "خٹکس ڈانس ایٹ مکہ" کی معانی میں فرق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تصویر کے نیچے کے الفاظ سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ حالانکہ تصویر میں ایک ناچ دکھایا گیا ہے جس کا نام تو خٹک ڈانس پڑ گیا ہے لیکن جسے پٹھانوں میں پشتونوں کے علاوہ اور چٹے رکھنے والے اور شلوار پہننے والے بھی ناچتے ہیں۔ چنانچہ تصویر میں غیر پشتونوں کی شکلیں اور لباس ان کی قومیت کی صاف غمازی کر رہے ہیں۔

(۳) ایرانی:- اس نظریے کا اطلاق صرف شیخ بیٹ کی لڑکی بی بی متو کی اولاد (غلزئی اور لودی یا لودھی) پر ہو سکتا ہے جو شاہ حسین کے نطفے سے بیان ہوتے ہیں اور اپنی نسل شاہ حسین کے ذریعے ضحاک ایرانی (یا "تازی) تک پہنچاتے ہیں۔ ابن بطوطہ بھی انہیں ایرانی کہتا ہے (ترجمہ ازلی ص ۹۸)۔

یہاں پشتونوں کے پرانے دستور کے مطابق خانہ داماد کی اولاد بھی اپنے خسر کے قبیلے سے گنی جاتی تھی۔ کیونکہ پشتون اپنی لڑکی کا بیاہ کسی غیر قبیلے کے آدمی سے صرف اس صورت میں کرتے تھے کہ دولہا اپنے قبیلے کو چھوڑ کر ان میں رہے اور ان کے قبیلے کا کہلائے۔ چونکہ شاہ حسین نے بھی اسی دستور پر عمل کیا تھا اس لئے اس کی اولاد پشتون کہلانے کی مستحق ہے۔

بعض جہلا سبھی پشتونوں کو ضحاک کی نسل سے گنتے ہیں۔

جمال الدین تتمہ میں پشتونوں کی نسل کے بابت چند مختلف نظریے بیان کرنے کے بعد (جن میں سے اکثر کا ذکر اس کتاب میں دیگر ذرائع سے کیا گیا ہے) بغیر کسی قسم کے قوی دلیل کے لکھتا ہے: "ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ افغان کی نسل ایرانی ہے۔ ان کی زبان ژند اور اوستا سے ملتی ہے جو پرانی فارسی زبان ہے۔ پرانے زمانے کے مورخین مثلاً فرالسیس لنورمان اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔

ہمیں عرب نژاد سید جمال الدین کی رائے سے اختلاف ہے۔ محض زبان کی مشابہت پر کسی قوم کے اصل کا تعین تاریخ دانی کے اصول کے برخلاف ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ یہ بھی لکھنا پڑتا ہے کہ جہاں تک پشتونوں کی تاریخ کا تعلق ہے ہم سید صاحب کو ایک محقق نہیں مان سکتے چاہے ان کی سیاست اور خطابت وغیرہ کے متعلق کسی کا نظریہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ یہی سید صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: "نوخی، خٹک، سلیمان خیل اور باخیل غلزئی کی شاخیں ہیں!

(۴) ترک یا تاتار۔ بعض لوگ شاہ حسین مذکورہ بالا کو ترک یا تاتار کہتے ہیں۔ بدیں صورت بھی شاہ حسین کی اولاد کے بابت ہمارا عندیہ وہی ہے جو پہلے لکھ چکے ہیں۔

بعض لوگ پشتونوں کے بعض اور قبائل مثلاً بالائی بنگش کے رہنے والے توری، ځاځی (جاجی یا زازی)، منگل، مقبل اور خوگیانی قبیلوں پر بھی ترک یا تاتاری ہونے کا شبہ کرتے ہیں۔ اول الذکر دو کی بابت تو آپ "حالاتِ کوہاٹ" کا بیان پڑھ چکے ہیں۔ کرم کے توری کہتے ہیں کہ ہم ترک ہیں اور پہلے ہمارا مذہب بدنی (بدھ) تھا۔

ان قبیلوں کو ترک کہنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ قبیلے اُن ترکمانوں کی اولاد ہیں جو غُز ترکوں کی ایک شاخ تھی جو شمال کی طرف سے آئی، ۱۱۵۳ء میں سلطان سنجر کو شکست دی، غزنی، وادیٔ کرم اور گرد ونواح کے نواح میں بس پڑے اور تقریباً دس سال تک غزنی پر حکومت کی۔ یہ لوگ توریوں کی بابت مندرجہ بالا نظریے کی بنیاد "توری" اور "تورانی" کی مشابہت پر رکھتے ہیں جو کہ ایک بھونڈی بنیاد ہے۔

لیکن اس کتاب میں آپ پڑھیں گے کہ پشتونوں میں سے بعض اپنے آپ کو کچھ کہتے ہیں اور بعض کچھ۔ اور جب تک ہر قبیلے پر حتمی تحقیق نہ ہو جائے ہمیں اُن کے موجودہ دعوں کو محض لاعلمی اور ناسمجھی پر محمول کرنے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔

"توری" اور "توبانی" نظریے کے بعض داعی یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ چونکہ توری وارغن ہو کر آئے تھے اس لئے انہوں نے کرلانڑیوں سے ان کے علاقے کے بیچ کا زرخیز علاقہ یعنی کرم پکڑ لیا۔ یہ استدلال بھی بہ وجوہِ متعددہ ناقابلِ قبول ہے۔ کیونکہ (۱) توری قبیلے نے لوکرم کا علاقہ صوبہ سرحد میں انگریزوں کے آنے سے کچھ عرصہ پہلے حاصل کیا تھا۔ (۲) اگر توریوں نے بہ وجہ خانجین ہونے کے کرم کا زرخیز علاقہ پکڑ لیا تو منگل (جو یہ بھی ان داعیوں کے خیال میں ترکمان ہیں) پہاڑ پر کیوں جا بسیرا کیا؟ اور (۳) تینک قبیلے نے جو کرلانڑیوں کے علاقے کے بیچ میں بنوں کا زرخیز علاقہ قبضہ کیا ہے تو کیا یہ بھی ترکمان ہو گئے؟

(۵) گرگانی۔ علپروت لکھتا ہے کہ افغان گرگانی ہیں اور گرگانی زبان بولتے ہیں۔

(۶) ارمینی "۔۔ تتمہ میں لکھا ہے کہ پشتون درحقیقت ارمینیوں کی ایک شاخ ہے جو پہلے شروان میں رہتی تھی۔ شروان کے پڑوس میں قراباغ نامی جگہ میں کنسانو کو آج تک قندسار کہتے ہیں۔ اور اس ملک کے سردار اغوانخ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں جس لفظ کے معنی ان کی زبان میں سردار کے ہیں۔ جو ارمنی گنجہ، دلجان، نخوان اور گیلان میں ہیں وہ اغوان کے لقب پر فخر کرتے ہیں اور اغوانیت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ افغان اغوان کی محرف صورت ہو اور قندسار کے سردار نے جب اپنا ملک چھوڑ دیا ہو اور قندہار کے خطے میں سکونت اختیار کر لی ہو تو اس جگہ کا نام بھی ابتداء میں قندسار ہو جو بعد میں قندہار بن گیا ہے۔۔۔۔ قندہار کو قندسار کہنے والا جاہل ہے کیونکہ قندہار کا ذکر مہابھارت میں آیا ہے۔"

ارمینیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ افغان ہم سے نکلے ہیں کیوں کہ البانیہ کے لوگ اغوان کہلاتے تھے کیونکہ ارمینیہ کی زبان میں اور زبانوں کا "ل" "غ" میں اور "ب"، "و" میں بدل جاتے ہیں [ال ب ان = ا غ وا ن]۔

اور کہ یہ اغوان ارمینیہ سے ہندوستان گئے تھے اور وہاں عیسائیت کی جگہ اسلام قبول کیا۔ یہ کلیپراٹ، کرونسکی، جیکوبر اور سپنگر کا نظریہ ہے۔ بوخزالذکر اپنی کتاب "پرسنل ہرٹیو جلد ۲ ص ۱۹۴ پر لکھتا ہے کہ شروان اور اس کے متصل ملکوں کے لوگوں کا آج [۱۸۳۲ء] تک یہ عقیدہ ہے کہ پشتون ان کی اولاد ہیں۔

تتمہ میں بھی لکھا ہے: "بعض لوگ کہتے ہیں کہ افغان خزر قوم سے ہیں جو بحر خزر کے کنارے باب الابواب اور شروانات میں آباد تھے۔ حدود ایران میں لوٹ کھسوٹ کرنے کے پاداش میں شاہِ ایران نے ان کو وہاں سے منتقل کر کے مشرقی خراسان کو نکال بھیجا۔ لیکن اس واقعے کی تاریخ معلوم نہیں۔

مصنف "منتظم ناصری" جلد ۲ ص ۱۱۳ نے بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہے۔ اور پشتونوں کو جلاوطن کرنے والے بادشاہ کا نام امیر تیمور گرگانی لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ پھر لکھا ہے: "انہیں ہند اور قندھار کے بیچ میں [یعنی ان کے موجودہ وطن میں] بسایا۔" مصنف نے اغوانی کا نظریہ لنسیاح سے نقل کیا ہے۔

لیکن سینٹ مارٹن کی کتاب جلد ۲ ص ۲۲۳-۲۲۶ سے گرگانی یا ارمینی کا نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہ نظریہ اس لئے بھی غلط ہے کہ بہ قولِ عتبی، میرخوند اور فرشتہ سبکتگین نے جیپال کی جنگ (۹۷۹ء) سے واپسی کے وقت افغانوں اور غلزیوں کو جو اس کی اطاعت مان گئے تھے اس شرط پر اپنے وطن میں چھوڑا کہ جب کبھی وہ چاہے یہ لوگ اسے ایک لاکھ سوار دیا کریں گے۔

سبکتگین نے ۳۵۱ھ/۹۶۲ء میں خودمختاری شروع کی تھی۔ اسی حساب سے افغان اپنے وطن غزنی اور قندھار میں اس زمانے سے پہلے رہتے تھے جو انہیں ارمینیہ کے اغوان کہنے کی صورت میں مان سکتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ ان نظریوں کے داعیوں کے آراء محض گرگانیوں وغیرہ کے کہنے پر مبنی ہیں۔ اور جمال الدین کی تحریر تو نری تک بندی ہے۔

(۶) کلدانی :- بعض لوگ پشتونوں کو اہل اسریا یعنی کلدانیوں کی نسل سے کہتے ہیں ۔ یورپ کے ایک سیاح نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ پشتو میں کلدانی الفاظ پائے جاتے ہیں ۔

(۷) بنی اسرائیل :- اب ہم ایک پیچیدہ لیکن دلچسپ اور ۔ ۔ ۔ لیکن بادی النظر غلط بحث تک آ پہنچے ہیں جو ۱۰۲۰ھ میں مخزنِ افغانی کے لکھے جانے سے شروع ہوئی ہے اور جس میں بھی اس دور کی دیگر فارسی تصانیف کی طرح پشتون قوم کیلئے افغان کا لفظ برتا گیا ہے ۔

نعمت اللہ لکھتا ہے کہ افغانوں کے چار گروہ ہیں ، (۱) کرڑانی (کرلانڑی) (۲) سڑبنی (۳) بیٹنی - اور (۴) غورغشتی ۔

اگرچہ رگ وید ہی کے زمانے سے دیگر پہاڑی قوموں [مثلاً سکاٹلینڈیوں] کی طرح پشتون بھی کئی چھوٹے بڑے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن نعمت اللہ کو چھوٹے قبیلوں کا علم نہ تھا ۔ بلکہ بڑے قبیلوں میں سے بھی کرلانڑیوں کا کما حقہ ذکر نہیں کیا جسکی وجہ آپ کو مخزنِ افغانی کا باب پڑھنے سے معلوم ہوجائیگی ۔ نعمت اللہ نے کرلانڑیوں کے علاوہ باقی تین قبیلوں کو قیس کی اولاد لکھا ہے (جنہیں ہم آئندہ صفحات میں اختصار اور آسانی کے لئے قیسی لکھینگے) ۔

قیس کا اسلامی نام عبدالرشید لکھا ہے ۔ اسکا شجرۂ نسب یعقوبؑ تک لے گیا ہے جنکا لقب اسرائیل تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ قیسی اسرائیل کی وجہ سے بنی اسرائیل اپنے ایک مورث افغان (ولدِ ارمیا ولدِ ساؤول یا ساؤل طالوت) کی وجہ سے افغان یا بنی افغان اور اپنے ایک دوسرے مورث آصف (ولدِ برخیاء ولد ساؤل طالوت) کی وجہ سے بنی آصف کہلاتے ہیں ۔

اب نتیجہ یہ نکلا کہ نعمت اللہ نے افغانوں کے دو گروہ لکھے ہیں (۱) کرلانی اور (۲) قیسی ۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ لکھنے کی فحش غلطی بھی کی ہے کہ "سب افغان [یعنی پشتون] قیس کی اولاد ہیں ۔"

نعمت اللہ کی غلطی کے نتیجے میں بعض (خصوصاً پشتون) مورخوں نے سب افغانوں (یعنی کرلانڑیوں اور قیسیوں) کو قیس کی اولاد لکھا ہے ۔

اب جو لوگ لعنت اللہ کی غلطی کو بھانپ گئے تھے انہوں نے اس غلطی کا ازالہ یوں کرنا چاہا کہ کسی نے تو کرلان (یا کرلانڑ یعنی کرلانڑیوں کے مورث اعلیٰ) کو بھی قیس کا ایک بیٹا لکھ دیا۔ کسی نے اسے غورغشت کا بیٹا لکھ دیا اور کسی نے ارمڑ وغیرہ کے ذریعے اسے سڑبن سے وابستہ کرنا چاہا۔ لیکن اس کتاب میں کرلانڑ کا باب پڑھنے سے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ ایسا کرنا کتنا بے محل، غیر ضروری اور لاحاصل ہے۔

لعنت اللہ پر جو اعتراضات ہوئے ہیں وہ معترضین کا نام سنے بغیر سن لیجئے:-

(۱) قَالَ: سب افغان یعقوبؑ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل ہیں۔ اَقُوْلُ: افغان پشتون کا مترادف ہے۔ اور پشتون کا ذکر یعقوبؑ سے بہت پہلے رگوید میں آیا ہے۔

(۲) قَالَ (ص ۴۷ بحوالہ مجمع الانساب): قیس کا شجرہ ۴۷، ۵۱ اور ۵۶ پشتوں کے ذریعے علی الترتیب ساؤل، ابراہیمؑ اور آدمؑ تک پہنچتا ہے۔ اَقُوْلُ زبانی یادداشت کی بناء پر ساؤل تک ۱۷۰۰ سال اور ابراہیمؑ تک ۲۲۰۰ سال اور یعقوب علیہ السلام تک صحیح کرسی نامہ پہنچانا ناممکن ہے۔ ان میعادوں کے لئے ان سے کم از کم دگنی پشتیں چاہیئں۔ اور اگرچہ لعنت اللہ کی دی ہوئی پشتیں پرانی انجیل سے متفاوت ہیں لیکن اس کا بھی کچھ ٹھیک نہیں مثلاً ۲ سموئیل ۵: ۱۳-۱۶ اور I اخبار ۳: ۱-۹ میں سلیمانؑ کے بھائیوں کے ناموں میں تضاد پایا جاتا ہے۔

نیز پشتوں کے معاملے میں صرف وہی پشتیں یاد رکھی جاتی ہیں جن میں کسی مشہور آدمی کا نام آتا ہے۔

(۳) قَالَ: ساول طالوت یہودا کی نسل سے تھا۔ اقول: صحیح نام ساؤل طالوت ہے اور وہ بنیامین کی نسل سے تھا۔ دیکھو I سموئیل ۹: ۱-۲۔ یہ غلطی ''حالات کوہاٹ'' میں بھی موجود ہے۔ لیکن اخوند درویزہ کی ''مخزن افغانی'' کی ایک ساتھ کی لکھی ہوئی) تذکرہ ص ۸۰ میں ساؤل کو بن یامین کی نسل سے لکھا ہے۔

(۴) قالَ: قیسیوں کے اجداد اعلیٰ ارمیاء اور ارخیاء طالوت کے بیٹے تھے۔
اقولُ: طالوت کے تین بیٹے تھے جو بمعہ باپ کے لڑائی میں مارے گئے تھے
(I سموئیل ۳۱: ۲-۶) اور صرف یونتان ولد ساؤل کا ایک بیٹا مفیبوشت
رہ گیا تھا جسے داؤدؑ نے بعد تلاش اپنے پاس بلا لیا تھا (II سموئیل ۹: ۱-۶)۔
اگر داؤدؑ کے پاس ساؤل کے بیٹے ارمیاء (سپہ سالارِ فوج) اور ارمیاء (وزیر
ملک) موجود ہوتے تو مفیبوشت کی تلاش کا ہے کو کرتا؟ نیز داؤدؑ کے
سپہ سالار کا نام یواب ولدِ ضیرویا تھا۔

لعنت اللہ نے شجرہ چلانے کے لئے ارمیاء اور ارخیاء کے فرضی نام بڑھا
دئے ہیں۔

تذکرۂ دیوبزہ ص ۸۳ میں ساؤل کے دو بیٹوں کے نام آصف اور افغان
لکھے ہیں جو یہ بھی غلط ہیں۔

(۵) قالَ (ص ۲۳): افغان کا باپ ارمیاء بہت بہادر سپہ سالار تھا۔ اقولُ:
داؤدؑ کے لشکر کے بہادروں کے جو نام II سموئیل ۲۳: ۸-۲۹ میں دئے
ہوئے ہیں ان میں ارمیاء اور افغان کے نام شامل نہیں ہیں۔

(۶) قالَ (ص ۲۳): افغان سلیمانؑ کا سپہ سالار تھا۔ اقولُ: I ملوک ۴:
۱-۶ میں سلیمانؑ کے سرداروں میں افغان یا افغنہ کا نام نہیں ہے۔ داؤدؑ
کے سپہ سالار یواب کو قتل کر دینے کے بعد سلیمانؑ نے بنایاہ ولد یہویاداع
کو سپہ سالار مقرر کیا (دیکھو I ملوک ۲: ۳۵)۔

لعنت اللہ نے قوم افغان کے نام کا جواز پیدا کرنے کے لئے قیس کے اجداد
میں افغان کا نام زبردستی بڑھا دیا ہے۔

(۷) قالَ (ص ۲۴): بیت المقدس کی تعمیر کا کام افغان کو سونپا گیا تھا۔ اقولُ:
بیت المقدس کی تعمیر کے لئے مصالحہ وغیرہ فراہم کرنے اور نگرانی کا کام ادونیرام
ولدِ عبدا کے حوالے تھا۔ (I ملوک ۵: ۵-۱۴)۔

(۸) قالَ: سب افغان افغان کی اولاد ہیں۔ اقولُ: ایسا ہی ہوتا تو عبرانی
انجیل میں کہیں تو ان کا ذکر آتا۔ مگر لانڈبڑوں اور قیسیوں کو ملائے بغیر یہ ناممکن ہے۔

(۹) قالَ: افغان افغانی زبان بولتے ہیں + اَقولُ: افغانی یا پشتو جو ہندو آرین زبانوں کی مشرقی شاخ سے ہے. بنی اسرائیل کی زبان کیونکر ہو سکتی ہے - جب کہ پشتو کے فرہنگ میں عبرانی الفاظ بھی موجود نہیں ہیں؟ پشتو زیادہ تر سنسکرت اور ایرانی زبانوں کی مرکب ہے +

کسی قوم کی زبان ایسی نہیں بدلتی کہ پھر نئی زبان میں پرانی زبان کا سراغ تک باقی نہ رہے + بعض لوگ اس کے خلاف یہ مثال دیتے ہیں کہ افغانستان میں ہزارہ قوم منگول زبان کی بجائے فارسی بولنے لگ گئے ہیں + لیکن اس سے بھی لعنت اللہ کی تردید ہی ہوتی ہے - کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتداء میں قیسیوں کی زبان اس موجودہ پشتو یا افغانی زبان کے علاوہ اور کچھ تھی جو وہ اب بولتے ہیں +

(۱۰) قالَ (ص ۲۵ وغیرہ): جب بخت نصر نے بنی اسرائیل کو ان کے وطن شام یا فلسطین سے جلاوطن کر دیا تو وہ جاکر کوہ غور، غزنی، کابل، قندھار اور کوہ فیروزہ میں رہنے لگے اور اتنے زیادہ تھے کہ پہاڑ کا سب علاقہ پکڑ لیا + ... سب صحیح النسب افغان قیس کی اولاد ہیں + اَقولُ: دونوں بیانات کا تضاد لاعلاج ہے +

(۱۱) قالَ: قیس ۹ سنہ میں آنصلعم کے پاس چند ملکوں کے ہمراہ گیا تھا + آپؐ نے اس کا نام ابو رشید اور لقب بطان رکھ دیا + اقول: اگر سب افغان قیس کی اولاد ہے تو اس کے ہمراہیوں اور پس ماندہ بنی اسرائیل کی اولاد کہاں گئی؟ کتبِ احادیث اور تواریخ میں ابو رشید کا نام نہیں ملتا + آپؐ نے ایک شخص کو ابو راشد کا لقب دیا تھا لیکن اس کا نام عبدالات اور لقب ابو مغویہ یا بہ روایتِ دیگر اس کا نام عبد الرحمٰن بن عبد یا عبید تھا + بطان کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں -

(۱۲) قالَ: بخت نصر کے وقت افغان کی اولاد میں سے کچھ لوگ عرب چلے گئے - خالد ابن ولید ان کی اولاد سے ہے + اور ص ۲۶ پر لکھا ہے: خالد افغان تھا - لیکن چونکہ اس کا نانا عبد الشمس قریشی اور بہت مالدار اور با اثر آدمی

تھا اسلیئے لوگ خالد کو بھی اس کے نانا کی وجہ سے قریش کہتے ہیں + اَقُولُ:
خالد اصلاً قریش تھا + نعمت اللہ نے اسے ویسے ہی افغان بنا دیا تاکہ اس کی
وجہ سے ایران کے قاصد کا جواب ہو سکے (دیکھو باب مخزن افغانی کتاب ھذا) +
اگر خالد افغان ہوتا تو عربوں میں سے بھی کوئی تو اسے افغان لکھتا +
بیلیو لکھتا ہے :" اس خالد بن ولید کی اولاد اب بغداد کے پاس دیار بکر
یا میسوپوٹیمیا کے علاقے میں رہتی ہے جنہیں لوگ آج تک خالد افغان یا صرف
خالدی پکارتے ہیں + اور اس قبیلے کی ایک شاخ افغانستان میں بھی بستی ہے
جو ہنگش کہلاتی ہے +" بیلیو فرشتے کی لکھے پر دھوکا کھا گیا ہے +
اکثر جہلا کہتے ہیں کہ خالد کا باپ عرب لیکن ماں اسرائیلی تھی اور نہیں
جانتے کہ عربوں میں شجرہ باپ سے چلتا ہے نہ کہ ماں سے +
خالد کو پشتون کہنا اسی قماش کی غلطی ہے جیسے سلطان محمود غزنوی کو
پشتون سمجھنا حالانکہ وہ خالص تُرک تھا +
(۱۳) آپ نے قیس کو اس کے مورث اعلیٰ طالوت کا لقب مَلِک بخشا
تھا + اقول: اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے + قرآن مجید میں طالوت کے نام
کے ساتھ ملک کا لفظ م کی زبر سے اور بادشاہی کے معنی میں ہے +
پشتون ایران کے بادشاہوں کی تقلید میں خود کو مَلِک اور مغلوں
کے تتبع میں خود کو خان کہتے ہیں + خان دستار نامہ (ص ۱۷۹) میں لکھتا
ہے :"بنی امیہ کے وقت جب لشکر اسلام خراسان پہنچا تو اس قوم
[پشتون] .... نے اسلام قبول کیا + ان سے کہا گیا کہ تم ملک طالوت کی
اولاد ہو۔ اسلام میں تمہارا خطاب بھی ملک ہے +" یعنی اس سے پہلے
پشتونوں میں ملک کا خطاب مروج نہ تھا + اور نیز یہ کہ خراسانی پشتون
بنی امیہ کے عہد میں اسلام لائے +
ہمارے خیال میں نعمت اللہ کی اس ساری کہانی کا محرک یہی ملک
کا لفظ ہے جو کہ پشتونوں میں عام مروج ہے۔ اور جسے قرآن شریف میں طالوت
کے نام کے پاس دیکھکر نعمت اللہ کو مِلک کو مَلِک اور طالوت کو پشتونوں

کا مورثِ اعلیٰ بنانے کی سوجھی - اور پھر اپنے مطلب کے لئے اسرائیلات کو غلط رنگ میں دے گھسیٹا ۔ ویسے ہی جیسے صوبہ سرحد میں کانگریس کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے کہتے تھے کہ قرآن مجید میں منقلبون کا لفظ موجود ہے اور ہمارا نعرہ بھی "انقلاب زندہ باد" ہے اور ہم انقلاب لانا چاہتے ہیں۔

(۱۴) قال: (۳۲۷) ۸ھ میں ایمان لانے کے بعد خالد ابن ولید نے اپنے عزیزوں کو غور میں آنحضرت کی بعثت کا حال لکھ بھیجا جس پر قیس وغیرہ آپ سے ملنے گئے تھے اور جا کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اقول: یہ قصہ روضۃ الاحباب میں ہجرت کے چھٹے سال کے مندرجہ حالات میں اس واقعے کی مسخ شدہ صورت ہے کہ آپ نے بہ غرضِ تبلیغ خالد ابن ولید کو قبیلۂ بنی الحارث کی طرف بھیجا - وہ قبیلہ اسلام لایا۔ ان میں سے چند نفر خالد کے ہمراہ مدینہ آئے جن میں سے آپ نے قیس ابن حصین کو سردار مقرر کر کے انہیں واپس بھیج دیا۔

خلاصۃ الانساب میں اس افسانے کو یہ رنگ دیا گیا ہے۔ کہ بعثت کے وقت افغان کی اولاد شام میں کوہِ سلیمان میں رہتے تھے۔ بعثت کے بعد قیس معہ ستر آدمیوں کے آپ کے پاس جا کر مسلمان ہوئے۔

اس میں اور پہلے افسانے میں دیگر فرقوں کے علاوہ اس میں خالد کے خط کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور اگر بعثت کے وقت افغان شام میں رہتے تھے تو قیس غور کو اور خالد عرب کو کب اور کیسے پہنچے؟

مندرجہ بالا بحث میں آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ مخزن افغانی میں اور غلط بیانیوں کے علاوہ ارمیاء، افغان اور قیس بالکل فرضی نام ہیں جو نعمت اللہ نے تیسیوں کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کے لئے وضع کئے ہیں۔

مخزن افغانی میں لکھا ہے کہ قیس ۸۷ سال کی عمر میں ۴۱ھ میں مرا۔ تو قیس ضرور ۴۶ ق ھ میں پیدا ہوا ہوگا - یعنی اس کا زمانہ ۴۶ ق ھ سے ۴۱ھ اور وہ آنحضرت کا ہمعصر تھا - گویا اس وقت پشتو نخوا میں صرف وہی ایک

افغان زندہ موجود تھا!

مخزن افغانی مصنفہ ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء کے آخر میں ہیبت خان کاکڑ نے اپنا جو شجرہ دیا ہے وہ مختصراً یوں ہے: "ہیبت خان بن سلیم خان بن..... جلو رام بن کاکڑ بن دانی بن غرغشتی بن ملک [قیس عبدالرشید] پٹھان" گویا ہیبت خان سے قیس تک ۱۵ پشت گزر چکے تھے۔ اب ایک پشت جسکا تیس سال کا گنے جانے کے عام حساب سے قیس سے ہیبت تک (۱۵×۳۰=۴۵۰) سال گزرے تھے۔ یعنی ہیبت کے وقت (۱۰۲۰ھ) سے قیس کے وقت تک (۱۰۲۰-۴۵۰=۵۷۰ھ) بنتا ہے جو تقریباً وہی زمانہ ہے جب [۵۷۰ھ میں] غیاث الدین اور محمد غوری نے غزنویوں سے غزنی لیا تھا۔ اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ افغانوں نے سبکتگین (۳۶۶ھ/۹۷۷ء - ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) کی فوج میں جنگ کئے تھے۔ تو اولاد (افغان) اپنے مورث اعلیٰ [قیس] سے (۵۷۰ھ-۳۶۷ھ=) ۲۰۳ سال پہلے کہاں سے پیدا ہوئی؟

الغرض اگر قیس کو ایک بڑے قبیلے کا نام نہ مانا جائے جس کی تین بڑی شاخیں نعمت اللہ کے وقت میں موجود تھیں تو وہ ایک فرضی نام بن کر رہ جاتا ہے جس کے لئے نعمت اللہ نے یہ "تتبیع مجمع الانساب" ایک فرضی شجرہ اور پھر ایک فرضی قصہ گھڑ لیا ہے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے بعض (خصوصاً یورپین) مورخین نے نعمت اللہ کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے بنی اسرائیل کا اطلاق بجائے محض نیاجیوں کے کرلانڑیوں پر بھی کرتے ہوئے سب پشتونوں کے بنی اسرائیل ہونے کی تائید اور تردید میں لکھا ہے:-

جب کوئی بیمار پڑ جاتا ہے تو دنبہ
لیکر ذبح کرکے اس کا لہو عزرائیل
سے مانگنے کے لئے گھر کی دہلیز پر باندھ

لیتے ہیں۔ یہودی بھی ایسا کرتے ہیں۔ یہ رسم افغانوں کے پڑوس مطالعہ میں
ہوتا ہے بینل (۲۲۷)۔

سخت وبا کے دنوں میں سب مثلاً
قربانی کے بکرے کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے
صحرا کی طرف آوارہ کر دیتے ہیں کہ وکاب
گناہ جن کی وجہ سے وہ بکڑے گئے تھے
اس کے ساتھ چلے جائیں + بیبل نے بکرے
کی بجائے گوسالہ لکھا ہے + اور نیز لکھا
ہے :"یہ رسم بہت کم ہے۔ اور اب ختم
ہو رہی ہے ." یہ بھی یہودیوں کی رسم ہے
[یہ رسم تفصیل بتوں کے شمشی خیل
اور کالا خیل کے علاقوں میں آج بھی پائی
جاتی ہے + باقی بتوں میں قربانی کا جانور
گھر کے بیرونی دروازے کے پاس ذبح
کر کے اسکا خون مریض کے ماتھے ہاتھوں
اور پاؤں کے تلوں اور دل پر مل دیتے ہیں]

(۲) انجیل کے نام رکھتے ہیں +

(۳) "قیس کی مدینہ سے اپنے وطن کو مراجعت
کے بعد وہاں کے سب افغان بھی مسلمان
ہو گئے +" یعنی اس سے پہلے یہودی تھے۔
یہ بیان مخزن افغانی کا ہے +

(۲) صرف ان پیغمبروں کے نام رکھتے ہیں
جن کے نام قرآن شریف میں آتے ہیں۔
(۳) چینی سیاح هیون سانگ ۶۳۰ء/
۶۴۴ء میں پشاور اور صوات آیا تھا +
وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ ان
علاقوں میں بدھ مت تنزل اور هندو
دھرم عروج پر ہے +" یہودیت یا اسلام
کا کوئی ذکر نہیں کرتا +
نیز تاریخ سے ثابت ہے کہ پشتونوں کے
کئی قبیلے محمود غزنوی کے وقت تک غیر مسلم
تھے +

(۳) پشتون بالعموم اور کوہ سلیمان کے کوچی اور پیوشہ بالخصوص صورت میں یہود سے مشابہت رکھتے ہیں۔ دونوں قدآور اور مضبوط ہیں۔ دونوں کی کھال سفید آنکھیں سبز، بال سنہری اور ناک لمبی اور قوسے مخروطی ہوتی ہے۔

(۴) ایسی مشابہت تو کشمیریوں اور یہود میں بھی پائی جاتی ہے۔ کُسانا بادشاہوں کی جو تصویریں ان کے سکوں پر پائی جاتی ہیں ان کے خد و خال بھی پشتونوں کی طرح ہیں۔ لیکن نہ تو وہ پشتون ہیں اور نہ سامی النسل۔ (دیکھئے ڈیویز ص ۴۲)۔ رومن حکومت کے زمانے میں بہت قسموں اور ملکوں کے لوگوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

آنکھ کا رنگ اور قد اقسام انسانی کا اہم جزو نہیں ہیں کیونکہ یہ دُنیا کی ہر قوم میں پائی جاتی ہیں۔ پولینڈ میں بھورے (بلانڈ) یہودی بھی پائے جاتے ہیں۔ اور یہودیوں کے قد اور سر بھی یکساں نہیں ہیں۔

پشتونوں کی مبینہ خصوصیات بعض بہت شمالی اور بلندی پر رہنے والوں میں پائی جاتی ہیں۔

پشتون عموماً گندمی رنگ، کالی آنکھیں اور کالے بال اور درمیانہ اور سیدھی ناک رکھتے ہیں۔ یہ باقی کے رنگ اور ساخت مستثنیات میں سے ہیں۔ اور رنگ تو گروہ بندی کا ثبوت نہیں ہے۔ رنگ تو سمریا کے لوگوں کا بھی آریوں سے ملتا ہے لیکن آریہ نہیں ہیں۔

یہودیوں کے خد و خال، خو خصلت اور زبان

ان کے قومی خصائل نہیں ہیں بلکہ ان
مظالم کا نتیجہ ہیں جو بارہویں صدی عیسوی
کے عیسائیوں نے یہودیوں پر ڈھا رکھے
تھے۔ عیسائیت کی ابتداء میں یہودیوں
اور بحیرۂ روم کے دیگر مشرقی اقوام میں
فرق نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آج جسمانی
لحاظ سے یہودیوں کی کئی قسمیں ہیں۔
اور ہر ملک کے یہودی باہمی ازدواج
کی وجہ سے اُس مُلک کے باشندوں
کی طرح ہیں۔ مثلاً چین اور حبشہ میں۔
جب عیسائیوں نے یہودیوں کو اور
لوگوں سے ملنے سے روک دیا اور
آپس میں شادی بیاہ کرلنے پر مجبور
کر دیا تو نتیجتہً شمال مشرقی یہودیوں
کے سر بجائے لمبے کے گول بن گئے اور
ان کے ناک اور منہ کے نقشوں
نے بھی مستقل صورتیں اختیار کر لیں۔
لیکن جسے "یہودی ناک" کہا جاتا ہے
وہ ارمنی قسم میں بھی پائی جاتی ہے
اور نہ یہودیوں سے مخصوص ہے نہ
اُن میں عام پائی جاتی ہے۔
عیسائیوں نے یہودیوں پر زمینیں
قانوناً بند کر دکھی تھیں اور وہ شہروں
میں بسنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے ان
کی شکل و شباہت خالص شہری

بن گئی اور انہوں نے شہری پیشے مثلاً
سود خوری اور قانون اپنا لئے ۔ لوگوں
سے نہ مل جل سکنے کی وجہ سے انہیں
مجبوراً اپنی ایک زبان بنانی پڑی جسے
یدی کہتے ہیں جو عبرانی یا سامی زبانوں
کے ساتھ کچھ قرابت نہیں رکھتی بلکہ
ایک جرمنی زبان ہے +
عیسائیوں کے مظالم نے یہودیوں کو
اپنے مذہب پر اڑا رہنے پر مجبور کردیا
کیونکہ ان کی بقا اسی میں تھی + ان
مظالم کی وجہ سے وہ اپنی زندگی اور
دولت غیر محفوظ سمجھنے لگے + عیسائیت
کے جھوٹے دعوں سے ان کا اعتبار جاتا
رہا اور وہ بدخو بن گئے اور ان میں یہ
خیال پیدا ہوگیا کہ وہ سب کچھ پر
سمجھتے ہیں +
۱۸۸۰ء میں جب شمال مشرقی اور جنوب
کے یہودی اپنے گھر فلسطین کو واپس
آگئے تو انہوں نے عیسیٰ کے زمانے سے
بولنے والی ارمنی زبان چھوڑ کر عبرانی
اختیار کرلی (دیکھئے اجرایا لوجی ص ۷۷ - ۸۱)
پشتونوں کی شکل و شباہت اور خو
خصلت کیلئے اس کتاب میں متعلقہ باب
پڑھئے + ان خصوصیات کے اسباب پشتونخوا
کی آب و ہوا اور قبائلی اور سیاسی زندگی

ہیں ڈھونڈلینے چاہئیں۔ نہ کہ ادنیٰ سی
مشابہت پر اُنہیں کسی (خصوصاً یہودی)
قوم سے وابستہ۔ خصوصاً جب کہ وہ
قوم بھی قدیمی نہ ہو۔

(۷) مَلِک کا لقب استعمال کرتے ہیں۔

ملک کا لقب تو پنجاب کے جاٹ اور
اوان بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور ہند
کے ترکی امیر بھی عام استعمال کرتے تھے۔

(۸) زمینیں ویش کے ذریعہ تقسیم
کرتے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰؑ نے بحکم خدا
کنعان کی زمینیں بنی اسرائیل میں بانٹی
تھیں۔ (دیکھئے توریت گنتی: ۳۶)

اراضی کی تقسیم کا یہ طریقہ آریہ قوم
میں بھی رائج تھا جو کئی قبیلوں میں
بٹی ہوئی تھی اور ہر قبیلے نے علیحدہ
وطن لیا تھا (ملاحظہ ہو رگ وید)

(۹) زیارتوں کی عزت کرتے ہیں جو
ان نخلستانوں اور اونچی جگہوں سے
ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جن کا ذکر
انجیل میں کئی جگہ آیا ہے اور جن
پھندوں کے ذریعہ بنی اسرائیل کو اللہ
کی عبادت سے کھینچتے تھے۔

کہاں زیارتیں اور کہاں انجیل کے
نخلستان اور سرلفا ہیں؟ کہاں قبروں
پر فاتحہ خوانی اور کہاں خدا کی عبادت
سے کھینچنا۔ زیارتوں سے دعا مانگنی
اس حدیث کی رو سے جائز ہے: لِفِذَا
تَحَیَّرْتُمْ فِی الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِیْنُوْا مِنْ
اَهْلِ الْقُبُوْرِ۔

(۱۰) قانون موسویؑ کی مطابقت میں
چھوٹا بھائی بڑے کی بیوہ سے بیاہ کرتا
ہے۔

بڑے اور چھوٹے کی قید کے بغیر شریعت
محمدی بھائی کا بھائی کی بیوہ سے بیاہ
کی اجازت دیتا ہے۔
پشتو کے زمانے میں اپنی بیوہ بھاوج
کا غیر کی بیوی بننا گوارا نہ کرتے تھے۔ اور
چونکہ اکثر شادیاں پیارا زادوں میں ہوا

کرتی تھیں اسلئے یہ چاہتے تھے کہ بھائی
کی شرم بھی رکھی جائے اور گھر کا بندہ
بھی گھر ہی میں رہ جائے +

(۱۱) باوجودِ مسافت ان میں ایک
جگہ کا نام جبرہے

پشتونخوا میں تو کئی جگہوں کے نام
ہندی بھی ہیں۔ مثلاً درسمند، لاہور اور
متھرا +

(۱۲) ان کے فیصلے ملک نہیں بلکہ
قومی جرگے کرتے ہیں + جیسا کہ یعقوبؑ
کے بیٹے اور شیبم کے پاس صلح کے لئے
گئے تھے لیکن اس نے اپنی قوم سے
مشورہ کیا (دیکھئے پیدائش ۳۴: ۲۱-۲۴)
اور ابراہیمؑ نے زمین کے لئے ہتایٹ کے
بیٹوں کی بجائے قوم کیساتھ فیصلہ کیا۔
(پیدائش ۲۳: ۳-۱۱) +

دونوں مثالیں بے ہنگم ہیں + ہمور
اور اس کے بیٹے نے سب قوم کے ختنہ
ہونے کی کٹھن شرط ماننے کے لئے ان
سے کہا تھا +
ہتایٹ کے بیٹوں نے افرون کو ابراہیمؑ
کے ساتھ زمین بیچنے کے لئے کہا تھا۔
پشتونوں میں ویش کا رواج پشتونولی
کی وجہ سے تھا جس میں سب ذی روح
برابر اور ان کا نفع نقصان مشترک ہوتا ہے
اس لئے ہر فرد کو جوان ہونے پر اپنا حصہ
زمین مانگنے کا حق حاصل تھا +
اسلام میں خداؑ کے سوا کوئی ملک یا
بادشاہ نہیں: الحکم للہ ٥
رگوید کے زمانے میں لوگ سمیتی یعنی
قبائلی جرگے میں اپنی مرضی کے اظہار
کے ذریعے راجہ کی طاقت کو محدود کر
دیتے تھے۔ اور آج کی طرح اُس وقت بھی
ہر پشتون کھشتری یعنی زمیندار بھی تھا
اور سپاہی بھی +

(۱۳) یہودیوں کی طرح لمبے اور کھلے چغے پہنتے ہیں +

صرف شمالی ٹھنڈے علاقوں کے مالدار پشتون خصوصاً یوسفزئی ایسے چغے پہنتے ہیں + آج سے ۳۰ برس پہلے تک جنوبی پہاڑی لوگوں کے پشتون بند شلواریاں پہنا کرتے تھے +

(۱۴) منگنی اور بیاہ میں فرق نہیں کرتے شادی سے پہلے دلہا اور دلہن میں بے تکلفی ہوتی ہے + یوسفزئی اس رسم کو چنغلتوب کہتے ہیں جس کی تفصیل حیات افغانی میں درج ہے اور بعض پاوندہ قبائل بھی ایسا کرتے ہیں

یہ رسم عمومی نہیں ہے + کرلانڑی قوم میں نہیں پائی جاتی +

(۱۵) یہودیوں نے کبھی اور کہیں بھی عمومی طور پر اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا +

بعض یورپین مورخین کا یہ خیال کہ پشتون بنی اسرائیل کے ۱۰ گمشدہ قبائل سے ہیں اس لئے غلط ہے کہ پشتونوں کو بن یامین کی اولاد کہا جاتا ہے جو گمشدہ نہیں بلکہ اپنے وطن کو واپس آگیا تھا +

اکثر لکھنے والوں نے صرف نعمت اللہ کے لکھنے کی بناء پر یہ لکھنا شروع کر دیا ہے کہ پشتون اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں + حالانکہ حقیقت یوں نہیں ہے + جن پشتونوں نے مخزن افغانی وغیرہ نہیں پڑھے وہ ہرگز خود کو بنی اسرائیل نہیں کہتے + ہم میں یہ روایت کبھی نہیں چلی آئی کہ ہم بنی اسرائیل ہیں +
اب ہر چند کہ پشتونوں کی اسرائیلیت کی تائید اور تردید میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا +
جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں بعض قوموں کی بابت تو یہ ثابت ہو چکا ہے

کہ پشتون یہ نہیں ہیں لیکن ابھی تک کوئی یہ ثابت نہ کر سکا کہ اگر یہ نہیں ہیں تو کون ہیں۔ اور نہ اس کے بعد شاید کوئی کر سکے گا۔

نعمت اللہ کے لئے سی کے سال اخوند درویزہ نے اپنے تذکرہ ص ۷۹ میں افغانوں کو یعقوبؑ کی نسل سے لکھا ہے لیکن وہ تو صرف یوسفزیوں کی تاریخ لکھنے بیٹھا تھا جن کے مورث اعلیٰ کا نام اس لئے شیرلیون لکھا ہے۔

اس سب بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نعمت اللہ کے بیان کردہ چاروں گروہ ایک ہیں۔ جو چاروں ایک باپ کی اولاد نہیں ہیں۔

اگر پشتونوں میں کوئی بنی اسرائیل کبھی آکر شامل بھی ہوئے تو وہ اب جس طرح سے پشتونوں میں ایسے گھل مل گئے ہیں کہ اب ان میں سے بنی اسرائیل کی تمیز کرنی قطعاً ناممکن ہے چہ جائیکہ عرب یا ایرانی وغیرہ کی۔ اور چونکہ نعمت اللہ نے قیس، افغان، آصف، انبیاء اور اولیاء کی بابت جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر غلط اور فرضی ہے اس لئے اس کا اسرائیلیت کا دعویٰ بھی بے معنی ہے۔

پشتون سب ایک اور آریہ النسل ہیں۔ اور اگر وہ اپنا شجرہ کرلانڑ یا قیس سے آگے نہیں لے جا سکتے تو اس میں عیب کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی اپنا شجرہ پوری طرح نہیں بیان کر سکتی۔ اس بارے میں ہم لودی سے سلیمان کے بیٹوں کی مثال دے چکے ہیں۔

پشتونوں کی قومیت کی شد و مد سے بحث کرنے والے انگریز تو خود بھی نعمت اللہ سے اڑھائی سو برس بعد ۱۸۷۰ء تک اس وہم میں گرفتار تھے کہ خود کو کسی طرح بنی اسرائیل ثابت کریں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا بارہم میں افغان کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "ایسی باتیں تقریباً ان سب قوموں کی ادب میں ملتی ہیں جنہوں نے اپنا مذہب یا تہذیب بیرونی ذریعے سے حاصل کی ہو۔" اور پھر وہ آگے چل کر لکھا ہے: "ہمارے اپنے وقت [۱۸۷۰ء] اور ملک [برطانیہ] میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہے جو سنجیدگی سے یہ نظریہ رکھتے اور پھیلاتے ہیں کہ انگریز لوگ اسرائیلی قبیلے سے ہیں۔ اور اس مضبوط نظریے پر پشتو کے ادب سے زیادہ کتابیں بھری جائیں گی۔"

مخزن افغانی

روسی پروفیسر بنہارڈ ڈارن نے ۱۸۲۹-۱۸۳۶ء میں ہسٹری آف دی افغانز (جس کا اردو ترجمہ شہاب الدین ثاقب نے تاریخ افاغنہ کے نام سے کیا ہے) لکھ کر کہا کہ یہ "مخزن افغانی" کا ترجمہ ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر لی نے متن کے مقابلے کے لئے ڈارن کو اپنا نسخہ اسی خیال سے دیا تھا کہ یہ مخزن افغانی ہے۔ کتاب چھپ گئی اور دنیا بھر یہی سمجھتی رہی کہ یہ مخزن افغانی کا انگریزی ترجمہ ہے۔

لیکن ۱۹۵۸ء میں شانتی نکیتن کے نرود بھوسن رائے نے ایشیاٹک سوسائٹی، لکھنو یونیورسٹی اور علیگڑھ یونیورسٹی کے متعدد قلمی نسخوں سے مخزن افغانی کے سات بابوں اور خاتمے میں سے صرف پہلے چہار باب (عہد لودی) کا ترجمہ کر کے دیباچے میں لکھ دیا کہ ڈارن کے ترجمے کا اصل ابراہیم بٹنی کی لکھی ہوئی کتاب "تواریخ مجلس آرائے" ہے جو عباس ساروانی کی "تاریخ شیر شاہی کا مفصل بیان اور نعمت اللہ کی تصنیف کے علاوہ ہے جس کا نام مخزن افغانی المشتہر تاریخ خانجہانی ہے۔

لیکن راقم الحروف عارض ہے کہ ابراہیم بٹنی اپنے نسخہ منقولہ ۱۰۲۸ھ و موسومہ "تاریخ خانجہان لودہی و مخزن افغانی کی بابت لکھتا ہے کہ "میں نے اپنے نسخے میں بعض مقامات اور کرانیوں کا حال "تاریخ نظام شاہی، تاریخ شیر شاہی اور نعمت اللہ کے مخزن افغانی سے نکال کے لکھے ہیں"۔

ابراہیم کے اس واضح بیان اور رائے کی رائے کے بعد اگرچہ ہمیں ڈارن کے ترجمے کو مخزن افغانی کا ترجمہ نہیں کہنا چاہئے لیکن چونکہ دنیا ۱۲۲ سال تک اس ترجمے کو مخزن افغانی کا ترجمہ کہتی چلی آئی ہے اسلئے ہم اپنی طرف سے بجائے مخزن افغانی کے تواریخ مجلس آرائے کے نام کا استعمال اس وقت تک مناسب نہیں سمجھتے جب تک مخزن افغانی کا اصلی متن نہ چھپ جائے۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب میں اسی پر عمل کیا ہے۔

ڈارن کے ترجمے کی بابت ہمیں صرف مندرجہ ذیل گذارش کرنی ہے:-

(۱) ص ۲۱ میں مصنف نے اپنی کتاب کے تصنیف کا جو سبب لکھا ہے ہمیں اس سے غرض نہیں ہے - لیکن حیاتِ افغانی (ص ص ۱۰۲-۳) میں لکھا لکھا ہے: "مخزن افغانی کی بعض نقول میں سببِ تصنیف مندرجہ ذیل ہے۔ شاید کاتب اسے قابلِ اعتراض سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن در اصل یہ سبب واقعی تھا۔ لیکن مخزنِ افغانی کی جو کتاب سرکار [انگریزی] کا ایلچی غلام حسن خان علیزئی [جسے ٹیلر نے میر عالم خان مرزعلی خیل کے جلا وطن کئے جانے کے بعد بنوں کا انتظام سونپا تھا] کابل کے معتبر خاندان کے کتب خانے سے لایا اور اس سے مجھے ملی اور اب میرے سامنے میز پر پڑی ہے - اس میں یہ لکھا ہے۔ نقل بجنسہ"

[ترجمہ از فارسی:۔]

"اس کتاب کی تصنیف کا باعث اور سبب یہ ہے کہ ایران [کے بادشاہ شاہ عباس صفوی] کا سفیر جب میرے ولیٔ نعمت یعنی محمد جہانگیر کے حضور آیا تھا تو اس نے افغانوں کی نسبت دلیری سے کی + اور ایک معتبر کتاب سے یہ روایت کی کہ شاہِ ہفت اقلیم ضحاک کے کانوں تک پہنچا کہ کچھ فاصلے پر مغرب کے ایک ملک پر خوبصورت عورتیں متصرف ہیں + ضحاک نے اس ملک کو حاصل کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر بھیجا۔ لیکن جنگ میں عورتیں جیت گئیں اور کام نہ بنتا تھا + اس کے بعد ضحاک نے نریمان کو ایک بڑے زبردست لشکر کے ساتھ مقرر کیا + سخت جنگوں کے بعد ایک ہزار باکرہ پر صلح ٹھہری + لوٹتے وقت نریمان کا کوہستان کے پاس پڑاؤ پڑا + ایک دیو صورت اور شیطان سیرت آدمی پہاڑ سے نکل آیا۔ لشکر کو مار کر تتر بتر کر دیا اور ان ہزار کنواریوں کو ایک رات میں حاملہ کر دیا + بھاگی ہوئی فوج جب اس پڑاؤ کو لوٹ کر آ پہنچی تو سب عورتوں کو گھابن پایا۔ جب یہ واقعہ پایۂ تختِ سلطنت کی خدمت میں عرض کیا تو حکم پہنچا کہ ان عورتوں کو اسی ویرانے اور پہاڑ میں چھوڑ آؤ کیوں کہ ان کی نسل سے شہروں میں فتنہ اور بربادی بپا ہو جائیگی + مطلب یہ نکلا کہ افغان اِنکی نسل سے ہیں +

یہ بات سن کر مجھے [خان جہان لودی کو] غیرت آئی۔ چند جہاندیدہ آدمی (جن کا ذکر کتاب کے مقدمے میں آیا ہے) اپنے لشکر کے سرداروں سے چنے اور جہان میں پھرائے جنہوں نے علیٰحدہ علیٰحدہ افغانوں کے انساب تحقیق تک پہنچائے جو درجہ بہ درجہ درج کئے گئے۔"

مصنفِ حیاتِ افغانی نے مقدمہ مخزنِ افغانی سے ان سرداروں کے نام یہ لکھے ہیں: "قطب خان، سرمست خان ابدال، ہمزہ خان لوحی، عمر خان کاکڑ اور ظریف خان یوسفزئی۔"

لیکن مخزنِ افغانی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خانجہان نے علاوہ اپنے سرداروں کے بیانات کے مندرجہ ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کیا تھا:۔ "تاریخِ طبری، مجمع الانساب مصنفہ محمد ابن علی، گزیدۂ جہانگشا، مطلع الانوار، معدنِ اخبارِ احمدی از احمد خان ولد بہلول خان کنبوہ ۱۰۲۰ھ، تاریخ ابراہیم شاہی، تاریخ نظامی، تاریخ شیرشاہی از عباس سروانی اور اکبرنامہ ابوالفضل۔"

اس کے بعد مصنفِ حیاتِ افغانی لکھتا ہے: اگرچہ یہ روایت جو ایران کے سفیر نے ضد اور حسد کی وجہ سے افغانوں کی نسب کے بابت بیان کی قطعاً غلط اور بےبنیاد ہے کہ بچوں کا قیاس بھی اس کے برخلاف مضبوط فتویٰ دیگا۔ لیکن اس کے جواب میں خانجہان جیسے جہاندیدہ انسان نے جان کو حد سے زیادہ سراہا۔

اس کے بعد مصنفِ حیاتِ افغانی لکھتا ہے: مخزنِ افغانی کے مصنف نے اپنی کتاب کی تصنیف کی جو وجہ لکھی ہے وہ سبب ایسا ہے کہ غیرتِ انسانی نے خانجہان کو اس حد تک آمادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے اعلیٰ خاندانی ہونے اور اپنی صفت کے لئے خلافِ واقعہ درجے تک لکھنے پر مجبور ہوگیا۔

مخزنِ افغانی کا صحیح اور مکمل متن دیکھے بنا ہمیں حیاتِ افغانی کے لکھے پر تبصرہ کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

پشتون بادشاہوں کے زمانے میں بہت سے افغان (خصوصاً لوحانی، سادوانی، جلوانی وغیرہ) سلطان بہلول لودی کے بلاوے پر ہندوستان

گئے تھے۔ اور ابتک مغلی دور میں فوج اور سلطنت میں بڑے بڑے منصب، جائدادیں اور اہمیتیں حاصل کرچکے تھے۔ اس لئے اس زمانے کے پشتون اہلِ قلم کے دلوں میں اپنے بادشاہوں اور اپنی قوم کے بابت کچھ لکھنا عین قدرتی بات تھی خصوصاً جب کہ ان کے حسب اور نسب پر ایسے ناپاک اور جھوٹے حملے بھی کئے جاتے تھے جیسا کہ آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔

پشتونوں کی تصنیفوں سے ہمیں ان کی نسل کی بابت نہ سہی، ان کے بادشاہوں اور اس وقت کے ہندوستان کے چشمدید اور نہایت معتبر حالات تو مل گئے۔

بادشاہوں کے بارے میں تو اس زمانے کے پشتون مصنف نہایت ہی منفعت بخش پوزیشن (حالت) میں تھے اور ان کے حالات تو بسط سے اور جمع لکھ پائے لیکن پشتونخواہ سے بُعدِ مکانی، فارسی (اور غالباً عربی) کے بغیر دنیا کی اور زبانوں سے ناواقفیت، اور محدود مواد استعمال کرنے کی وجہ سے (یعنی وہ سب مواد استعمال نہ کرسکنے کی وجہ سے جس کے حاصل کرنے کی سہولتیں اُس وقت موجود نہ تھیں) پشتونوں کے بارے میں ان کی تحقیق معیار تک نہ پہنچ سکی۔

لیکن یہ اتنا قابل افسوس نہیں جتنا قبیلوں کی بابت ایک ایسا نظریہ پیش کرنا جس کے لئے ان کے لکھنے کے علاوہ کوئی مستند ثبوت موجود نہیں۔ اور جو آج تک دُنیا کے علماء میں محلِ نزاع بنا ہوا ہے جیسا کہ اس کتاب میں آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔

پشتون پہ اصل سڑبنی دے
یا غرغشتی دے یا بیٹنی دے
لودی غلجی دی بیٹی لہ دریہ
سڑبن پوہ بیا کرلانڑی دے۔ [خان]

دی پٹھانز

سر اولف کیرو تقریباً تیس سال تک پشتون پر حکومت کر چکا تھا اور پاکستان بننے سے پہلے ۱۹۴۷ء میں شمال مغربی صوبہ سرحد کا آخری انگریز گورنر رہ چکا تھا جو خاصی پشتو بھی بول لیتا تھا۔

دی پٹھانز کیرو کے پراپیگنڈے کے سلسلے کی دوسری کتاب ہے جو پشتونوں کے برخلاف لکھی گئی ہے۔ اس سے پہلے ۱۹۵۴ء میں "سوویٹ ایمپائر" نامی کتاب روس کے برخلاف لکھ چکا تھا۔

دی پٹھانز کے لئے راستہ "ہیرو سائیکل" نے ہموار کیا جو اس سے پہلے لکھی گئی اور اس کی تائید "دی پاث آف دی افغانز" نے کی جو اس کے بعد لکھی گئی۔

آج تک پشتونوں کی مکمل اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی۔ پچھلے وقتوں میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں وہ یا تو کسی ایسی زبان میں تھیں جسے اکثر پشتون نہیں سمجھتے مثلاً فارسی یا اردو۔ یا سخت کمیاب تھیں مثلاً حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہاں۔ ان حالات میں پشتونوں کو اپنی ایک مفصل اور مستند تاریخ کی سخت ضرورت تھی۔

شمال مغربی صوبہ سرحد میں دورے اور اخباروں میں مضامین کے ذریعے اپنی کتاب کا وسیع پراپیگنڈا کر چکنے کے بعد جب کیرو نے ایک انگریزی قسم کے نام کے نیچے اپنی کتاب یہاں بھیجی تو ہمارے انگریزی خوان طبقے نے باوجود اس کی مبالغ قیمت کے اسے بڑی تعداد میں خریدا اور سمجھنے لگے کہ ان کی پشتونوں کی تاریخ کی پرانی آرزو پوری ہو گئی۔ لیکن جب پڑھ کر دیکھی تو اپنے پیسے اور وقت کے لئے پچھتائے۔ بعض نے تو اس کتاب کی بابت کچھ لکھا بھی لیکن اس پر منصفانہ تنقید لکھی جانی تا حال باقی ہے۔ بلکہ چونکہ ہماری کتاب میں بار بار کیرو کا ذکر آتا ہے اس لئے اس کی کتاب کے متعلق اپنے بعض خیالات ہدیۂ قارئین کرتے ہیں :-

(۱) یہ ایک ایسے شخص کی تالیف ہے جو سب ہمر سول افسر تو رہا لیکن مورخ نہ بن سکا۔ اس نے تاریخ اور افسانے کو ملایا ہے لیکن کوئی معقول نتیجہ نہ اخذ کر سکا۔ مثلاً پشتونوں کے نسل کے ذکر میں بنی اسرائیل کا ذکر تو چھیڑ دیا لیکن پھر ویسے ہی چھوڑ دیا اور یہ نہ کہا کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں یا نہیں۔ اور اگر نہیں تو کون ہیں +

(۲) کتاب کے ص ۲۳۱ پر لکھا ہے کہ "ملک اکو اور اس کا بیٹا یحیٰی پردو یوسفزیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے +" یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے ہی خٹکوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے جیسا کہ آپ ہماری کتاب میں اکوڑ خیلوں کے باب میں پڑھ لینگے + اور پھر یہی غلطی کیرو اور ھوویل "دی پوئیمز" کے ص ۳ پر دھرائے ہیں +

(۳) کتاب کے ص ۲۱۱ پر لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ نے شاہی شرک کی حفاظت کا کام ۱۵۸۶ء میں ملک اکو کے سونپا +" یہ تاریخ بالکل غلط ہے + صحیح تاریخ کا ذکر ہماری کتاب میں اکوڑ خیلوں کے باب میں آجائیگا۔ یہی غلطی "دی پوئیمز" کے ص ص ۲ اور ۷ ۸ پر دھرائی گئی ہے۔

(۴) کیرو کی مورخی کا حال تو مندرجہ بالا دو مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے اگرچہ ایسی بہت سی مثالیں آپ آئندہ صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائینگے۔ لیکن چونکہ اس نے اپنے اکثر ماخذ (بغیر کہیں اعتراف کئے) حبیبی صاحب کی کتاب "د پشتو د ادبیاتو تاریخ" دوھم ٹوک مطبوعہ کابل سے لئے ہیں اور بعض ایسے مسئلوں کو بھی چھوا ہے جن کے اصل تک رسائی اس قماش کے مورخ کے لئے ناممکن دکھائی دیتی ہے اسلئے خیال اغلب یہ ہے کہ "دی پٹھانز" کے بعض باب کسی اور نے کیرو کو لکھ کر دئے ہیں +

(۵) ویسے تو "دی پٹھانز" سب کچھ ملا کر ۵۳۶ صفحات کی کتاب بنتی ہے لیکن اس میں پشتونوں پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ خصوصاً کرلانڑی قبیلے پر +

(۶) کتاب میں جا بجا انگریزوں کی تعریفیں ہیں خصوصاً پلادین نامی باب میں تو جا بجا لکھا ہے کہ فلاں قبیلے کے پشتون فلاں انگریز پر یوں شیفتہ اور

والے تھے اور فلاں قبیلہ فلاں انگریز کو یوں [بمنزلۂ پیر] مانتا تھا - حالانکہ انگریزی دور استبداد کے مظالم آج بھی ہمارے دلوں پر نقش ہیں۔ مثلاً اگر کوئی پشتون کسی راہ جاتے انگریز کو سلام نہ کر بیٹھتا تو اسے بیدوں کی سزا دی جاتی یا اس کے پیچھے کتے لگا دئے جاتے۔ اگر کوئی کارخانہ بنانے کو کہتا تو اسے کہتے کہ کراچی تو یہاں سے بہت دور ہے - وہاں سے تو مشینری لانے پر ہی اتنے مصارف آجائینگے کہ عمر بھر تک منافع نہ ملیگا۔ معمولی نوکریاں مثلاً ہیڈ ماسٹر سکول، سٹیشن ماسٹر ریلوے اور انسپکٹر پولیس کے لئے بھی انگریز لاکر بھرتی کئے جاتے تھے۔ حریت پسندوں کو صوابی، پشاور اور سپینہ تنگی میں مٹین گنوں سے بھونا گیا۔ غرضیکہ ایک ایسی غاصب قوم کے ساتھ محکوم پشتونوں کی جو دلی محبت ہو سکتی ہے وہ اظہر ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی پشتون نے انگریزوں کے شر سے بچنے کیلئے منہ زبانی کسی انگریز کی کچھ تعریف کردی ہو تو اسے کون محبت دلی کہہ سکتا ہے؟

کتاب کے پورے گیارہ صفحے تو ارمن نامی ایک بدنام انگریز فوجی افسر کے قتل کے واقعے کے بیان پر ضائع کئے گئے ہیں کیونکہ اس کی قتل کے بعد کوئی فوجی پشتون دوسرے انگریزوں کے سامنے "آئی مائی - ارمون ارمون" کے رسمی لغو الفاظ کہتے ہوئے بیان ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ وزیروں کے لہجے میں ارمان (کلمۂ حسرت کا تلفظ ارمون کیا جاتا ہے جو ارمن کے ہم صوت ہے۔ لیکن کیرو نے یہ نہیں بتلایا کہ ارمن وزیرستان میں جلانے میں کہاں تک حق بجانب تھا۔ انگریز تو زبردستی ان کے گھر میں گھسے اور انہیں اپنی جان اور مال بچانے کا حق بھی حاصل نہ ہو!

(۷) کیرو نے جا بجا اور خالص بیجا بے مطلب باتیں لکھی ہیں - اور بسا اوقات مورخین اور علماء کے مانے ہوئے نظریوں سے بلا وجہ اور دلیل اختلاف کیا ہے۔ اور ایسے عجیب اور مضحکہ آمیز نظریے پیش کئے ہیں جو سکول کا ایک طالب العلم بھی سمجھ سکتا ہے۔ اسپاسی اور یوسفزئی کا ایک ہونا، اور پختون تلفظ کا پشتون تلفظ سے قدیمی ہونے کی مثالیں آپ پڑھ چکے ہیں۔

(۸) پشتونوں کے شجروں کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے وہ تو بس کیرو ہی کا حصہ ہے۔ اس نے شجروں کی ذاتی تفسیریں کی ہیں اور بہ زعم خود ان کی باطنی تفسیریں نکالی ہیں۔ جن کا واحد مقصد پشتونوں کا ایک دوسرے سے جدا کرنا، ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے مغائرت پیدا کرنی اور دنیا کی آنکھوں میں انہیں پست ثابت کرنا ہے۔ لیکن شجروں کو غلط ثابت کرنے کی سعی معکوس میں اس نے ان کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ کیوں کہ اس نے یہی لکھا ہے کہ میدان کے افغان جو خود کو افغنہ کی اولاد کہتے ہیں پہاڑ کے پشتونوں سے جو کرلانڑ کو اپنا مورث اعلیٰ کہتے ہیں بالکل جدا ہیں۔ اور شجروں نے بھی پشتونوں کے دو مورث اعلیٰ لکھے ہیں: (۱) کرلان اور (۲) کیس۔

(۹) بیلیو کے تتبع میں پشتونوں اور افغانوں میں غیر حقیقی فرق پیدا کرنے کی ناکام کوشش کے بعد (جس کی طرف کچھ اشارہ ہماری کتاب میں اس سے پہلے ہو چکا ہے اور جس کی چند مثالیں اس کے بعد آئینگی) کیرو نے مغربی پشتونوں کے بعض بڑے بڑے قبیلوں کی اہانت کی کوشش بھی کی ہے: مثلاً غلزیوں کو (جنہوں نے ہندوستان پر بھی حکومت کی ہے اور ایران پر بھی) خلجی ترکوں کے ساتھ خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں تاجک قوم کے ایک قبیلے میں شامل کر دیا ہے جو ضحاک (ضحاک) ایرانی کی نسل سے تھا۔ اور ایک سطحی بیان کے بعد لکھا ہے: "پہلا روشن نکتہ یہ ہے کہ پرانی افغانی روایت غلزیوں کو، جیسے کہ وہ تھے (جیسا اس کا مطلب یہاں نکالا گیا ہے)، اصلی افغانی جڑ سے نہ سمجھتی تھی۔" (ص ۲۷)۔

بعض ناسمجھ لوگ غلزئی پشتونوں کو خلجی منگولوں کے ساتھ خلط کرتے ہیں۔ موخر الذکر کے بارے میں تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ص ۱۳۳-۱۳۱ لکھتا ہے: "نظام الدین احمد بخشی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ایک معتبر تاریخ میں میری نظر سے گزرا ہے کہ خلج قبیلہ چنگیز خان کے داماد قلج خان کی نسل سے ہے۔ قالج تحریف ہو کر خالج بنا۔ پھر بہ باعثِ کثرتِ استعمال

الف کو بھی مسترد کر دیا اور انہیں غلج کہتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام کتابوں سے پہلے مخزنِ افغانی (جلد ۲ ص ۱۴۹) لکھ چکا ہے کہ "کیونکہ شاہ حسین افغان نسل سے نہ تھا اس لئے لوگ اس کی اولاد کو ان کی ماں [متو] کے نام پر متی پالتے تھے۔"

نسابوں نے غلزئی کی جو وجہ تسمیہ لکھی ہے وہ تو آپ جانتے ہی ہونگے کہ چونکہ نکاح کے بغیر ماں کے بطن میں پڑ گیا تھا اس لئے غل زئی کہلاتا تھا۔

ہمارے نسابوں کی وجہ تسمیہ لکھنے کے مرض میں گرفتاری کا کچھ حال تو آپ کرلانڑ کی وجہ تسمیہ میں پڑھ لینگے۔ یہاں اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ پشتونوں میں "زئی" سے مرکب ناموں سے کسی کی اولاد کا مطلب لیا جاتا ہے مثلاً "بارک زئی" کا مطلب ہے بارک کی اولاد۔ اس کلیے کے مطابق غلزئی کا مطلب تو ہوگا چور کی اولاد۔ لیکن پشتو کے کسی قاعدے کی رو سے اس کا مطلب "چوری کی اولاد" نہیں ہو سکتا۔ الا ان لوگوں کے ہاں جو پشتو سے ناواقفیت کی وجہ سے لکھتے ہیں کہ "افغانی زبان میں "غلجو" کا مطلب ہے "چور"! (دیکھئے مخزنِ افغانی جلد ۲ ص ۵۲)۔

غلزئی خود کو بھی ہمیشہ غلجی کہتے ہیں اور دوسرے قبیلے کے لوگ بھی انہیں غلجی پکارتے ہیں۔

غلزئی کے متعلق یورپ کے لکھنے والوں کی غلطی اس امر پر مبنی ہے کہ انہوں نے غلجی اور خلجی کے آوازوں کی ادنیٰ مشابہت پر یہ ادھار کھا لیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ [نوری اور نورانی کی مثال آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔] وہ یہ نہیں جانتے کہ جس قوم کا ذکر موردِ بحث ہے وہ ہرگز اپنے آپ کو خلجی نہیں کہتی۔

(۱۰) ہندوستان کو فتح کرنے والوں اور افغانستان میں دو سو سال سے ایک پائیدار اور خود مختیار حکومت قائم کرنے والوں ابدالیوں یا درانیوں کی اہمیت کیروئیں گھٹاتا ہے: "جیسا کہ ـــــ ابدالیوں کی اصلیتیں دھندلی

ہیں اور وہ سترہویں صدی [عیسوی] میں شاہ عباس اعظم کے وقت تک تاریکی سے نہیں آنکلتے۔" [ص ۹۵]

اور اُدھر کو تو سٹرن کا متبنّیٰ بنا کر پشتونوں سے خارج ہی کر دیا ہے۔

(۱۱) پشتونوں کی اہانت کے علاوہ کیرو نے پشتونوں کے پیروں کو بدنام کرنے کے لئے جیا سوز افتراؤں سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً ص ۱۰۱ پر مُلا پاوندہ [پہوندہ] کی بابت خامہ فرسا ہے: "تاخیر اور تجویز کی مناسب مدت کے بعد ملا نے نخرے کے ساتھ پیغام بھیجا دیا کہ ایک موجبِ خوشایند ہوگا لیکن بدیں شرط کہ مجھے خفیہ ملا کرے۔"

کیرو کی تکذیب ہم اس کے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں کے لکھوں کے ذریعے کرینگے:-

صوبہ سرحد پر حکومت کے دوران میں انگریزوں نے اپنے اعتباری جاسوسوں کی اطلاعوں پر پشتونوں کے ہر علاقے کے پیروں، مُلاؤں اور عالموں کی انگریزوں کے متعلق رویے کی جو منظور شدہ اور مستند لیکن اس وقت خفیہ فہرست بنائی تھی اور جو آجکل دہلی کے آرکائیوز میں بہ نمبر "فارن ڈیپارٹمنٹ - سیکشن ایف - پروسیڈنگز فروری ۱۸۹۶ء ۶۸ - ۹ - ۷ نمبر ۷" محفوظ ہے - اس میں بنوں اور وزیرستان کے ۱۷ اکسان کے متعلق اطلاعات درج ہیں۔ ان ۱۷ میں سے ۵ کو انگریز کے مخالف لکھا ہے۔ ان پانچ میں سے ایک لفر جس کا شمارہ فہرست میں ۱۵ ہے ملا پاوندہ ہے جس کی بابت لکھا ہوا ہے: "(۱۵) ملا پاوندہ۔ اس وقت سب سے اہم محسود مُلا ہے۔ بہ شدت کے ساتھ انگریزوں کا مخالف ہے۔ بہت اثر رکھتا ہے۔"

اور کوہاٹ کے مُلاؤں کے ذکر (۶) میں شمارہ ۶ پر کربوغے کے ملا انور شاہ صاحبؒ کی بابت "بہت اثر رکھتا ہے .... انگریزوں سے بہت نفرت رکھتا ہے" کے بعد لکھا ہے: "ملا پاوندہ اِن کا مُرید ہے۔"

پہلی فہرست میں ملا پاوندہ کے علاوہ (۱۰) ملا گل سید اور (۱۴) مُلا معلوم

کی بابت لکھا ہے: "دونوں صوات کے مُلّا کے مُرید ہیں۔ لیکن ملا پاوندہ کے اثر کے نیچے ہیں۔ اول الذکر [ملا سید گل] پر یہ شک ہے کہ میرالنشاہ کے قریب انگریزوں پر حملہ اسی نے بھڑکایا تھا۔ موخرالذکر [ملا معلوم] محسود ہے۔ انگریزوں کے برخلاف ہے۔ واٹو پر حملہ بنانے میں کوشش کی تھی۔ اس کی بڑی غرض دولت سمیٹنا دکھائی دیتا ہے۔"

اور (۱۶) مُلا کاکی شیرخان کانی گورم والے ارمڑ۔ اور (۱۷) مُلا اللہ میر مکین اباخیل، دونوں کی بابت لکھا ہے: ہر اہم معاملے میں یقیناً ملا پاوندہ کی رفاقت کرینگے۔"

اور ضلع پشاور کے ۲۲ ملاؤں میں سے ۱۵ کو انگریزوں کے خلاف، ۳ حق میں، ۱ غیر جانبدار اور ۳ کا رویہ نامعلوم لکھا ہے۔ انگریزوں کے ۱۵ مخالفین میں "عبدالودود معروف بہاں گل معروف مُلا صوات" بھی لکھا ہے۔

اب ملا پاوندہ، اس کے پیر، اس کے زیر اثر لوگوں اور ان کے پیروں کے متعلق انگریزوں کی نہایت معتبر تحریرات تو یہ ہیں تو اب انہیں ماننا چاہئے یا سر اولف کے لکھے کو؟

(۱۲) کیرو نے پشتو زبان کے نرم اور سخت لہجوں کو دو زبانیں قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ دو زبانیں نہیں بلکہ لطور ماحول اور آب و ہوا کے اثر کے ایک ہی زبان کے دو مختلف لہجے ہیں۔ نوشہرے کے خٹک اب کچھ کچھ سخت لہجہ استعمال کرتے ہیں اور بنوں کے مذل خیل یوسفزئی سو فیصدی نرم لہجہ استعمال کرتے ہیں۔ کیرو شاید یہ نہیں جانتا کہ تقریباً ہر دس میل کے بعد لہجے میں کچھ نہ کچھ فرق آ جاتا ہے۔

(۱۳) کیرو کے مشاہدے کا یہ حال ہے کہ جٹاؤں (شمیے) کی بابت لکھتا ہے: "اور کبھی کبھی انہیں لکڑی کے چھوٹے کلپوں کے ذریعے کھلے رکھتے ہیں۔" یہ ایک بڑی غلطی ہے۔ لکڑی کی نیم ہرابی کنگھیوں کو چھٹے بنا دیا ہے اور انہیں خٹکوں کے بالوں میں اٹکا دیا ہے!

(۱۴) لکھتا ہے کہ "کلہاڑی یا ناندی کو پشتو زبان میں کلہاڑی کہتے

ہیں +" اُس کی پشتو دانی کا مزید اندازہ اس سے ہو جائیگا کہ ص ۲۳۰ پر خوشحال خان کے اشعار کے ترجمے میں جہاں خان بحر اور عروض کی بات کرتا ہے وہاں اُس نے 'میزان' کے معنی 'ہنر' اور 'بحر اور عروض' کے معنی 'چسکا' لکھا ہے!

(۱۴) پشتون قوم سے کیرو کی واقفیت کا ڈھونگ اس کی کتاب کے ص ۲۳۰ پر اس بیان سے کھل جاتا ہے: "پھر بھی' یہ لکھ چکنے کے بعد مجھے ایک پٹھان دوست ' سنانے کے سید عبدالجبار شاہ 'جو سید بھی ہے" کی ایک سنجیدہ بحث یاد آتی ہے +" گویا کیرو کی 'پٹھان' کی اصطلاح میں (جو وہ عموماً کرلانڑیوں کے لئے استعمال کرتا ہے) سید بھی شامل ہیں!

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سید جمال الدین افغانی کے نام میں افغانی کی 'ی' یائے نسبتی ہے یعنی وہ سید جمال الدین جو بوجہ سکونت افغانوں سے وابستہ ہے اور ان کے ساتھ نسبت رکھتا ہے۔ اگر وہ بلوچوں میں رہتا تو اپنا نام سید جمال الدین بلوچی لکھتا + اگر سید کبھی پشتون بن سکتا تو وہ اپنے نام کے ساتھ 'افغانی' کی جگہ 'افغان' لکھتا +

(۱۵) جملہ پشتونوں کے متحدہ مذہب یعنی اسلام سے عدمِ واقفیتِ محض کا یہ حال ہے کہ کیرو ص ۱۰۴ پر خارجیوں کی بابت لکھتا ہے: "بعد میں انہوں [خارجیوں] نے کئی بازاری نظریے اپنالئے۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امامت کے لئے واحد حقیقی صفت تقویٰ ہے+"

(۱۶) کیرو کی کتاب قیدِ زمانی سے آزاد ہے۔ وہ جا بجا یہ جتلانا چاہتا ہے کہ ہزاروں سالوں سے پشتونوں کے قبیلوں کے مسکن ' لباس ' زبان اور عادات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا +

"دی پٹھانز" کا لبِ لباب یہ ہے: (۱) پشتون اور افغان دو بالکل جداگانہ وحدتیں ہیں + (۲) پشتون انگریزی سامراج پر جان چھڑکتے ہے + (۳) پشتونوں کے شجرے سراسر غلط اور جھوٹے ہیں - اور ان کے بناتے وقت وہی مطلب

مدِ نظر تھا جو کیرو نے ان سے نکالا ہے۔ (۴) پشتونوں میں ہزاروں برسوں سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی۔ (۵) کشمیر کے ساتھ پشتونوں کی دلچسپی اسلئے ہے کہ وہ کسی زمانے میں وہاں حکومت کر چکے تھے۔ [حالانکہ وہ تو قصۂ پارینہ ہے اور آج تو پشتون کی اس ملک میں دلچسپی ۴۵ لاکھ کشمیریوں کو حقِ خود ارادیت دلانے کی غرض سے ہے نہ کہ وہاں دوبارہ حاکم بننے کی غرض سے۔]

اور (۶) پاکستان کے اور آزاد قبائلی علاقوں کے پشتونوں میں نمایاں معاشرتی، اقتصادی اور قانونی فرق پیدا ہو چکا ہے۔ اس معاشرت کو مٹانے اور دونوں علاقوں کے پشتونوں کو آپس میں مل سکنے کیلئے دونوں کا ایک سطح پر آنا ضروری ہے۔ [یعنی یا تو وہ زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کر کے ہماری سطح پر آجائیں یا ہم پچھلے سو سال میں حاصل کی ہوئی ترقیات کو چھوڑ کر ان کی سطح تک انحطاط کر جائیں۔ مثلاً قانون، کچہریوں، محکمہ جاسوسی وغیرہ کو کلیتہً تیاگ کر جرگہ اور رواج اپنا لیں]۔

(۱۷) ص ۱۴ پر قطعاً اپنی طرف سے لکھتا ہے: "مثلاً اگر آپ کسی یوسفزئی یا خلیل سے یہ پوچھیں کہ تم کون ہو؟ تو وہ ہمیشہ جواب دیگا کہ "میں افغان ہوں"۔ ان قبیلوں کا آدمی یہ نہ کہیگا کہ "میں پشتون ہوں"۔

حالانکہ کیرو سے پہلے اور انگریز مثلاً الفنسٹن (جلد ا ص ۲۰۰) اور گریرسن (لینگوسٹک سروے آف انڈیا جلد ۱۰، ایرانی خاندان، ص ۵) لکھتے ہیں کہ:

"یہ لوگ اپنی قوم کو پشتون (جمع پشتانہ) کہتے ہیں۔ افغان نہیں پکارتے۔"

بیلیو لکھتا ہے: "تاہم اور پشتو بولنے والے قبیلوں کی طرح یہ [افغان بخلاف پشتون] اپنے آپ کو پشتون کہتے ہیں۔"

(۱۸) کیرو (ص ۱۲) نے سر پر پٹے یا ٹنڈے رکھنے یا نہ رکھنے کو ایک موروثی رنگ دیا ہے اور اس بناء پر بھی پشتونوں کو دو گروہوں میں بانٹنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے: "بھلا یہ بات صحیح ہے کہ کودی کی اولاد شمالی ہے اور ... "پختو" بولتے ہیں۔ گکی کی اولاد جنوبی ہے اور ... "پشتو" بولتے ہیں۔ پہلے سر کے بال چھوٹے اور دوسرے لمبے یعنی ٹنڈے رکھتے ہیں۔ لیکن کوہاٹ

کے خٹک مستثناء ہیں جو اگرچہ کودی کی اولاد ہیں، لیکن نرم لہجہ [پشتو] رکھتے ہیں اور اکثر اب بھی بال کانوں سے نیچے رکھتے ہیں۔"
کیرو نے شاید یہ نہیں دیکھا کہ پشاور کے خٹکوں نے اب پٹے رکھنا ترک کر دیا ہے اور بنوں کے مثل جبل (یوسفزئی) اکثر پٹے رکھتے ہیں۔
پٹھوں کا رکھنا پرانے وقتوں میں تلوار کی ضرب سے بچنے کے لئے ضروری تھا۔ آج سے سو برس پہلے تک انگریز بھی پٹے رکھتے تھے۔
کیرو نے چھوٹی موٹی غلطیاں تو اور بھی کئی کی ہیں لیکن کوئی کب تک لکھتا رہے؟ ہم "تاریخ خٹک" لکھیں یا کیرو کا غلط نامہ؟
مختصر یہ کہ "دی پٹھانز" میں وحشی نظریوں کے علاوہ تاریخی اغلاط اور واقعاتی اسقاط کی بھی بہتات ہے۔ اسکی کسی کہانی میں تسلسل نہیں پایا جاتا۔ ایک بات ادھوری چھوڑ کر دوسری پر لپک جاتا ہے۔ زمانے کی قید سے بے نیاز، ماضی کے واقعات کو حال پر منطبق کئے چلا جاتا ہے۔
الغرض، کیرو میں ایک مورخ کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ جیسا کودا سِول افسر پہلے تھا ویسا ہی اب بھی ہے۔ اس کی کتاب تاریخ اور افسانے کا ایک ایسا مذموم مجموعہ ہے جس میں مصنف نے اپنی مطلب برآری کے لئے بہت سی جھوٹی اور فرضی باتیں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔

×××

شجرے

فرمانروایانِ ہند میں غلزئی (خلجی) سوری اور لودی (لودھی) پشتون ہو گزرے ہیں۔ گو مخزنِ افغانی کے مطابق وُہ بھی صرف ماں کی طرف سے پشتون تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں قدیم پشتون رواج انہیں پشتون مانتا ہے۔

اللہ بخش یوسفی "یوسفزئی" میں لکھتا ہے کہ "صاحبزادہ عبدالقیوم لودی تھا۔" صاحبزادہ صاحب کے جیتے جی اور ان کی موت سے لے کر یوسفی کے لکھنے تک تو یہ بات کسی کو معلوم نہ تھی۔ لیکن اگر وہ لودی ہو بھی تو "یوسفزئی" میں اس کے ذکر کا جواز کہاں سے نکلتا ہے؟

ہر بڑے آدمی کو یوسفزئی ثابت کرنے کی دھن میں یوسفی نے یہ بھی اڑائی ہے کہ "شہنشاہ سوری سور کا باشندہ تھا جو علاقہ یوسفزئی میں ایک جگہ کا نام ہے!" یہ بات تو عباس سروانی کو بھی معلوم نہ تھی!!

قطع نظر سوریوں وغیرہ کے حسب اور نسب کے، اُن کے وقتوں میں انکے قرابت داروں تو خاطر یوں وغیرہ میں سے بہت سے لوگ بہلول لودی کے زمانے میں ہندوستان جا کر مرفع الحال ہوئے تھے۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ اس انتقال کا ایک نتیجہ مخزنِ افغانی کی صورت میں رونما ہوا۔

پشتونوں کے مکتوبہ شجروں کو ہم تین حصوں میں بانٹ سکتے ہیں:-

(۱) کرلانڑ اور قیس سے پہلے کی پشتیں فرضی اور نامکمل ہیں (جیسا کہ آپ اس کتاب میں پہلے پڑھ چکے ہیں) اور ان سے بعد کی ایک دو پشتوں میں بھی گھپلا پایا جاتا ہے۔ (۲) جو شجرے کسی کتاب کے مصنف کے وقت کے نزدیک کے ہیں وہ مقابلتاً درست ہیں لیکن غلطیوں اور کمیوں سے مُبرا نہیں ہیں جس کی مثالیں آپ کو اس کتاب میں کرلانڑیوں کے باب میں ملینگی۔ (۳) انگریزوں کے وقت بندوبست میں بنائے گئے شجروں میں بھی غلطیاں اور خامیاں ہیں کیونکہ ایک تو وہ عموماً تو پشت تک زبانی یادداشت سے بنائے

گئے ہیں اور دوسرے ان میں صرف ان شاخوں کا ذکر ہے جن کی اولاد اُس وقت صاحب زمین تھی +

چونکہ پشتونوں کے کئی قبیلے (مثلاً افریدی) انگریزی حکومت کے تلے نہیں آئے اس لئے ان کے شجرے بہت نامکمل رہ گئے ہیں + اور نہ ہی انگریزوں نے قبیلوں کے آپس میں تعلق کا ذکر کیا ہے +

چونکہ کرلانڑ اور قیس کے وقت سے بعد کی بعض پشتیں بھی زمانے کے حساب کی رو سے نامکمل ہیں (جیسا کہ قیس سے هیبت خان کاکڑ تک کی پشتوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور کرلانڑ کے شجروں کا ذکر اس کے بعد آئیگا) اس لئے ان شجروں کا لفظی مطلب لینے سے ہم بڑی گمراہی میں پڑ جائینگے +

مثلاً یہ کہنا بہت بڑی غلطی ہوگی کہ کرلان واقعی ایک شخص کا نام تھا جس سے آج تک بہ مرور ۲۷ پشت یہ موجودہ بیشمار کرلانڑی قبیلے کے لوگ پیدا ہوئے کیونکہ تقریباً (۲۷×۳۰=) ۸۱۰ سال میں ایک فرد کی اس قدر اولاد کا ہونا مشاہدے اور تاریخی کوائف کی رُو سے ناممکن ہے + سیدوں کی مثال ہمارے سامنے ہے +

اس لئے ہمیں لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ کرلانڑ ایک بڑے قبیلے کا نام تھا + اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کرلان کے دو بیٹے تھے: کودے اور کگے۔ تو اس کا مطلب یہ لینا پڑیگا کہ کرلانڑی قبیلے کی دو بڑی شاخوں میں سے ایک کا نام کودے تھا اور دوسری کا کگے + ورنہ معاملہ چوپٹ ہو جاتا ہے +

کرلانڑ کا باب پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہر دو کے شجروں کی رُو سے دونوں کا زمانہ بالکل ہی ایک ہے اسلئے قیس کی اولاد کے بارے میں بھی یہ کہے بنا چارہ نہیں بنتا۔ کہ کرلانڑیوں کے زمانے میں پشتونوں کے تین اور بڑے قبیلے بھی موجود تھے جن کے نام ہیں: سڑبنی، غرغشتی اور بیٹنی +

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ موجودہ نامکمل شجروں کی رُو سے کرلان کا زمانہ آج سے ۸۱۰ سال پہلے یعنی (۱۳۸۴ – ۸۱۰ =) ۵۷۴ھ/۱۱۷۸ء کے حدود میں

بنتا ہے۔ اور لامحالہ قیس کا بھی یہی زمانہ بنتا ہے۔ لیکن جہاں تک کرلان کا تعلق ہے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ محمود غزنویؒ کے زمانے سے بھی پہلے کرلانڑی قبیلے کی دِلازاک نامی شاخ پشاور، چھچھ ہزارہ وغیرہ میں آباد تھی۔

اب ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دلازاک کرلانڑی قبیلے کی سب سے بڑی شاخ تھی جس کے نام پر کسی زمانے میں سب کرلانڑی دلازاک پکارے جاتے تھے (جیسا کہ سب قیسی سڑبنی کہلاتے تھے) لیکن یہ کہنا ایک بڑی تاریخی غلطی ہوگی کہ دلازاک کرلانڑ کا سب سے بڑا بیٹا (یا پوتا) اور کرلانڑی قبیلے کا سردار تھا۔

اس ضمن میں ہمارے پاس خٹکوں کے شجرے میں حسبِ ذیل ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہے:- مروجہ شجروں میں ہمندی کو بٹی کا بھائی لکھا ہے حالانکہ وہ تصرتی اور تیری کا بھائی ہے۔ جیسا کہ آپ اِس کتاب میں آگے پڑھ لینگے۔

ہمندی خونٹرہ پائین سے جا کر خوڑہ میں جا بسے اور نفع نقصان میں بٹی خیلوں کے شریک ہو گئے تھے۔ اِس لئے نسابوں نے (بہ شمولِ مصنفِ تاریخ مرصع) ہمندی کو غلطی سے بٹی کا بھائی لکھا۔ حالانکہ ہمندی ایک قبیلے کا نام ہے نہ کہ ایک فرد کا۔ اس نکتے کی توضیح ہم کودے اور یکے کے بیان میں بھی کر آئے ہیں۔

بندوبست کے نویں پشت سے آگے شجرہ چلانا آج بھی اور اسوقت بھی مشکل تھا۔ مثلاً آپ آگے جا کر دیکھ لینگے کہ تصرتی اور خرم شاخوں کی اس سے پہلے کی چند پشتوں کا پتہ نہیں چلتا۔

موجودہ کتابوں میں خٹکوں کے شجرے کی اکثر غلطیاں ان ہم نے اسنادِ جات حقیقت کی مدد سے درست کردی ہیں۔ مخزنِ افغانی وغیرہ میں چھاپ شدہ اور بندوبست کے شجروں میں تسلسل پیدا کرنے کیلئے ہم نے سابق الذکر کے آخر میں موخر الذکر کی چند ابتدائی پشتیں بڑھا دی ہیں۔

خٹکوں کے شجروں میں ہم نے لقمان ۲۴ سے آگے ہر پشت کو سلسلہ وار شمارہ دیا ہے مثلاً لقمان کے بیٹوں کو ۲۵ اور اس کے پوتوں کو ۲۶۔
ہر شجرے میں جہاں کسی بڑے قبیلے کے مورث اعلیٰ کا نام آ جاتا ہے اسے مربع خطوط میں یوں ممیز کر دیا ہے: نصرتی ۔ پھر قبیلوں کے منفردانہ ذکر میں اس سے شروع کر کے پہلے اس قبیلے کی چند پشتیں اور پھر اس قبیلے کے تاریخی حالات وغیرہ لکھے ہیں۔

حیات افغانی کے شماروں کے مطابق تری (ولد نورمان ولد خٹک) کا شمارہ ۶ ہے اور اس کا شجرہ ۱۶ سے آگے نہیں گیا۔ لیکن چونکہ خٹکوں کے بعض اور شجروں کی آخری پشت کا شمارہ ۲۵ ہے اور اس کے ساتھ "موجود ہے" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ تری کی اولاد کا شجرہ مصنف حیات افغانی کے وقت سے (۲۵-۱۶=) ۹ پشت یعنی (۹ × ۳۰ =) ۲۷۰ سال پہلے ختم ہو گیا ہے۔ اور یہ اصلیت نہیں ہے۔ بیچ میں ضرور کچھ پشتیں لکھنے سے رہ گئی ہیں۔

اسی حساب سے حیات افغانی میں تترکی (ولد نورمان ولد خٹک) اور بولاق (ولد خٹک) کے شجرے ۱۰ سے آگے نہیں بڑھتے مصنف حیات افغانی کے وقت سے (۲۵-۱۰=) ۱۵ پشت یا (۱۵×۳۰=) ۴۵۰ سال پہلے ختم ہو جانے چاہئے تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ تترکی کی اولاد کے شجرے کی بابت ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حیات خان کے وقت سے ۶ پشت یعنی تقریباً (۶×۳۰=) ۱۸۰ سال پہلے ختم ہوا ہے۔ اس دلیل پر کہ اس شجرے میں ننزور (ننذر) کا ذکر آیا ہے۔ ننذر پوتا ہے شاہی کا اور شاہی پوتا ہے نصرت خان ۱۵ کا (ملاحظہ ہو نصرتیوں کا شجرہ)۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ شجرہ ننذر ۱۹ پر ختم ہوا ہے۔ حیات افغانی نے جو شجرہ دیا ہے وہ غلط اور نامکمل ہے جس کی تصدیق اس شجرے کا ہمارے دئے ہوئے شجرے کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ہو سکتی ہے۔ اور جس کا کچھ حال آئندہ صفحوں میں بھی پڑھ لینگے۔

اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حیات افغانی میں تو ترکی کا شجرہ ۱۰ پر یعنی اس کتاب کی تصنیف کے وقت سے (۲۵-۱۰=) ۱۵ پشت یا تقریباً (۱۵×۳۰=) ۴۵۰ سال پہلے ختم دکھا دیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت (منڈر کے صحیح شجرے کی رو سے جو ہم نے لغرلی کے شجرے میں دیا ہے) منڈر ۱۹ کے وقت یعنی حیاتِ افغانی کے وقت سے (۲۵-۱۹=) ۶ پشت یا ۱۸۰ سال پہلے ختم ہوا ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حقیقت اور حیات افغانی کے شجروں میں (۴۵۰-۱۸۰=) ۲۷۰ سال کا یعنی (۲۷۰÷۳۰=) ۹ پشت کا فرق ہے۔ بہ الفاظِ دیگر حیاتِ افغانی میں دیا ہوا شجرہ نو پشت کی حد تک غلط ہے۔

حیاتِ افغانی کے شجرے کے غلط ہونے میں اسلئے شک نہیں ہے کہ منڈر کو گندا کا بیٹا لکھا ہے۔ حالانکہ بروئے مثلِ حقیت موضع شمی لغرلی منڈر گندا کا پڑپوتا تھا۔

مثل حقیت کا شجرہ اسلئے درست اور حیاتِ افغانی کا غلط ہے کہ (۱) مثلِ حقیت کا شجرہ گندا کی اولاد کے منہ سے اور گندہ کی وفات سے ساتویں پشت کے اندر لکھا گیا ہے۔ اور حیات افغانی میں یہ شجرہ بنوں (پنجاب) میں کسی ناواقف اور جاہل گنوار کے منہ سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ (۲) بوگر خیل [بوگار] کو گندا کا بیٹا لکھا ہے جو قطعاً غلط ہے جیسا کہ آپ آگے بوگار کے باب میں پڑھ لینگے۔ (۳) گندا کے بیٹے جلال خان کا نام جلی خیل لکھا ہے۔ حالانکہ جلی خیل جلی کی اولاد ہیں اور جلی جلال خان کا اسم مخفف ہے۔ (۴) جلال خان کے دوسرے بھائی شاہی کا ذکر تک حیات افغانی نے نہیں کیا۔ (۵) گندا کے پڑپوتے لبشر کو گندا کا بیٹا لکھا ہے۔ (۶) لبشر کے بھائی گوہر کا ذکر نہیں کیا۔ (۷) اسمٰعیل (ولد جلال خان کا ذکر نہیں کیا۔ اور (۸) بنگی ولد جلال خان کا ذکر نہیں کیا۔ ہمارے دئے ہوئے اور حیاتِ افغانی کے دئے ہوئے شجروں کے مقابلے کے لئے حیات افغانی ص ۳۱۸ پر دیا ہوا شجرہ پیش ہے:-

گندا خیل

بوگر خیل جلی خیل لبشر خیل منڈر خیل دُرخان خیل

ہم نے بہ غرضِ اختصار مندرجہ بالا شجرے میں دُرخان خیل اور اس کی اولاد کے متعلق حیاتِ افغانی کی غلطیوں کو نہیں چھیڑا۔ صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ جب حیاتِ افغانی گندا اور مندڑ کے بیچ کی دو پشتیں (۱) شاہی اور (۲) لوجائی ہضم کر گیا ہے تو ایسی اور کتنی درمیانی پشتیں بھی کھا گیا ہوگا۔ جس کی تصدیق لفرلی کا اور لوگہ (مالیہ) کے ابواب پڑھنے سے ہو سکتی ہے۔ تاریخ خورشید جہان نے مندرجہ بالا امثال میں حیاتِ افغانی سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں۔

ان مثالوں کی وضاحت کے لئے ہم نے لضربیوں کا شجرہ مقابلتاً بسط سے دیا ہے۔

حیاتِ افغانی کے شجروں کا بڑا نقص یہ ہے کہ عموماً ہر نام کے ساتھ "خیل" یا "زئی" یا "کور" کے الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔

نعمت اللہ اور حافظ رحمت خان نے تو ہندوستان میں، شیر محمد خان نے کلاچی اور محمد حیات خان نے بنوں میں بیٹھے بیٹھے پشتونوں کے شجرے لکھ ڈالے اور ہر قبیلے میں جاکر ان کا شجرہ لکھنے کی بجائے اکا دکا مسافروں سے ہی پوچھتے رہ گئے اور یوں کرتے ہوئے ان غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی چند مثالیں آپ اوپر پڑھ چکے ہیں اور کچھ اور آئندہ صفحات میں پڑھ لیں گے۔

ایسے غلط اور نامکمل شجروں کی دُرستی کرنے کی بجائے انگریزوں نے شمالمغربی صوبہ سرحد کے گزیٹیروں اور اپنی دیگر تصنیفات میں دھڑلے سے لکھ دیا کہ پشتونوں کے شجرے افسانوی ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ان شجروں کے لکھنے والے کون تھے اور انہوں نے یہ کیسے لکھے۔ نہ یہ دیکھا کہ زبانی یادداشت کی بناء پر اتنے زمانے کی پشتیں گنتے وقت ایک آدمی سے کتنی فروگذاشتیں ہو سکتی ہیں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو عموماً اپنے پردادے کا نام بھی یاد نہیں ہوتا۔ خود انگریز آج تک تو اپنا شجرہ بھی نہ لکھ سکے اور خود کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کی حسرت میں رہ گئے۔ (جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں)۔ اور انجیل مقدس میں بھی پشتوں کی غلطی کی

ایک مثال آپ سلیمانؑ کے بیٹوں کے متعلق آگے پڑھ چکے ہیں +

حاصل کلام یہ کہ یہ شجرے افسانوی نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ بہت بعد میں زبانی یادداشت سے لکھے گئے ہیں اس لئے بڑے اور مشہور ناموں کے علاوہ بعض نام ذہنوں سے اتر گئے ہونگے۔ اور چونکہ نہ تو ان کے لکھتے وقت متعدد لوگوں سے مدد لی گئی نہ بعد میں انہیں درست یا مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے اِن میں غلطیاں بھی رہ گئی ہیں اور خامیاں بھی۔ اور اب یہ ہمارا کام ہے کہ تحقیق اور تدقیق کے ذریعے جہاں تک ہو سکے انہیں درست اور مکمل بنائیں جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب میں بعض شجروں مثلاً لفرتی اور ہندی وغیرہ کے شجروں میں کیا ہے +

شجروں کے لکھنے میں سب سے زیادہ ظلم غالباً اللہ بخش یوسفی نے کیا ہے جو "تاریخ افریدی" میں ص ۱۱۸ پر لکھتا ہے: "ذیل میں ہم شجرے کی ترتیب کی کوشش کا آخری نقشہ پیش کرتے ہیں جو ہمارے خیال میں باقی تمام رائج الوقت شجروں سے زیادہ مکمل خیال کیا جا سکتا ہے +"

یوسفی صاحب کو شجروں کا لکھنا محض ایک شخصی کوشش دکھائی دیتی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں + اور وہ شجروں کے مکمل پن کا اندازہ محض اپنے خیال اور قیاس سے لگاتا ہے اور تاریخی واقعات اور نسابوں کی تحریرات کو ہیچ سمجھتا ہے +

"تاریخ نویسی" اور شجرہ نویسی سے محض نابلد" ایک غیر پشتون صحافی سے اس کے علاوہ ہم رکھ ہی کونسی توقع سکتے ہیں ؟

مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ یوسفی صاحب کے بنائے ہوئے شجرے (جو محض اس کے اپنے خیال اور قیاس پر مبنی ہیں) نہایت ہی غلط ہیں۔ جس کا ایک بڑا ثبوت ہر شجرے میں قبیح تکرار کا ہے + مثلاً شیرانی کے شجرے میں (جو "تاریخ افریدی" کے ص ۱۲۴ پر دیا گیا ہے) شیرانی نام کی تکرار کو دیکھئے کہ بیٹا، باپ اور دادا تینوں ایک ہی نام رکھتے ہیں وہ شجرہ یہ ہے:-

شیرانی

شیرانی، بختیار، اشترانی

شیرانی ہری پال بحلوانی بابڑ

یوسفی نے اپنے خیال، قیاس اور کوشش کی بناء پر قیس کی اولاد کا جو شجرہ بنایا ہے وہ سراسر غلط اور اتنا بیہودہ اور بے ترتیب ہے کہ ہم اس پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے - لیکن جہاں تک کرلانڑیوں کے شجرے کا تعلق ہے اس کا حال یوسفی صاحب کے مندرجہ ذیل اور ہماری کتاب میں کرلانڑیوں کے دئے ہوئے شجرے کے مقابلے کے بعد معلوم ہو جائیگا:-

قیس عبدالرشید

بیتان غرغشت سڑابن

شیرانی کاکڑ کرلانڑی بنگش

کاکئے کودئے

وزیری شیتک خوگیانی بربان منگل وردک حنی دلازاک اورکزی

خٹک جدران اتمان خیل افریدی

بولاقی طاری ترکئے

خٹکوں کے متعلق یوسفی کی معلومات کا ایک نمونہ سماعت فرمائیے:-

بولاق خٹک قوم کا ایک بڑا قبیلہ ہے جو کوہاٹ کے علاوہ تحصیل نوشہرہ میں ایک وسیع علاقے پر بھی قابض ہے جو ان کے نام پر بولاق نامہ کہلاتا ہے جس کے بعض گاؤں اباسند کے دائیں اور بعض بائیں کنارے واقع ہیں۔ جن کی نصف میدانی ہیں اور جن میں خٹکوں کے علاوہ چند یوسفزئی اور اوان بھی بستے ہیں +

مندرجہ بالا شجرے میں بولاق کا نام غلط (بولاقی) لکھنے کے علاوہ بولاق نامے کے ذکر میں یوسفی اپنی کتاب "یوسفزئی" کے ص ۱۲۰ حاشیہ علا میں (غالباً اس علاقے کے گزیٹیر یا گزیٹیر آف پشاور یا تاریخ پشاور وغیرہ کے پڑھنے کے بعد) خٹکوں کی سیاست کی اپنی قسم کھائی ہوئی پالیسی کی رو میں

یہ زہریلی اور گمراہ کن یادداشت لکھی گیا ہے؟ نہیں کہا جا سکتا کہ بولاق کن معنوں میں استعمال ہوا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ "بلادے" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اور اگر بولاق کو پشتو زبان میں ناک کے زیور کے معنی میں لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ طاقتور پارٹی نے کمزور پارٹی کو طنزاً کہا ہو کہ خٹک ان کی ناک کا زیور ہیں۔ اور بعد میں چل کر اس لفظ کا استعمال شروع ہو گیا ہو۔

یہ تو حالت رہی اس یوسفی کی جس کی عمر پشتونوں میں، پشاور میں بولاق نامے سے چند میلوں پر بیتی۔ اور جس نے پشتون جرگ [illegible] کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن اب دو کتابیں لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے جس قیاسی اور خیالی اجتہاد کے ساتھ یوسفزیوں اور افریدیوں کی تاریخ لکھی ہے اور ان میں جو جو گل افشانیاں کی ہیں ان کا کچھ اندازہ قارئین کو لگ گیا ہوگا۔ لیکن اُن کی تحقیق اور درستی افریدیوں یا یوسفزیوں کا کام ہے۔ ہمارے لئے تو یہی غلطیاں کافی ہیں جو ہم اس کتاب میں کر بیٹھے۔

تختگش

تاریخ سے ثابت ہے کہ ایران کی ہخامنشی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے پشتونخوا پر حکومت کی۔ اس حکومت کے دوسرے بادشاہ دارا نے پشتونخوا کے علاوہ پنجاب پر بھی حکومت کی تھی۔

دارا نے پتھر کی ہموار کی ہوئی تختیوں پر کتبے لکھے ہیں جن میں اپنی حکومت کے علاقوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں سے ایک کا نام تختگش ہے جو پرانی فارسی کا لفظ ہے۔

اکثریت کی رائے یہ ہے کہ تختگش کے رہنے والے یہی آج کے خٹک تھے۔ یہ علاقہ ہخامنشی سلطنت (۵۵۰-۳۳۱ ق م) کے مشرقی حصے میں تھا کیونکہ اس کا ذکر اراچوسیہ (قندہار) اور گندہارا (پشاور وادی) کے ساتھ آیا ہے۔ گریشمن (ایران، ص ۱۴۳ میں) لکھتا ہے کہ اس علاقے کا محلِ وقوع دریائے سندھ کے مغرب کو اور گندہارا کے جنوب کو ہے۔ یعنی کم و بیش کوہاٹ، بنوں، قطبی ڈیرہ جات اور وزیرستان کے موجودہ علاقے میں۔ اس علاقے کے بڑے بڑے حصوں میں خٹک اب بھی آباد ہیں۔ خٹکوں کی روایت بھی ان کا ایک زمانے میں وادئ ٹوچی کے ایک حصہ پر آباد ہونا بیان کرتی ہے۔

بعض خٹک، شیتک (بنوچی اور ڈوڑ) کے ساتھ اکٹھے رہتے چلے آئے ہیں۔ روایت ان دونوں کی اصلی جائے سکونت شوال بتلاتی ہے جہاں سے ان ہر دو نے کوچ کیا ہے۔ خٹکوں کا کچھ عرصہ تک بنوں کے اکناف میں رہ چرائی اور قبضے کا حال آپ اس کتاب میں 'خٹک اور بنوں' کے باب میں پڑھ لینگے۔

۱۵۰۵ء میں بابر بادشاہ نے بنوں کے علاقے میں خٹکوں اور شیتکوں کو کرانی (کرڑانی، کرلانڑی) کے مجموعی نام سے یاد کیا ہے۔ حالانکہ اس علاقے کے دیگر کرلانڑی قبائل مثلاً وزیروں اور بنگشوں کو ان کے اپنے اپنے ناموں سے یاد کیا ہے۔

آپ اس کتاب میں 'لقمان المعروف خٹک' کے باب میں لقمان کے متعلق "یہ خٹوکشے لاڑ" (کیچڑ میں دھنس گیا) کے الفاظ پڑھینگے۔ کیرو نے (جیسی کہ اس کی عادت ہے کہ ناموں کی ادنیٰ مشابہت کو تاریخی ثبوت ٹھہراتا ہے جیسا کہ 'یوسفزی' اور 'اسپاسی' کی مثال آپ پہلے مطالعہ فرما چکے ہیں) "یہ خٹوکشے لاڑ" اور 'ختکش' کی مطابقت میں لکھا ہے (ص ۱۰م حاشیہ (۱۸)):

"یہ قومی نام 'خٹک'، 'خٹہ کشے' سے نکلا ہے۔ دیکھا جائیگا کہ ان لفظوں میں دوسرا [یعنی] 'کشے' ہخامنشی کے 'ختکش' کا 'ش' محفوظ رکھتا ہے۔ اگر 'خو' کی 'خ' میں لسانی تبدیلی ممکن ہو تو یہ الفاظ ایک ہیں۔" کیرو نے یہاں بھی پلٹی کھائی ہے۔ گویا خٹک کا مصدر "ختکشے" ہے!

" لقمان یہ خٹہ کشے لاڑ" پر مفصل بحث آگے پڑھ لیجئے۔



ستناگیدی

اس نام کا تلفظ ستناگوداژ بھی کرتے ہیں۔ یونانی مورخ ہیرودوت (ہیروڈوٹس، حدود ۴۸۶ - ۴۲۶ ق م) اپنی کتاب ۳ : ۹۱ میں تھتگش کی جگہ ستناگوداژ کا لفظ استعمال کرتا ہے اور ہخامنشی بادشاہ دارا کے صوبوں کے بیان میں لکھتا ہے: "ستناگوداژ [خٹک] گندار یواژ [گندھاری دادیکاژ] اور اپروتاژ [اپریدی، افریدی] سب اکٹھے مل کر ۱۷۰ ٹیلینٹ ادا کرتے تھے۔ یہ ساتواں صوبہ تھا۔"

"ستناگوداژ" پرانی فارسی زبان کے لفظ "تھتگش" کی یونانی صورت ہے۔ یہ لفظ دو کلموں سے مرکب ہے: ستنا = ۱۰۰ اور گوداژ = غویالوں (بیلوں) کا مالک۔ پس اس کے معنی ہوئے: "سو بیلوں کا مالک" یعنی بہت مالدار۔ کیونکہ اس زمانے میں لوگوں کی دولت مال مویشی میں گنی جاتی تھی۔ اس لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ خٹک اس زمانے میں بھی بہت ہی مالدار اور طاقتور قوم تھی۔ اور آج بھی خٹک جس علاقے پر قابض ہیں وہ (دیگر علاقوں میں نہریں کھودی جانے سے پہلے) تھوڑی مشقت سے غلہ پیدا کرنے اور مال چرائی کے لئے بہترین علاقے تھے۔ اور مکھڈ سے لیکر شمولی خٹک تک اور عباسی سے لے کر باڑی زئی تک ان کے موجودہ لمبے اور چوڑے علاقے اور ان کی موجودہ تعداد سے ان کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ [اکوڑہ کے پاس ٹیوب ویلوں کی کھدائی شروع ہے۔ اور خٹکوں کے دیگر علاقوں میں بھی اگر آب رسانی کا بندوبست ہو جائے تو علاقہ تو پھر خٹک کے پاس ہے یہ قوم پھر عظمت حاصل کریگی۔ سندھ سے نہر لاکر علاقہ بارک خٹک، تھل اور شمالی مروت کو سیراب کیا جا سکتا ہے۔ علاقہ تھل میں ٹیوب ویل لگانے کی بھی قوی امید ہے۔ نہ جانے ابھی اس طرف توجہ کیوں نہیں دی گئی۔]

ہیرودوت نے تھتگش کی بجائے ستناگوداژ لکھا ہے۔ اور اسی طرح ہخامنشی

صوبے درنگیانا کا نام بدل کر سترنگائی لکھ دیا ہے۔ اگر "د" "س" میں بدل سکتا
ہے "تو" "تھ" بھی یقیناً "س" [ستاگیدی] میں بدل سکتا ہے۔

ہیرودوت نے لکھا ہے کہ اس وقت پشتونوں کے مذکورہ بالا چار صوبوں
کے بادشاہ کا نام آرتیمنت تھا۔ دادیکان ختکوں کے جنوب میں رہتے تھے۔
ختکوں کا ملک ایک طرف سے گنداریوں کے ملک سے ملحق تھا۔

ستاگیدیوں کا ذکر بطلیموس نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے اور عیلام اور
بابل کے مورخوں نے بھی۔ اور انہیں ستاگوشی اور "ست گوسو" کے ناموں سے
یاد کیا ہے۔

ستاگیدی اراکوزی کے لوگوں سے بھی ملتے تھے۔ اور فرانسیسی محقق اینڈریو
بارتلو کہتا ہے کہ ستاگیدی پاروپانیز اور ہیرمند کے شمالی حصہ اور اس جگہ میں
رہتے تھے جسے اب غزنی کہتے ہیں۔

راولنسن کہتا ہے کہ ایک ایسی اونچی جگہ پر بستے تھے جس کی چوڑائی ایک
طرف کو ہرات سے کابل تک اور دوسری سمت کو سرپل سے ہیرمند کے کناروں
تک تھی۔ یعنی کہ آریانا کے مرکزی پہاڑی علاقوں اور کوہستانوں میں ان
کی بود و باش تھی۔

یہ لوگ کھال کے کپڑے پہنتے تھے اور اپنے جسموں کا بالائی حصہ اور اپنے
ران اکثر ننگے چھوڑتے تھے۔ سیدھی کوتاہ تلواریں اور تیر کمان پھراتے تھے۔
تلواریں میانوں میں رکھتے تھے اور میانوں کا تسمہ کندھے میں ڈالتے تھے۔

بیلیو (دی ریسز آف افغانستان ص ص ۸۵ اور ۹۰) کہتا ہے کہ یہ "ستا
گودائی" خٹک ہیں۔ خٹکوں کی زبان اوستا سے ملتی جلتی ہے۔ اور "پشتو"
میں "خٹک" کا تلفظ "ننشک" ہو سکتا ہے۔ اور بیلیو دکھائی دیتا ہے کہ پہلے
"خٹک" کا تلفظ "تشک" ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ اوستا میں "ٹ" کا حرف نہیں
ہے اس لئے وہ اس لفظ کا تلفظ "ختک" کرتے تھے۔

راورٹی نے بیلیو کے استدلال پر اعتراض کیا ہے۔

کیرو (ص ۳۸) دونوں سے دوسری طرف بہک گیا ہے۔ نرم لہجے یعنی

پشتو میں ښ کا ش میں بدلنا مانتے ہوئے وہ ص ص ۳۸-۳۹ پر لکھتا ہے
"خٹک ہرگز اپنے آپ کو ښٹک نہیں کہتے۔" اس کے بعد لکھتا ہے (ص ۳۹):
"راورٹی اور بیلیو مجبول گئے تھے - یا بالکل نہیں جانتے تھے .... ښٹک
کی بابت۔"

یہ تگڈم بازی ہمیں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتی۔ اگر ښ پشتو
میں پہلے سے رائج ہو تو ښٹک کا تلفظ ښٹک بھی ہو سکتا ہے اور
خٹک بھی۔ اور خٹکوں کا خٹک تلفظ قبول کرنا ممکن ہے - لیکن اگر ښ
کو پشتو زبان میں خان نے متعارف کیا ہو تو متذکرہ بالا تینوں انگریزوں
کی لفاظی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

خٹکوں کی قدیمی زبان کا پتہ لگانے کے لئے ان کے ملک کے سب
پہاڑوں، نالوں اور شہروں وغیرہ کی وجہ تسمیہ معلوم کرنی پڑیگی۔
جس کے لئے خٹکوں کی نقل اور حرکت کی مکمل تاریخ اور ان کے مساکن
کے جغرافیے کا علم ضروری ہے۔



کرلان

ہندی کے اثر کے نیچے پشتونوں کی یہ قومی خصوصیت بن گئی ہے کہ بعض الفاظ میں "ن" کی جگہ ناک میں "ڑ" کی آواز نکالتے ہیں۔ مثلاً ځدران کی جگہ ځدرانڑ اور لوحانی کی جگہ لوحانڑی بولتے ہیں + اسی لئے کرلان کی جگہ کرلانڑ بولتے ہیں +

کرلان کو لوگوں نے اور کئی طرح بھی لکھا ہے + مثلاً بابر وغیرہ نے کران، بعض فارسی بانوں مثلاً نعمت اللہ نے کرران لکھا ہے جسے ہم فارسی میں "ڑ" کا حرف نہ ہونے کی وجہ سے کرڑان بھی پڑھ سکتے ہیں + حیات افغانی نے یہ نام کرڑان لکھا ہے جو کہ غلط ہے + گزیٹیر براڈلنشل سیریز ص ۹۷ کا "کلانے" یا "کنران" لکھنا گزیٹیر کے متعدد مولفین کی کم علمی پر دال ہے + ابلفنسٹن (جلد ا ص ۲۱۰) نے "کرلے" مابنسن نے تاریخ افغانستان میں "کرلہ" اور کبرو (ص ۲۰) نے "کرلانڑ یا کرلانڑی" لکھا ہے۔ کبرو آدمی اور قبیلے کے ناموں میں فرق نہ کر سکا! مجمع الانساب مصنفہ میاں محمد نور میں یہ شگوفہ کھلایا گیا ہے "کہ کرلانڑ کا اصلی نام "ورختیمہ" تھا۔ اور اسے ایک بوڑھے مسلمان نے (جس کا نام وَدہردی تھا اور رسول اللہ کے زمانے میں گزرا تھا) تربیت دی تھی+"

کرلان کی وجہ تسمیہ کی بابت بھی یاروں نے خوب گپیں ہانکی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:-

(۱) مخزنِ افغانی (حاشیہ ص ص ۱۲۹ - ۱۳۰) میں لکھا ہے: "کہتے ہیں کہ اوڑ قبیلے کے دو آدمی باہر کھیتوں کو گئے تھے + وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں رات ایک قافلے نے پڑاؤ اور صبح کو وہاں سے کوچ کیا تھا + ایک کو وہاں سے ایک تبر اور دوسرے کو ایک رات کا نوزائیدہ بچہ ملا + تبر کا پانے والا بے اولاد تھا اور وہ دوسرا نادار تھا + کیونکہ دونوں ایک ہی قبیلے کے اور رشتہ دار تھے ایک نے دوسرے سے کہا: یہ تبر مجھ سے لے لو

اس سے تیرا کچھ دن گذارہ چل جائیگا اور یہ بالک مجھے دے دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ کیونکہ لیے کی تبر کو پشتو میں کرری کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس شخص نے اس لڑکے کا نام کیرانی (یا کبرانی) رکھا۔ اور اسے اپنا بیٹا بنایا۔ اور اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی جس سے اس کی اولاد بڑھ گئی۔"

خلاصۃ الانساب میں لکھا ہے کہ آہنی کلہاڑی کو پشتو میں کرّھی کہتے ہیں۔ لیکن بہ مرورِ زمان یہ لفظ 'کبرانی' یا 'کبردانی' میں بدل گیا جس سے 'کیرانی' یا 'کبردانی' نام نکلا ہے۔

راورٹی (لوکس) پشتو زبان کے قواعد سے عدم واقفیت کی وجہ سے لفظ کرلانڑی کی بجائے لنبنی کو نہ سمجھ پایا اور لکھ گیا کہ "اس لڑکے کو کرلانڑی کہتے تھے۔" یہ غلطی کیرو نے بھی کی ہے اور (ص ۲۱ پر) کرلانڑ کی اولاد کے شجرے میں کرلانڑ کی بجائے کرلانڑی لکھ گیا ہے۔

چونکہ پشتو کے کسی لہجہ میں بھی دستے کی کلہاڑی کو کرلان کے کسی نام کی طرح نہیں پکارتے اس لیے بعض لوگوں نے تبر کی بجائے کڑاہی کے نیچے اس غلطی کا پایا جانا لکھدیا۔ چنانچہ تاریخ مرصع میں لکھا ہے:

"خان علیشن مکان سے نقل کرتا ہے کہ اس نے بیاض میں اپنے دستخط سے لکھا تھا..... پشتون دیگ کو کڑی کہتے ہیں۔ وہ بہ سبب اس کڑی کے مسلی بہ کرلانڑی ہوا۔"

حیات افغانی اور اس کی نقل میں حیاتِ لودی میں لکھا ہے کہ "کڑاہی کو پشتو میں کربڑی کہتے ہیں۔" دونوں نے غلط لکھا ہے۔ البتہ بنوں کے لہجے میں گڑ کا رس پکانے کے بڑے آہنی برتن کو کربڑاہی کہتے ہیں۔ محمد حیات خان چار سال تک بنوں میں رہنے کے باوجود کربڑی لکھ گیا۔ کیرو پشتو نہ جاننے کی وجہ سے 'تبر' اور 'برتن' میں سٹپٹا گیا اور لکھتا ہے کہ "لوہے کے تبر یا برتن کیلئے پشتو میں کڑاہی کی طرح کا کچھ لفظ ہے۔"

(ملاحظہ ہو ص ۲۳)

لیکن ان سب سے اچھا مصنف حالات کوہاٹ ہی رہا جس نے کرڑان نام

کے ساتھ مشابہت کیلئے "لوہے کی کڑاھی یا کریڑ [کربڑہ] کا درخت" لکھ دیا ہے۔ اُس سے پہلے کربڑ کی طرف کسی کا دماغ نہیں پہنچا تھا!

کرلانڑ کو پالنے والے کو کسی نے ارمڑ، کسی نے ارمڑ قبیلے کا ایک آدمی اور کسی نے اس کا نام زکریا اور اس کے بھائی کا نام عبداللہ لکھا ہے۔ ان میں سے اکثر روایتیں ریورٹی نے اپنے "نوٹس..." ص ص ۳۹۱ - ۳۹۲ میں نقل کی ہیں۔

تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ یہ لڑنا ٹیدن بچہ ارمڑ کے بھائی ہونی سے رات کو وہاں رہ گیا تھا جسے صبح کو ارمڑ ڈھونڈ لایا تھا۔

غرضیکہ جتنے منہہ اتنی ہی باتیں۔ لیکن بات تو صرف اتنی سی تھی کہ ہمارے نسابوں کو ہر قبیلے کے نام کی وجہ تسمیہ لکھنے کی مرض لاحق ہے۔ مثلاً لکھا ہے (۱) ارمڑ کے باپ کی دو بیویوں میں سے ارمڑ کی ماں لوہار کی بیٹی تھی۔ اس کی سوت اسے ہر وقت طعنہ دیا کرتی تھی کہ اور مڑ شہ [آگ بجھ گئی]۔ اس لئے اس کے بیٹے کا نام اورمڑ پڑ گیا۔ (۲) افریدی کے باپ کے ہاں کچھ مہمان آئے تھے۔ میزبان کے پاس اس کے باقی لڑکے بھی بیٹھے تھے۔ جب افریدہ بھی آن پہنچا تو اس کے گنجے سر اور بری شکل کو دیکھ کر مہمانوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میزبان بولا "دا ہم آفریدہ دخلائے دہ" (یہ بھی خدا کا آفریدہ یعنی پیدا کیا ہوا ہے) اسلئے اس لڑکے کا نام آفریدہ پڑ گیا۔ جو بگڑ کر آفریدی ہو گیا (۳) ایک آدمی ایک گدھے پر ایک طرف روٹہ (جو کی روٹی) اور دوسری طرف ایک لڑکا بٹھلائے ہوئے جا رہا تھا۔ خر اور روٹہ کی وجہ سے اس لڑکے کا نام خروٹہ پڑ گیا، وغیرہ وغیرہ۔

کلہاڑی، ناوڑی، کمربڑی اور کربڑ وغیرہ کی کہانیاں بھی محض کرلان کے لئے ایک وجہ تسمیہ پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

اب ان میں سے چند روایتوں کی نامعقولیت پر غور فرمائیے :-

(۱) ان بیانات کی اساس خود ساختہ روایتوں پر ہے جن کے لئے

داویوں کی ذہنی زرخیزی کے علاوہ کوئی سند نہیں ہے ۔ (۲) اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ لشکر کس کا، کس زمانے میں اور کہاں سے کہاں جا رہا تھا۔ (۳) یہ بات بھونڈی ہے کہ ایک سالم لشکر سے بوقت کوچ تبر جیسا ایک ضروری بنیاد اور ایک نوزائیدہ بچہ تو پیچھے رہ جائیں اور ان کے علاوہ ایک سوئی قدر بھی باقی نہ رہے ۔ (۴) کس قسم کا لشکر ہوگا جو حاملہ عورتیں بھی ساتھ ساتھ لئے پھرتا تھا جو منزل بہ منزل بچے جنتی جاتی تھیں ۔ (۵) یہ کس قسم کی ماں تھی یا کس قسم کا لشکر تھا جو ایک نو مولود کو چھوڑ گئے تھے ۔ جب کہ پہلے زمانے میں لڑکوں کی بہت قدر تھی اور لوگ پرائے لڑکوں کو بھی متبنیٰ بنا لیتے تھے ۔ (۶) یہ لڑکا کیوں کر رہ سکتا تھا جب کہ وہ لشکر اچانک بھاگنے پر مجبور بھی نہ ہوا ہو اور (۷) یہ لڑکا کس قسم کی خواب آور گولیاں کھا کر سویا تھا جو رات بھر میں ایک مرتبہ بھی نہ رویا ؟

اس وجہ کو قدرتی رنگ دینے کے لئے لوگوں نے اس میں عجیب عجیب تیر دوڑائے ہیں ۔ مثلاً (۱) کوئی قبیلہ بلاق سے قشلاق کی طرف جا رہا تھا ۔ (۲) ایک دن انہیں صبح کے وقت اچانک کوچ کرنا پڑا ۔ (۳) یہ لڑکا ایک بڑے سے برتن کے نیچے پڑا ہوا ملا ۔ وغیرہ ۔

الغرض لشکر کے پڑاؤ یا کسی قبیلے کے کوچ کے جتنے قصے لکھے گئے ہیں وہ پشتونوں کے کسی لشکر یا قبیلے کے متعلق تو ہو نہیں سکتے کیوں کہ پشتون معاشرے میں تو ایسے واقعات ناممکن ہیں ۔

اب اس لڑکے کے نام پر ذرہ غور فرمائیے ۔ اگر اس کو پالنے والا اسڑ یا اسٹر قبیلے کا کوئی آدمی ہوتا تو لڑکے کا نام ارمڑی زبان میں اور کوئی ایسا لفظ نہ ہوتا جو ارمڑ تبر یا ہانڈی کے لئے بولتے ہیں ؟ اگر جواب مثبت میں ہے تو اس لڑکے پر پشتو میں تبر یا ہانڈی کا نام چپکانا محض لکھنے والوں کی نادانی ظاہر کرتا ہے ۔ اور پھر جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکے کیونکہ مخزن افغانی وغیرہ کے

مصنف پشتوں سے ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے پشتو تو بھول چکے تھے۔ چھر کے لئے ہجو کے لفظ کی مثال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔

ایک آخری دلیل اور سن لیجئے :- اگر کرلان کو کوئی ارمڑ پاتا اور اس کی شادی اپنی لڑکی سے کرتا تو پرانے پشتو رواج کے متعلق اس کی اولاد ارمڑ کہلاتی نہ کہ کرلانڑی۔

اغیار نے تو کرلانڑ کی وجہ تسمیہ کی بابت جو جو خفگیات لکھی ہیں وہ تو آپ پڑھ چکے اب ہمیں اس کی نسل کی بابت کچھ عرض کرنا ہے۔ اور تو کرلانڑ کو ارمڑ کا متبنیٰ بنانے کی کوشش کرتے ہیں (جس پر مفصل بحث آپ آگے سن لینگے لیکن خان دستار نامہ (ص ۱۷۷) میں لکھتا ہے :-

"کرلانڑ ہیوں کا لڑکا ہے۔ پالا ارمڑ نے ہے۔ پشتونوں میں اس کا گند [فرقہ] سڑبنی ہے۔ سب پشتون شرکبون اور خرشبوں کی اولاد ہیں۔"

آپ آگے جاکر پڑھ لینگے کہ ارمڑ کا کرلان کو پالنا تاریخ کی رو سے ناممکن ہے۔ اس کی گند پر ہم بعد میں تاریخ مرصع کے ذکر میں لکھینگے۔ یہاں صرف اتنا عرض کئے دینا کافی ہے کہ خان کا سب پشتونوں کو سڑبن کے بیٹوں شرخبون اور خرشبوں کی اولاد لکھنا غلط ہے۔ لیکن چونکہ دستار نامہ قید کی حالت میں اور زبانی یاداشت سے وطن سے کالے کوسوں دور بیٹھ کر لکھا گیا تھا اس لئے اس کی غلطیوں پر سر نہیں دکھانا چاہئے۔ لیکن

محمد افضل خان نے تاریخ مرصع میں خان کی لکھی ہوئی بیاض سے جو نقل کی ہے اس میں ہیوں کو ارمڑ کا بھائی اور شرخبوں کی اولاد میں سے اور سڑبن کی اولاد میں داخل لکھا ہے۔

ممکن ہے ہیوں کرلانڑ کا باپ اور ارمڑ کا بھائی ہو۔ لیکن سڑبن کی اولاد کے شجروں میں ہیوں کا نام نہیں ملتا۔ دو شجرے مثالاً پیش ہیں :-

(۱) [مخزن افغانی] :- سڑبن

شرخبون خرشبون

شیرانی ترین میانہ بریچ ارمڑ

عمردین

کاسی جمند گمند

(۲) [خلاصۃ الانساب]:- سڑبن

شرخبون گند جمند کاسی

شیرانی ترین میانہ بڑیچ عمردین

ارمڑ

مخزن افغانی کے شجرے کے مطابق جب ارمڑ کا اپنا لڑکا عمردین موجود تھا تو اس کا کرلانڑ کو بیٹا بنانا عین بیہودہ ڈھکوسلا ہو کر رہ جاتا ہے۔

علاوہ ازیں آج تو کرلانڑی اور سڑبنی کا فرق مٹ گیا ہے اور ایلفنسٹن کے وقت میں بھی نہ تھا جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے۔ لیکن آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے موجود تھا۔ ارزانی، میرزا انصاری، خان، اور عبدالرحمٰن نے اپنے اپنے اشعار میں ہر دو فرقوں کو جدا جدا ناموں سے یاد کیا ہے:-

ہ سل سڑبنی د ترہ دا یوہ غزل جاڑنری - تن چہ دا پښتو دہ کرلانڑی خوشحال وئیلیہ۔

ہ یو خوشحال یو کم سل خٹک تو یہ طیبت کے - تار شہ د رحمٰن سڑبنی لہ یوہ فرد۔

[رحمٰن کا یہ شعر ممکن ہے الحاقی ہو۔ کیونکہ اس کا صحیح دیوان ابھی نہیں چھپا۔]

لیکن اگر ارزانی وغیرہ نے یہ باتیں اپنی نانیوں وغیرہ سے بھی سنی ہوں تو یہ فرق تقریباً ساڑھے چار سو سال تک پہنچ جاتا ہے جو بابر بادشاہ کا زمانہ ہے اور جس وقت کرلانڑیوں (دلازاکوں) اور سڑبنیوں کی لڑائیاں جوبن پر تھیں۔

کرلانڑیوں اور سڑبنیوں کی گذشتہ جنگوں کی کدورت آج بھی کچھ کچھ بعض دلوں میں باقی ہے اور آج کل قلم سے تلوار کے کام کا لینا اس بات کی تائید کرتا ہے کہ کرلانڑی اور سڑبنی بہت عرصے سے متحدہ ہو کر نہیں رہے تھے۔

خان کا مندرجہ ذیل شعر بھی قابل ملاحظہ ہے:-

کرلانڑی سڑبنی خو پښتانہ دي - زہ د ننگ یہ کار لہ واڑو مشترک یم۔

اور خان کے مندرجہ ذیل شعر میں کرلانڑی کا مطلب خٹک اور بنگش کے علاوہ دیگر کرلانڑی قبائل ہیں:- د خوشحال اختیار تر واڑہ بنگش تیر دے

چہ کہ ننگہ د خٹک د کرلانڑی وہ۔

اب کرلان کی نسب کے بابت سنیئے :-

تاریخ مرصع میں خان کے حوالے سے لکھا ہے کہ کرلانڑی قوم کا سب سے بڑا قبیلہ اپنے آپ کو حسینی سید کہتا ہے اور اپنا شجرہ یوں بیان کرتا ہے: کرلان ولد سید قاف ولد سید رجال ولد سید خاتم ولد سید امام اسمٰعیل ولد سید امام جعفر صادق ولد سید امام محمد باقر ولد امام سید زین العابدین علی اصغر ولد سید امام حسینؓ ولد حضرت علیؓ۔

لیکن زیارت کاکا صاحب کے کاکا خیلوں کے شجرے کی طرح یہ شجرہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اسمیں ایک جگہ کرلان سے امام اسمٰعیل تک چار اور دوسری جگہ سات پشتیں ہیں۔ اور کرلان سے آج تک ۲۷ پشتیں گزری ہیں۔ یعنی دلازاکوں کے شجرے میں امام اسمٰعیل سے آج تک صرف ۳۱ یا ۳۴ پشتیں بنتی ہیں۔ حالانکہ اسمٰعیلی فرقہ کے موجودہ امام آغا خان چہارم کی امام اسمٰعیل سے اڑتالیسویں پشت چلتی ہے۔ اور امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام موسیٰ کاظمؓ سے بھی آج تک بخاری سیدوں کی ۴۴ کے لگ بھگ پشتیں گزر چکی ہیں۔

دلازاکوں کے شجرے میں (۴۸-۳۴=) ۱۴ شجروں کی کمی ان کے شجرے کی غلطی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر ایک پشت ۳۰ سال کی لی جائے (جو کہ عام حساب ہے) تو دلازاکوں کے شجرے میں (۱۴×۳۰=) ۴۲۰ سال کا فرق آتا ہے جسکی منطقیانہ توضیح ناممکنات میں سے ہے۔

اب جب دلازاک سید نہیں ہوسکتے اور کاکا خیل بھی خٹک ثابت ہو چکے ہیں تو خٹکوں کے سید ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بیلیو وغیرہ لکھتے ہیں کہ دلازاک محمود غزنوی کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور تاریخ لودی (ص ۳۳۲) میں بھی لکھا ہے کہ سلطان محمود کا سومنات پر حملہ کرتے وقت دلازاکوں کا ایک بڑا گروہ بھی ملک بجی کی سرداری میں محمود کے ہمراہ تھا۔

امام اسمٰعیل کی معلوم اولاد میں خاتم، رجال اور قاف کا ذکر نہیں ملتا

جنہیں دلازاک کرلان کے اجداد سمجھتے ہیں۔ اسمٰعیلی مرتبہ کا پہلا خلیفہ ابوقاسم محمد بن عبداللہ تھا جس نے ۲۹۶ھ میں مصر میں شاہی اختیارات حاصل کئے تھے اور امام اسمٰعیل کی پشت سے گنا جاتا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلازاک کرلان کے سب سے بڑے لڑکے برہان کی اولاد سے تھا اور وہ کرلانڑی قبیلے کا سردار تھا۔ آئیے پہلے ان کا کچھ حال بیان کریں تاکہ کرلانڑیوں، دلازاکوں اور خٹکوں کا تعلق واضح ہو جائے:۔

کرلانڑیوں میں سے سب سے پہلے (اور غزنویوں کے زمانے سے بہت پہلے) دلازاک اپنی آماجگاہ سے نکل کر پشاور میں اٹک سے خیبر تک اور لنڈے دریا کے دونوں کناروں اور صوات اور باجوڑ میں اقامت پذیر تھے۔ لیکن غزنویوں، غوریوں اور مغلوں کی لشکر کشیوں اور اپنے دوسرے دشمنوں کے حملوں سے بچنے کے لئے دلازاک دن بہ دن مشرق کی طرف جمع ہوتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ آخر میں ان کی بڑی آبادی لنڈے دریا کے شمالی کنارے پر سمٹ آئی اور ایک چھوٹی آبادی لنڈے دریا کے جنوب میں بھی بن گئی۔

دلازاکوں کے زمانے میں جو خٹک (اٹک دریا) ابا سندھ کے مغرب کو تحصیل نوشہرہ میں آباد تھے وہ بھی کرلانڑی قوم کے اس بڑے قبیلے دلازاک کے نام کی رعایت سے دلازاک ہی کہلاتے تھے جیسے مندڑ بھی یوسفزئی کہلاتے ہیں۔ خٹکوں نے ابھی اپنا جداگانہ نام پیدا نہیں کیا تھا اور نہ کسی کو قدرت کی اس نیرنگی کا علم تھا کہ خٹکوں کا نام پیدا کرنے کے بعد دلازاکوں کا وجود بھی نہ رہیگا۔

بابرنامہ (جلد ۲ ص ۳۷۹) میں ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء کے حالات میں لکھا ہے کہ بعض نیلابی (نیلاب کے رہنے والے) آئے اور مجھے (بابر کو) ایک سے گھوڑے کے پاس ملے اور ایک زرہ ڈالا ہوا گھوڑا اور تین سو شاہ رخیاں (روپے) نذرانہ لائے۔ غالباً یہ نیلابی خٹک تھے کیوں کہ دلازاکوں کا تو بابر نے نام لیا ہے اور بابر کے بعد تو یہ علاقہ خٹکوں سے

سے کسی نے چھینا نہیں + اور دلازاک تو بابر کو اس سے پہلے بھی مل چکے تھے + بابرنامہ جلد ۲ ص ۳۹۴ میں لکھا ہے: علی مسجد میں یعقوب خیل قبیلے کا دلازاک افغان میرے پاس پیشکش لایا +" اس سے پہلے دلازاکوں کے دو سردار ملک بوخان اور ملک موسیٰ گورکھتڑی [پشاور] میں بابر کے پاس تحفے لائے تھے + (جلد ۲ ص ۳۹۱)+

اب چاہے دلازاک کتنا ہی بڑا قبیلہ کیوں نہ ہو اتنا بڑا بھی تو نہیں ہو سکتا کہ درہ خیبر سے دریائے سندھ تک چھایا ہوا ہو۔ اسلئے نیلاب سے مطلب خٹکوں کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا + اس وقت دھقان قبیلے کے غیر پشتون اور غیر مسلمان اشنغر [ہشت نگر] میں آباد تھے +

دلازاکوں کے اپنے کہنے کے مطابق وہ ننگرہار (ننگہار) اور مغرب کی طرف سے پشاور وغیرہ کو آئے تھے۔ لیکن اس علاقے کو لیتے وقت انہوں نے کسی قسم کا خون خرابہ یا ظلم نہیں کیا تھا + وہ امن پسند لوگ تھے +

یوسف زئی جب پہلے پہل پشاور کے علاقے کو آئے تو انہوں نے رہنے کے لئے دلازاکوں سے کچھ علاقہ بھیک مانگا + دلازاکوں نے جو اس وقت لنڈے دریاب کے شمالی اور جنوبی کناروں پر حاکم تھے نہایت فراخ دلی سے دوآبہ کا زرخیز علاقہ انہیں بخش دیا + اور جب یوسفزیوں نے مزید علاقے کی درخواست کی تو وہ بھی دے دیا۔ جو بعد میں یوسفزیوں سے گگیانڑیوں نے زبردستی چھین لیا +

اس دھیرے احسان کا بدلہ یوسفزیوں نے یہ چکایا کہ گگیانڑیوں، محمدزیوں اور کرلانڑی قبیلے کے اتمان خیلوں کو بھی ساتھ ملا کر دلازاکوں پر ناگہانی ٹوٹ حملہ کر دیا + دریائے سوات کے کنارے ایک خونریز جنگ ہوئی + دلازاکوں نے شکست کھائی + بہت سے مارے گئے + بقیۃ السیف ہزارہ کو بھاگ نکلے + صرف دریائے کابل کا جنوبی علاقہ دلازاکوں کے پاس رہ گیا +

فاتحین نے دلازاکوں کا علاقہ آپس میں بانٹا + دوآبہ گگیانڑی [illegible]

محمد زئی، دریائے لنڈے سے اوپر کا لغایا علاقہ یوسفزئی اور صوات کے پاس کا پہاڑی علاقہ اتمان خیل کے حصے میں آیا۔ یہ علاقے آج بھی ان قبیلوں کے قبضے میں ہیں۔ اِن لڑائیوں کے وقت یوسفزئیوں کا سردار ملک احمد خان تھا جنکی بابت آپ بہت کچھ اور بھی پڑھ لینگے۔

۱۵۵۳ء میں ہمایوں نے پشاور کا قلعہ دوبارہ تعمیر کیا۔ کیونکہ دلازاک اسے مسمار کر چکے تھے۔ اور قلعے میں سکندر خان ازبک اور بہت سی فوج ڈالنے کے بعد آس پاس سے دلازاکوں کا غلہ لوٹ لوٹ کر قلعے کو غلے سے بھر دیا۔ دلازاکوں نے حملہ کیا لیکن ناکام رہے۔ ۱۵۵۴ء میں ہمایوں اٹک کو پار کر کے دہلی چل دیا۔

یوسفزئیوں کے ساتھ جنگوں میں دلازاک لنڈے دریاب کا شمالی میدانی علاقہ کھو چکے تھے۔ اور جب یوسفزئیوں نے صوات اور باجوڑ فتح کر لئے تو دلازاکوں کو ان جگہوں سے بھی بھگا دیا اور ۱۵۲۰-۲۵ء کے درمیانی عرصے میں ان کی اکثریت سندھ کے پار چلی گئی تھی۔ یوسفزئیوں کے بعد ۱۵۴۱ء اور ۱۵۵۱ء کے درمیانی عرصے میں خلیلوں اور مہمندوں نے مرزا کامران کی مدد سے دریائے نشتر کے جنوب میں کچھ علاقہ دلازاکوں سے چھین لیا تھا۔ اور ایسے بے جری دلازاک قوم اپنوں کے ہاتھوں کمزور ہونے ہوئے ۱۵۵۲ء میں مغلوں کو پشتونخوا سے نکالنے کی سکت کھو چکے تھے ورنہ پشتونوں کو غیر ملکی مغلوں کی اطاعت کرنے کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔

اس کے بعد جو دلازاک بچ رہے تھے (وہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں) ان سے بعض سندھ کے مشرقی کنارے اور چھچھ ہزارہ وغیرہ میں چلے گئے تھے۔ بعد میں لغرئی قوم کے بھائی بندوں مہمندی قبیلے نے لنڈے دریا کے جنوب میں خوڑے کا علاقہ دلازاکوں سے بزور حاصل کیا۔ اس ملک گیری کی تفصیل آگے آجائیگی۔ اس چھینا جھپٹی کے نتیجے کے طور پر دلازاک چھچھ ہزارہ اور پنجاب کے ضلع جہلم میں رہنے لگے۔

۱۵۵۴ء میں دلازاکوں سے چھینا ہوا علاقہ اب بھی غوریہ خیلوں (خلیل

مہمند اور داؤد زئی) کے پاس ہے + دلازاکوں کے ایک دو گاؤں دریائے سندھ کے مغرب ہیں، ان کی اکثریت اس دریا کے مشرق کی طرف اور ان کی کچھ آبادیاں شہر پشاور کے شمال ہیں واقعہ نپہ داؤد زئی ہیں اب بھی موجود ہیں لیکن دلازاک اب معدوم ہی سے ہیں +

حیات افغانی میں لکھا ہے کہ دلازاکوں کے بعض بڈھے کہتے ہیں کہ ہم حسینی سید ہیں۔ چونکہ حیات افغانی کا قول چند نامعلوم اشخاص کے منہ سے بیان ہوتا ہے اسلئے قابل وثوق نہیں۔ خصوصاً ہماری گزشتہ بحث اور اس امر کی روشنی میں کہ بہ استثنائے ایک یا دو کے کرلانری قبیلے کی باقی سب شاخیں کہتی ہیں کہ ہم پشتون ہیں سید نہیں ہیں +

اب ہم کرلانڑ کے زمانے پر بحث کرتے ہیں :-

راورٹی (نوٹس ص ۳۸۴) لکھتا ہے :" فرض کیجئے کہ اسمٰعیل اپنے باپ [امام جعفر صادق ۸۳ھ - ۱۴۸ھ] سے کچھ عرصہ پہلے مرا تھا + اگر ہم ایک پشت ۳۰ سال کی لیں (جو کہ عام حساب ہے) تو سید تاف جوان [دلازاک کے دئے ہوئے شجرے کی رو سے اسمٰعیل کا بڑپوتا ہوگا] ضرور تقریباً ۲۰۸ھ میں زندہ بلکہ پیدا ہوا ہوگا۔ کیونکہ سید خانم کا زمانہ ۱۴۸ + ۳۰ = ۱۷۸ھ اور سید رجال کا زمانہ ۱۷۸ھ + ۳۰ = ۲۰۸ھ ہوگا + اور اس حساب سے کرلانڑ کا زمانہ (جسے دلازاک سید تاف کا بیٹا کہتے ہیں) تقریباً ۲۰۸ھ + ۳۰ = ۲۳۸ھ عر/ ۸۵۲ء میں ہوگا +

لیکن یہ سن یعنی ۲۳۸ھ/ ۸۵۲ء اس لئے غلط ہے کہ کرلانڑ کی پیدائش اس سے بہت پہلے کی ہے۔ کیونکہ سلطان سبکتگین کے زمانے ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) سے پہلے یعنی کرلانڑ کی مفروضہ تاریخ پیدائش ۲۳۸ھ سے تقریباً ۱۲۵ سال بعد یعنی چار پشت کے اندر اندر کرلانڑ کی اولاد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ دلازاک نامی ایک بڑا قبیلہ اپنے اصل سے کٹ کر پشاور آگیا تھا اور یہ سب علاقہ قابو کر لیا تھا +

میکموہن نے (ٹرائبز..... میں) غرغشت کا ایک بیٹا بریان اور اس کا

بیٹا کرلان لکھا ہے اس سے پہلے ابوالفضل نے آئین اکبری جلد ۲ ص ۱۹۱ میں کرلانڑ کو غرغشت کی اولاد لکھا ہے۔ اور گرامر ص ۱۰ میں بھی "تذکرۃ الملوک" سے اسی قسم کا اقتباس کیا گیا ہے۔

الفنسٹن نے قیس کے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام کرلان لکھا ہے۔ حیات افغانی، تاریخ کوہاٹ اور حیات یودی میں لکھا ہے کہ خوگیانڑی کہتے ہیں کہ کرلانڑ عبداللہ اوڑ کا لڑکا تھا۔ تینوں کی بیہودگی اسی سے واضح ہے کہ اوڑ کا لڑکا ہوتا تو اوڑ قوم سے کہلاتا پھر کوئی اسے اوڑ اور کوئی اوڑ قبیلے کے کسی شخص کا پالک کیوں بناتا؟ حیات افغانی نے مخزن افغانی کی روایت کو خوگیانیوں کے کہنے سے منسوب کیا ہے۔ اور باقی کی دو کتابوں نے اس سے نقل کی ہے۔

کرلانڑ اوڑ کا متبنیٰ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان میں دئے ہوئے شجروں کی رو سے کرلانڑ اور قیس کا زمانہ بالکل ہی ایک ہے۔ کیونکہ حیات افغانی ص ۳۰۷ میں بھی خواجہ محمد خان کے ساتھ لکھا ہے "رئیس حال" اور قیس کی اولاد میں ص ۱۱۹ پر شاہ شجاع الملک کے ساتھ لکھا ہے "موجود لدھیانہ میں"۔ چونکہ خان خٹک خواجہ محمد خان کرلان سے اور شاہ شجاع قیس سے پچیسویں پشت میں آتے ہیں اس لئے ان کے ہمعصر ہونے سے کرلان اور قیس کا ہمعصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

اور جب وہ دونوں ہمعصر ٹھہرے تو یہ عقل کے اندھے کرلانڑ کو تیئیس والد بیٹرھن والد شرخبون والد محمد ڈین والد اوڑ کا بیٹا کس حساب سے بتاتے ہیں؟ یا (۲) تیئیس کے بیٹے غرغشت کے بیٹے ہرنائی کا بیٹا کس حساب سے بتاتے ہیں؟

مخزن افغانی میں دئے ہوئے شجرے کی رو سے قیس کا زمانہ ۸۶۵ء / ۲۵۱ھ کے قریب بنتا ہے (جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) اور دلازاکوں کے شجرے کی رو سے کرلان کا زمانہ ۲۳۹ھ / ۵۸۲ء کے قریب بنتا ہے

یعنی کرلانڑ قیس سے تقریباً ۳۲۲ یا ۳۳۲ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں کرلان قیس کا متبنیٰ بن سکتا ہے؟ یا قیس کرلان کی گیارہویں پشت کی اولاد میں سے کسی کا متبنیٰ بن سکتا ہے؟ اظہر من الشمس ہے کہ آخری صورت ہی ممکن ہے!

ثالثاً مخزن افغانی ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ "قیس ۸۷ سال کی عمر میں ۴۱ھ میں مرا تھا"۔ اس لئے اس کی پیدائش ۴۶ ق ھ سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اب اگر ایک پشت کے تیس سال کے عام حساب سے ہم ارمڑ سے پہلی چار پشتوں کی میعادیں گنیں تو ارمڑ ۱۳۱ھ اور ۱۶۱ھ کے درمیان زندہ رہا ہوگا۔ یہاں راورٹی حساب میں چوک گیا ہے کیونکہ وہ قیس کی موت کا سال ۴۱ھ کی بجائے ۱۱ھ سمجھا ہے اور یوں ارمڑ کا زمانہ ۱۰۴ھ - ۱۳۴ھ ہجری لکھ گیا ہے (سڑبن ۱۱ھ - ۴۱ھ، شرخبون ۴۱ھ - ۷۱ھ، عمردین ۷۱ھ - ۱۰۱ھ اور ارمڑ ۱۰۴ھ - ۱۳۴ھ) حالانکہ چاہئے ایسا تھا جیسا کہ ہم لکھ گئے ہیں یعنی (سڑبن ۴۱ھ - ۷۱ھ، شرخبون ۷۱ھ - ۱۰۱ھ، عمردین ۱۰۱ھ - ۱۳۱ھ اور ارمڑ ۱۳۱ھ - ۱۶۱ھ)۔

لیکن اس حساب سے تو کرلان ارمڑ کا نہیں بلکہ ارمڑ کے پڑپوتے کا متبنیٰ ہوگا۔ کیونکہ ارمڑ کے (بیٹے نے ۱۶۱ھ - ۱۹۱ھ میں، پوتے نے ۱۹۱ھ - ۲۲۱ھ میں اور پڑپوتے نے ۲۲۱ھ - ۲۵۱ھ میں عمر گزاری ہوگی۔ راورٹی یہاں بھی غلطی کر گیا ہے اور ارمڑ کے پوتے کا زمانہ ۱۶۴ - ۱۹۴ھ اور اس کے پڑپوتے کا زمانہ ۱۹۴ھ - ۲۲۴ھ لکھ گیا ہے۔

ارمڑ قوم کی اصلی جائے سکونت کابل کے جنوب میں وادیٔ لوگر میں تھی۔ وہاں سے کانڑیگرم آئے۔ ان کی معمولی آبادیاں آج کانڑیگرم، مسعودوں کے علاقے اور پشاور سے تقریباً دس میل جنوب مشرق کو تین گاؤں (ارمڑ بالا، ارمڑ میانہ اور ارمڑ پائین) میں واقع ہیں۔ کانڑیگرم کے ارمڑ ارمڑی زبان بولتے ہیں جسے برکی اور برگستہ بھی کہتے ہیں۔ برک لوہگر کے پاس ایک گاؤں کا نام ہے اور کہتے ہیں کہ برک ارمڑ کا مورث اعلیٰ تھا۔

محسودوں کے علاقے کے ارمڑ پشتو زبان بولتے ہیں۔ پشاور کے پاس
کے ارمڑ خٹکوں کی زبان بولتے ہیں ۔ لیکن قرب وجوار کے قبیلوں کی وجہ
سے ان کی زبان روز بروز بگڑ رہی ہے مثلاً پہلے پاؤں کو چنگا بھلا
"پشہ" کہتے لیکن اب اوروں کے غلط تلفظ "خپہ" کی وجہ سے نہ ادھر کے
رہے اور نہ ادھر کے اور اب "پشہ" کو "شپہ" بولتے ہیں۔ [میں نے ایک
کاکا خیل کو بھی "ښخ" (دفن) کی بجائے "خښ" کہتے ہوئے سنا ہے]۔
ارمڑ اب تو ایک چھوٹا لیکن کسی وقت ایک بڑا قبیلہ تھا۔ پہلے زمانے
میں ارمڑ اور مروت جس علاقے میں رہتے تھے وہ اب محسودوں کے
قبضے میں ہے۔

آپ اس سے پہلے خوگیانڑی کا نام سن چکے ہیں۔ حیات افغانی میں
نوری کو خوگیانی کا بیٹا اور اس کا شجرہ (یائے معروف اور یائے مجہول
میں فرق کئے بغیر) ص ۱۰۳ پر یوں لکھا گیا ہے:۔

خوگیانی

منڈوزی حاجی نوری وربوز عبدالرحمٰن لوبو خیل بارک خدر خیل پڑبہ شیرزاد

اب جو یہ بعض نوری کہتے ہیں کہ ہم ترک ہیں اس کا کیا علاج؟
حیات افغانی میں لکھا ہے کہ: "قوم شیتک کے بعض چٹ ڈاڑھیے کہتے
ہیں کہ کرلان کسی شاہزادے کا لڑکا تھا۔" حیات افغانی کے
بیان سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ جو قصہ آج کل بنوں میں کسی کسی
کے منہ سے سنا جاتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ کسی شاہزادے
نے بنوں آکر یہاں کے بادشاہ، وزیر، قاضی اور کوتوال کی لڑکیوں سے
شادیاں کیں جس سے اس کے علی الترتیب چار بیٹے پیدا ہوئے۔ مرتے
وقت شاہزادی کے بیٹے کو بنوں کا علاقہ دے دیا کہ یہاں بادشاہی کرو۔
وزیرزادی کے بیٹے کو وزیرستان دیدیا کہ یہاں سے اپنے عقل کے ذریعے
یعنی کماؤ۔ قاضی زادی کے بیٹے کو خٹک کا علاقہ دیا کہ تمہارا نانا نیک
آدمی تھا یہاں بارشوں کے لئے دعائیں مانگتے رہو۔ کوتوالزدی کے بیٹے کو دوڑ
کا علاقہ دیدیا کہ تم یہاں سے چوکیداری کرو۔

شینتک کے سبب، اسکی وجہ تسمیہ، شینتک نام کا گالی سمجھا جانا اور شینتک کے شجرے میں مرزعلی خیل منڈان (محسود وں)، میرا خیل (بنگشوں)، شاہ بزرگ خیل عیسکی (خروٹیوں) بازید خیل سوڑ انڑی (منگلوں) اور عابد خیل مروتی (خٹکوں) وغیرہ کے غلط اندراجات پر یہاں بحث کرنے کا موقعہ نہیں ہے +

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کرلان کے زمانے کا صحیح تعین بدین وجوہات ناممکن ہے:-

(۱) پشتوں کی رو سے کرلان اور قیس ہمعصر اور دونوں کا زمانہ ۵۷ھ ۶۷۷ء بنتا ہے جو اُن وجوہات کی بناء پر غلط ہے جو ہم نے قیس کے ذکر میں لکھے ہیں + کرلان کا زمانہ اس سے بہت پہلے کا ہے +

(۲) مخزنِ افغانی کی رو سے اگر قیس کا زمانہ ۴۱ق ھ - ۵۸۰ء ہے تو کرلان کا بھی یہی زمانہ ہوا کیونکہ دونوں ہمعصر ہیں - لیکن اس زمانے کے لئے آج سے کرلان اور قیس تک (۱۳۸۴ + ۴۶ = ۱۴۳۰ ÷ ۳۰ = ۴۸) ۴۸ پشتیں بکار ہیں - حالانکہ حیات افغانی کے سن تصنیف (۱۸۶۵ء) تک پچیس پشتیں لکھی ہوئی ہیں اور آج تک ۲۷ پشتیں بنتی ہیں جو صحیح تعداد سے (۴۸-۲۷ =) ۲۱ پشتیں کم ہیں + اسلئے کرلان کا شجرہ یوں ہوگا:-

کرلان
۲۱ پشتیں گم ہیں
کودے ۲۳ ککے ۲۳

لیکن دنیا کی سب ہی قدیمی شجروں کا یہی حال ہے + سب کی پشتوں کی تعداد اور زمانے کی میعاد میں مطابقت نہیں ہے + اسی لئے ہندوؤں کے پرانے شجرے، ابوریحان البیرونی کی "آثار الباقیہ" میں ایرانیوں کے پرانے شجرے اور ترکوں کے پرانے شجرے باوجود اس قسم کے ناقص پن کے قابل اعتماد سمجھے جاتے ہیں + اسی لئے اوروں کی طرح کرلانڑیوں کا شجرہ بھی قابل اعتماد اور قابل قبول سمجھنا چاہئے +

قدیمی شجرے صرف اس حد تک صحیح ہیں کہ جن مشہور ناموں کا

متواتر ذکر آیا ہو اور تاریخی حالات لکھے ہوں وہی شجرہ قائم کرنے کے لیے کافی سمجھے جاتے ہیں + غیر معروف یا ناقابل تصدیق ناموں میں سے اکثر تو نسابیوں کو یاد بھی نہیں رہتے اور اس لیے بعض نام شجروں میں کم رہ جاتے ہیں۔ اور اس لیے شجرے صرف اس وجہ سے غلط نہیں گنے جاتے کہ نام کم ہیں اور زمانہ زیادہ گزر چکا ہے +

(۲) دلازاکوں کے شجرے کی رو سے کرلان کی پیدائش کی تاریخ یا اس کا زمانہ ۲۳۸ھ بنتا ہے۔ جو پہلے بیان کردہ وجوہات کی بنا پر غلط ہے +

(۳) اگر کرلان کو ارمڑ کا متبنیٰ مانا جائے تو مخزن افغانی میں دئے ہوئے قیس کے زمانے کے حساب سے کرلان کا زمانہ ۱۳۱-۱۶۱ھ بنتا ہے جو یہ بھی پہلے لکھے گئے وجوہات کی بناء پر غلط ہے + اور

(۴) اگر کرلان کو ارمڑ کے پڑپوتے (۲۲۱-۲۵۱ھ) کا متبنیٰ مانا جائے (جیسا ہمارے سابقۃ الذکر بیان کی وجہ سے اخذ ہوتا ہے) تو ایسا تو کبھی کسی نے کہا نہیں کہ کرلان ارمڑ کے پڑپوتے کا بیٹا تھا +

کرلانڑیوں میں ایک قبیلے کا نام بنگش ہے + انہیں تاریخ فرشتہ (ص ۲۳-۲۴) نے خالد ولد عبداللہ کی بیٹی سے ایک افغان کی اولاد لکھا ہے + اور یہ بھی کہ اس لڑکی سے بہت اولاد پیدا ہوئی جن میں دو کسان بہت مشہور ہوئے: ایک لودی اور دوسرا سوری +

تاریخ فرشتہ کی نامعقولیت کا کیا ثبوت کم ہے کہ بھی قبیلے کے لودیوں اور سوریوں کو کرلانڑی قبیلے کا رگ بستہ لکھ دیا ہے۔

تاریخ خورشید جہان (ص ۳۱۲) میں عبداللہ کو خالد ابن ولید کا بیٹا لکھا ہے + لیکن یہ لکھتا ہے کہ بنگش کہتے ہیں کہ ہم خالد ابن ولید کی اولاد ہیں + ہمارا دادا اسمٰعیل دسویں پشت میں عبداللہ سے پیدا ہوا تھا۔

اب اگر خالد ابن ولید سے مطلب وہی مشہور بطل اسلام ہو تو بنگشوں کا حال بھی وہی ہوا جو کہ نسبیوں کا اور یہ بیان وجوہات بنگشوں کی روایت بھی ناقابل اعتبار ٹھہری +

کرلانڑی

کرلانڑ کی اولاد کرلانڑی کہلاتی ہے۔ ان کی رہائش کی مشہور جگہیں کوہ سلیمان اور کوہ سفید ہیں۔ ان کے بڑے بڑے قبیلے یہ ہیں :-

خٹک - دلازاک - اورکزی - اتمان خیل - افریدی - خوبزی (خوگیانی)- منگل - وزیر - بنگش - شیتک اور موسیٰ زی۔

علاوہ متذکرہ بالا بڑے قبیلوں کے جو پھر کئی چھوٹی چھوٹی شاخوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ حیات افغانی ص ۳۴۱ میں ان چھوٹی چھوٹی شاخوں کا ذکر آیا ہے۔

کم خوست میں؛ سپرے (۳۰۰ نفر) - ملی (۶۰۰) - لنڈر (۱۵۰)- اکبی (۱۰) - قدم (۱۰) - ماروں خیل (۱۰) ۔ اور خوست میں؛ لکن خیل (زکی خیل - نکٹ خیل - شادی زی اور ایوب خیل ۱۰۰ نفر)- صادق (۲۰۰) - علی شیر (۱۰) - بکر خیل (۱۰) - اور لون خیل۔

ان قبیلوں کے علاوہ بنی اور وردک ناموں کے دو قبیلے بھی وصلی طور پر کرلانڑیوں کے شامل ہیں۔ بنی کا ذکر آگے بھی آئیگا۔

مخزن افغانی میں اُس وقت کے پشتونوں کے خیلوں کی تعداد حسب ذیل درج ہے:- کرلانڑی ۱۲۰، سڑبنی ۱۰۵، غرغشتی ۹۵ اور بیٹنی ۴۷ خیل۔ یعنی اُس وقت کرلانڑی پشتونوں کا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔

کرلانڑی قوم میں صرف بنوچی میدانی اور باقی کے سب پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں۔

کرلانڑیوں کا شجرہ مخزن افغانی، حیات افغانی (ص ص ۳۰۷ و ۳۱۱) حیات لودی (ص ۱۳۱ و ۳۶۳)، امپیریل گزیٹیر- پراونشل سیریز (ص ۷۹)، دی پٹھانز ص ۲۱، تاریخ کوہاٹ- تاریخ آزاد پٹھان، تاریخ مرصع وغیرہ میں دیا ہوا ہے- لیکن ان میں آپس میں شدید اختلافات ہیں اور

سب کے سب غلط ہیں۔ ان میں سے دی پٹھانز کا دیا ہوا شجرہ مقابلتاً صحیح تر ہے + کرلانڑ کا صحیح شجرہ حسب ذیل ہے:-

کرلانڑ

ککے — کودے

ککے: شرف الدین (عرف سینک)، سلیمان

سلیمان: وزیر، بانی (بائی زئی)، کاغ (کاغزی)، ماد میر (مادکہ میری)

کودے: منگلی، خوژے (خوگیانی)، لقمان (عرف خٹک)، مانے، اتمان (اتمانخیل)، ورک (اورکزی)، برہان

منگلی: منگل، حوران، بہادرزی

مانے: عثمان (عرف افریدی)

برہان: دلازاک

لیکن ہمارے سابقہ دلائل کی روشنی میں ہم آئندہ صفحات میں کرلان کا شجرہ اور اسکے پشتوں کی تعداد میں اُن ۲۱ گمشدہ پشتوں کو بھی حساب میں لائینگے + اور وہ شجرہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ رنگ اختیار کرلیگا:-

کرلانڑ

۹   ۲۱ پشت گم ہیں

کودے ۲۳ — ککے ۲۳

* * *

کرلانڑیوں کی بادشاہی

کرلانڑیوں نے ۱۵۵۳ء سے ۱۵۷۶ء تک مشرقی ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ لیکن ابھی تک وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حاکم کرلانڑیوں کی کس شاخ سے تھے۔

معزالدین [محمد ابن سام، شہاب الدین] محمد غوری کے زمانے میں ایک آدھ کرلانڑے بھی ہندوستان گیا تھا لیکن محمد غوری اکثر اپنے ہم قوم ہندوستان لے گیا تھا۔ اور پشتونوں کے باقی جبلوں کو پشتونخوا میں وہ علاقے بطور جاگیر دئے جن پر وہ اب بھی قابض ہیں۔ اسلئے اپنی کم تعداد کی وجہ سے کرلانڑی ہند میں اپنے مجموعی نام (کرلانڑی) سے ہی کہلاتے رہے۔ جیسا آج تک ہندوستان میں ہر پشتون کو خان کہا جاتا ہے۔

بہلول لودھی کے بلاوے پر بھی اسکے بہت سے ہم قبیلہ ہندوستان گئے تھے۔ ان میں بعض کرلانڑی اور سڑبنی اور لودی قبیلے کا ابراہیم (شیرشاہ کا دادا) بھی ہندوستان گئے تھے۔

شیرشاہ کے زمانے میں بھی کرلانڑیوں کی ایک زبردست جماعت ہند میں موجود تھی۔ اکبرنامہ جلد ۱ ص ۱۲۴ میں لکھا ہے: ۱۰ محرم ۹۴۷ھ کے دن شیرشاہ اور ہمایوں کی جنگ میں ایک جماعت کرلانڑیوں کی بھی شیرشاہ کی طرف سے جنگ میں شامل تھی۔ [یہ کرلانڑی جیسا کہ آپ آگے پڑھ لینگے تاج خان اور اس کے بھائی تھے۔]

مخزن افغانی میں محمد کرڑانی کو اسلام شاہ کا خاص دوست لکھا گیا ہے۔ ۹۵۸ھ میں شیخ یوسف کرڑانی وغیرہ مرزا کامران کی طرف سے مغل فوج کے برخلاف لڑے تھے۔ [اکبرنامہ جلد ۱ ص ۲۴۰۔]

۹۷۱ھ میں جنید کرڑانی بادشاہ کی ملازمت میں تھا اور مندول کا علاقہ جاگیر میں پایا تھا۔

سوری خاندان کے آخری بادشاہ مبارز خان (جس کا لقب سلطان محمد عادل تھا اور عموماً عدلی سلطان کہلاتا تھے) کے زمانے میں کرلانڑیوں نے ہند کے مشرقی اطراف (پٹنہ، بہار اور بنگال میں طاقت حاصل کی تھی اور بادشاہی کی تھی + کرلانڑیوں کی بادشاہی کا مختصر حال حسب ذیل ہے:—

کرلانڑیوں کا پہلا بادشاہ تاج خان ولد جمال خان تھا جو ۱۵۴۰ء میں شیرشاہ کی طرف سے ہمایوں کے برخلاف لڑا تھا + تاج خان نے ۱۵۵۳ء میں سلطان عادل سوری سے جنوبی بہار کی بادشاہی چھین لی تھی + ۱۵۵۴ء میں تاج خان کل بہار کا بادشاہ بن گیا تھا + اس وقت شمالی ہندوستان کا بادشاہ محمد خان سُور ولد خضر خان تھا - اس کا لقب غیاث الدین بہادر شاہ تھا + ۱۵۵۹ء تک تاج خان، بہادر شاہ کی بزرگی مانتا تھا +

۱۵۶۴ء میں تاج خان نے بنگال فتح کیا + اب وہ بہار اور بنگال دونوں کا بادشاہ تھا +

تاج خان ۱۵۶۵ء میں اللہ میاں کو پیارا ہوگیا + وہ ایک نہایت ہی قابل، عالم اور عقلمند انسان تھا +

اب سلیمان خان (برادرِ تاج خان) بہار اور بنگال کا بادشاہ بنا + اس کے وقت میں سوری ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر تباہ ہو چکے تھے - اور سب پشتون سلیمان خان کے سائے میں آچکے تھے +

سٹوارٹ (ص ۱۵۲) لکھتا ہے کہ "سلیمان خان کی فوج میں ۰۰۰ر۴۰ پیادہ ۰۰۰ر۴۰ سوار، ۳۶۰۰ ہاتھی، ۰۰۰ر۲۰ توپیں اور چند سو جنگی جہاز تھے +"

وہ اپنے بے مثال انصاف اور زہد کی وجہ سے سلیمان ثانی مشہور تھا + سلیمان خان باوجود اپنی بے انتہا تقوی کے ہندوؤں پر بھی بہت مہربان تھا + ۱۵۶۷ء میں سلیمان خان نے اوڑیسہ اور پوری وہاں کے راجہ سے فتح کر لئے کیونکہ وہ سلیمان خان کے برخلاف اکبر کے ساتھ سازش میں مشغول رہا کرتا تھا + سلیمان خان نے اپنے وزراء لودی اور قتلو کو

پٹنہ اور پوری میں مقرر کیا۔

سلیمان اپنے اور پشتونوں کے سب سے بڑے دشمن اور بدخواہ اکبر کی برائے نام اطاعت کرتا تھا۔ سلیمان خان کا لقب "حضرت عالی" تھا۔ یہ لقب شیر شاہ نے بھی ۱۵۳۹ء میں اختیار کیا تھا۔

اکبر شروع ہی سے اس فکر میں تھا کہ پشتونوں سے بنگال اور بہار لے لے۔ لیکن سلیمان خان کی زبردست فوجی طاقت، پشتونوں کے اتفاق، سلیمان خان کی عمدہ سیاست، اکبر کے جرنیل خان زمان (۱۵۶۳ء - ۱۵۶۷ء) کی سلیمان خان سے دوستی، ۱۵۶۵ء اور ۱۵۶۷ء میں خان زمان اور ۱۵۶۷ء میں اکبر کے بھائی مرزا حکیم (حکمران کابل) کی اکبر سے بغاوتوں اور سلیمان خان کا پشتونوں سے اچھے سلوک کی وجہ سے اکبر سلیمان خان کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔

سلیمان خان ۱۵۷۲ء میں وفات پا گیا۔ پشتونوں کی تباہی اور اکبر سے دشمنی کے دنوں میں سلیمان خان کا بہار، بنگال اور اوڈیسہ کی طاقتور حکومت کا بنانا سلیمان خان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

بایزید خان اپنے باپ سلیمان کے بعد اس کا جانشین بنا۔ اس نے اپنے باپ کی روش کے خلاف خطبے میں اکبر کی بجائے اپنا نام ڈال دیا۔ اور پشتونوں سے بدسلوکی کی وجہ سے انہیں اپنا دشمن بنا لیا جنھوں نے اس کے برخلاف سازشیں شروع کر دیں۔

لوحانڑیوں نے قتلو لوحانڑی کی سرکردگی میں حسنو خان (سلیمان کے بھائی عماد خان کے بیٹے) کو بادشاہ بنایا اور کچھ دنوں کے بعد بایزید خان کو قتل کر ڈالا۔ لودی نے سلیمان خان کے سب سے چھوٹے بیٹے داؤد خان کو بادشاہ بنایا۔ اور بہار میں گجر کرلانڑی نے بایزید خان کے ایک بیٹے کو بادشاہ بنایا۔

داؤد خان اور اس کے جرنیل لودی نے حسنو خان کو ایک جنگ میں مار ڈالا۔ لودی خان نے صلح سے گجر خان سے داؤد خان کی بادشاہی منوائی۔ لیکن عین اس وقت جب کہ لودی منعم خان کو شکست دینے

والا تھا داؤد خان نے لودی سے ناراض ہو کر اسے اپنا دشمن بنایا اور بعد میں مار ڈالا۔

داؤد خان اپنے آپ کو اکبر کا ہم پلہ سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا، خطبہ اپنے نام پہ کیا اور اپنا سکہ جاری کیا اور اپنے پشتونوں کو القاب سے نوازا۔

لودی کی موت کے بعد اکبر نے لالچ میں آکر پٹنہ پر حملہ اور ۱۵۷۴ء میں فتح کیا۔ اس کے بعد مغلوں نے سورج گڑھ، مونگھیر، بھاگلپور، کلگانگ وغیرہ بھی پشتونوں سے فتح کئے۔

اپریل ۱۲، ۱۵۷۵ء میں کئی جنگوں اور شکستوں کے بعد منعم خان نے صلح کرتے ہوئے بنگال اور بہار اکبر کو دئے۔ منعم خان کی موت کے بعد داؤد خان نے بنگال مغلوں سے واپس جیت لیا۔ لیکن آخر کار ۱۵۷۶ء میں ۱۲ جولائی کو راج محل کی لڑائی میں مغلوں نے داؤد خان کو اس کے سرداروں یعنی سری ہری اور قتلو کی غداریوں کی وجہ سے شکست دیدی۔ سری ہری جنگ کے درمیان داؤد خان کا خزانہ لے بھاگا اور قتلو نے حسن قلی خان المخاطب بہ خانجہان (مغلی) کے ساتھ اوڑیسہ کے چند پرگنوں کے ملنے کے بدلے میں عین جنگ کے وقت میدان سے بھاگ نکلنے کا معاہدہ پورا کیا۔ چنانچہ جنگ کے بعد مغلوں نے بنگال اور بہار تو لے لئے لیکن اوڑیسہ قتلو کو دیدیا۔

یوں ۱۵۷۶ء کے بعد پشتونوں نے ایک بار پھر پشتونوں کا گوشت کھایا اور ہند میں مغلوں کی متوازی حکومت کو کھویا۔ لیکن قتلو کی غداری سے حاصل کی ہوئی حکومت بھی اس کے خاندان سے ۴۰ سال کے اندر ہی جاتی رہی ۱۶۱۲ء میں لوحانڑی خاندان کا آخری حکمران خواجہ عثمان مغلوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اور اس کا بھائی خواجہ ولی جہانگیر کا نوکر بن گیا۔

کرلانڑیوں کی حکومت کھونے کے اسباب سری ہری اور قتلو کی غداری، پشتونوں کا آپس میں بے اتفاقی، تاج خان اور کاکڑوں کی لڑائی میں اپنی طاقت گھٹانا اور دشمن بنانا اور مغلوں سے لڑائی کے دوران میں ابراہیم سوری اور سلطان محمد عادل سے لڑنا تھے۔

کودے اور ککے

ککے (جسے کیئوں نے غلط طور پر ککی لکھا ہے) کی اولاد کے شجرے میں سلیمانی، مخزنِ افغانی، مراۃ الافاغنہ اور کتاب الانساب متفق ہیں کیونکہ اُس کی اولاد اپنے اصلی ٹھکانے سے زیادہ نہیں ہلے + سلیمان ولد ککے کی اولاد سے بعض وزیر تو آج بھی کوہِ شوال میں رہتے ہیں - ملک میری بھی بہت نہیں ہلے - اور بنوچی تو بنوں سے نکلے ہی نہیں +

کودے کی اولاد کے شجرے کی پہلی ایک یا دو پشتوں میں فرق آنے کا سبب یہ ہے کہ ان قبیلوں کے بہت سے لوگ اپنے ٹھکانے سے ہلے ہیں اور اکثر تو ہندوستان بھی گئے ہیں - اس لئے

(۱) سلیمانی کودے کے چھ بیٹے اور باقی سب سات لکھتے ہیں + سلیمانی منگلے کو کودے کی اولاد نہیں مانتا +

(۲) خان (بہ حوالۂ تاریخ مرصع) اتمان کے ایک بھائی کا نام بربان اور دلازاک اور ورک کو بربان کے بیٹے لکھتا ہے +

(۳) مخزن افغانی (ص ...) اور مراۃ الافاغنہ نے کودے کے لڑکے یوں لکھے ہیں:-

کودے

موسیٰ منگلے دلازاک ورک دلو ہوئے وردگ

یہ شجرہ اس لئے غلط ہے کہ (۱) دلازاک کو شروع میں بڑا نہیں لکھا ہے - اور (۲) اس میں سید محمد گیسو دراز کے دو بیٹوں ہوئے اور وردگ کے نام ہیں۔

(۴) حیات افغانی نے اس ضمن میں سخت غلطیاں کی ہیں - اس میں لکھا ہے کہ ککی (ککے) کے چار بیٹے تھے : بربان (جسے خان کودے کا لڑکا لکھتا ہے)، خوگیانی (جسے سب کودے کا لڑکا کہتے ہیں)، سلیمان اور شیتک + یوں کودے کے دو بیٹوں (بربان اور خوگیانی) کو ککے کے بیٹے بنا دیا ہے +

پھر اتمان اور لقمان کو (جو بالاتفاق کودے کے بیٹے ہیں) اور خدران کو (جو منگلے کے بیٹوں میں سے ایک تن ہے) بربان کے (جسے ککے کا بیٹا لکھا ہے) بیٹے اور عثمان عرف افریدی کے بھائی بنا دیا ہے +

(۵) تاریخ مرصع نے خان کی قلمی بیاض کے حوالے سے خٹک کو ککی کا لڑکا لکھا ہے۔ حیات افغانی جلد ۲ ص ۳۲۸ نے بھی اسکی نقل کی ہے۔
(۶) خلاصۃ الانساب نے کودے کی اولاد کا شجرہ یوں لکھا ہے :-

کودے

اتمان — دلازاک — ورک زئی — مانی خٹک — منگلی — خوگے

منگلی: فرید (افریدی)

خوگے: مخبل — خدران — بہادروزی

اور خوگے کے ساتھ لکھا ہے : " بعض لوگ کہتے ہیں کہ خوگے کودے کا بیٹا نہ تھا بلکہ کوکے [ککے] کا بیٹا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمْ بِالصَّواب۔"
اسی کتاب میں ککے کی اولاد کا شجرہ یوں درج ہے :-

کوکی [ککے]

سلیمان — دوڑ — سوراتی — ملہی — کیوی — ادوجل

سلیمان: وزیر — بائی — ملکمیری — کابینزی (بنگش)

دوڑ، سوراتی، ملہی، کیوی، ادوجل: (بنوچی)

باقی کے شجرے اس قدر مضحکہ آمیز ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی بھلا ہے۔

* * *

ختم شد حصہ اول۔

وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق وَ مِنْہُ الْھِدَایَت اِلیٰ التَّحْقِیْق وَ التَّدْقِیْق ۰

حصہ دوئم
(لقمان سے آج تک)

تاریخ
خٹک

مصنفہ

محمد سرفراز خان خٹک عقاب
بی۔اے آنرز، ایم اے، ایل ایل۔بی (علیگ)
یونیورسٹی گولڈ میڈلسٹ، ایڈوکیٹ
بنوں شہر

بار اول:
۱۰۰۰

سنہ ۱۳۸۴ھ
۱۹۶۴ء

قیمت

لقمان عرف خٹک

یہ نام در اصل "خٹک" تھا + ہمارے نسابوں میں سے کسی مسخرے نے اس کی وجہ تسمیہ لکھنے کی غرض سے وہ کہانی لکھ دی جس کا ذکر آگے آجائیگا اور اسی کو حقیقت کا رنگ دینے کیلئے خٹک کا نام لقمان اور عرف خٹک لکھ دیا + ہمارے نساب ایسا کرتے چلے آئے ہیں جس کی بعض مثالیں آپ آگے پڑھ چکے ہیں جن میں سے بعض بہت شرمناک ہیں مثلاً غلزئی کی وجہ تسمیہ اور بعض تمسخر آمیز مثلاً خروٹہ کی وجہ تسمیہ - اور بعض بالکل بے بنیاد مثلاً کرلان کی وجہ تسمیہ جو آپ آگے پڑھ چکے ہیں - یا لقمان کی وجہ تسمیہ جو آپ اب پڑھینگے + اور جس کے پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ جائینگے کہ "لقمان عرف خٹک" کی بجائے "خٹک عرف لقمان" اصح ہوگا +

لیجئے یہ حوالۂ تاریخ مرصع خان کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بیاض اور حیات افغانی وغیرہ سے آپ بھی سن لیجئے :-

"ایک دن لقمان اپنے بھائیوں عثمان، زدران اور اتمان کے ساتھ شکار یا کسی اور کام سے صحرا کو جا رہا تھا + سامنے سے افغان قبیلے کی چار لڑکیاں آتی دکھائی دیں جن کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ کنواریاں ہیں + اس کے بھائی آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو ایک بڑا شکار ہے - بذریعہ قرعہ اندازی ایک ایک اپنا لینگے + لقمان جو سب سے بڑا تھا بولا کہ ٹھہرو - پہلے مجھے ایک چن لینے دو پھر لگایا پھر تم قرعے ڈالتے رہنا + اس کے بعد لقمان نے ان چاروں میں سے ایک کو بغیر اس کا بشرہ دیکھے صرف لباس کی خوبصورتی دیکھ کر اپنے نام پر کرلی + باقیوں میں سے ایک ایک اسکے بھائیوں کو بذریعہ قرعہ اندازملی + دیکھیں تو لقمان کے حصے میں کالی آئی تھی + لیکن چونکہ اس پر اس کا نام اٹھا تھا لقمان کو شرماً قبول کرنی پڑی + یہ دیکھ کر اس کے بھائیوں نے ازراہِ تمسخر

کہا: "لقمان پہ خشوکتے لاڑہ" + اور یوں لقمان خٹک پھر مشہور ہو گیا +

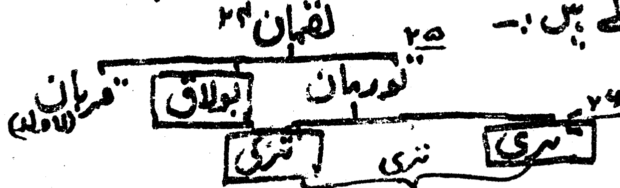
اب ذرہ اس افسانے کی نامعقولیت اور عدم امکان کو دیکھئے:-
(۱) خٹک کے بھائیوں کے نام غلط دئے ہیں + عثمان اور عَدوان لقمان کے بھائی نہ تھے (ملاحظہ فرمائیے کرلان کا شجرہ) + یہ بھی چار کنوارے اور سامنے سے بھی چار ہی کنواریاں آتی ہیں۔ نہ کم نہ زیادہ + (۳) ان کے لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنواریاں ہیں ۔ گویا شادی شدہ لڑکیاں کسی خاص قسم کا لباس پہنتی تھیں + (۴) چاروں بھائی چار لڑکیوں کو دیکھتے ہی انہیں بانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں ٹھہرتے کہ پہچان تو لیں کہ کہیں ان کی قریبی رشتہ دار نہ ہوں ۔ چہ جائیکہ ان سے پوچھنا کہ تم کون ہو + (۵) ان لڑکوں کی طرح یہ لڑکیاں بھی بغرض شکار یا کسی اور کام سے صحرا جا رہی تھیں + (۵) لقمان لڑکیوں کے پڑے تو دیکھ سکتا ہے لیکن ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتا۔ شاید یہ افغانزادیاں خلاف عادت کالے مصری برقعے پہنے ہوئے صحرا گئی تھیں + (۶) انہوں نے اپنا رشتہ وواہ کرنے والوں سے کسی قسم کا احتیاج نہ کیا + جیسے وہ ان کے طلبگار تھے ایسی ہی یہ ان کی منتظر تھیں + (۷) لڑکیوں کے چلے جانے پر ان کے (چار) قبیلوں نے ان کی کسی قسم کی تلاش نہ کی + گویا کسی دور ملک سے خصموں کی تلاش میں یوں آوارہ ہو کر آئی تھیں کہ پھر ان کے وارثوں کو ان کا پتہ بھی نہ چلا ۔ یا اس وقت کے افغانوں میں سوئمبر رچانے یا گندھرب وواہ کا رواج تھا + اور (۸) "پہ خشوکتے لاڑہ" سے "پہ" غائب ہو جاتا ہے + "خشو" سے "و" جاتا رہتا ہے۔ "کتے" کا "ک" "خ" سے مل جاتا ہے اور "تے لاڑہ" اپنی راہ چلے جاتے ہیں اور یوں اس لمبے فقرے سے "خٹک" کا لفظ بن جاتا ہے + اس ضمن میں آپ کیرو کا تخیل پہلے پڑھ چکے ہیں +

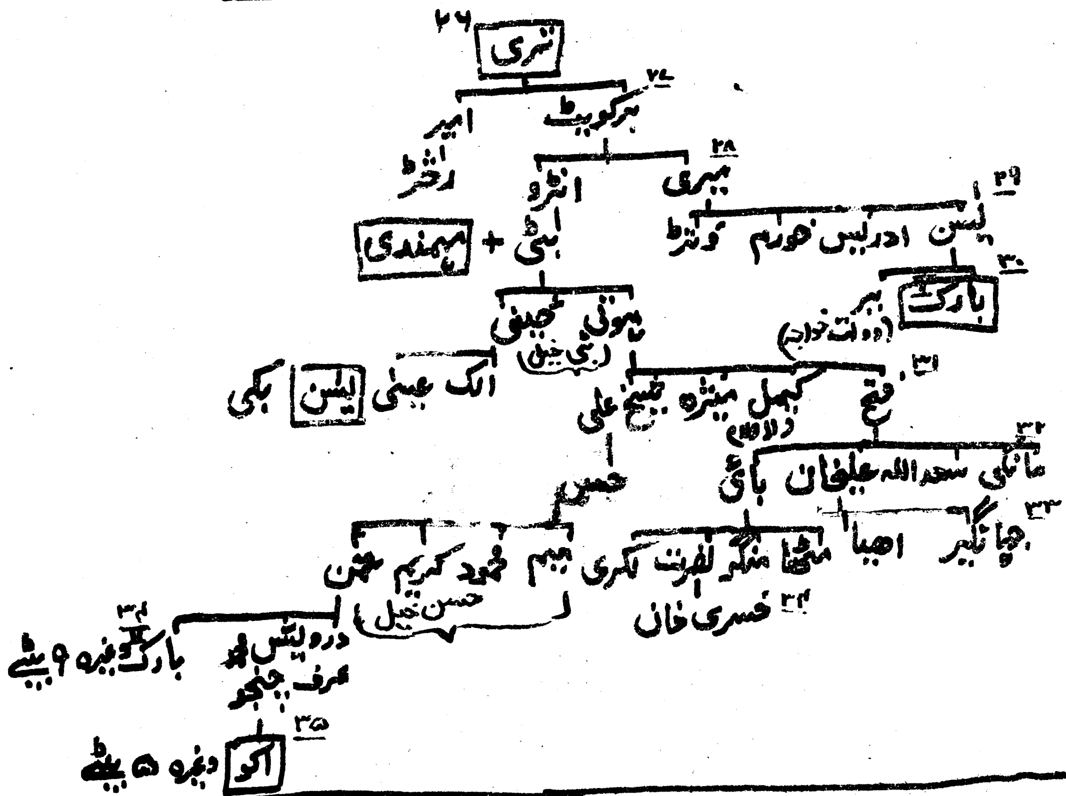
تاریخ مرصع وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ لقمان کی بیوی کا نام سباکہ "قد سرو کا" آنکھ ہرن کی سی" رنگ پکا" جسم مضبوط" اور زبان میٹھی تھی اور وہ دور اندیش اور ہوشیار تھی + لقمان کی اولاد سباکہ سے پیدا ہوئی تھی +

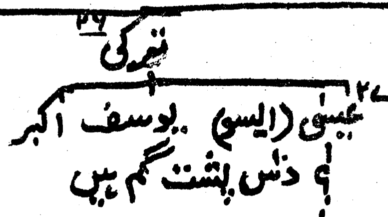
لقمان کی اولاد

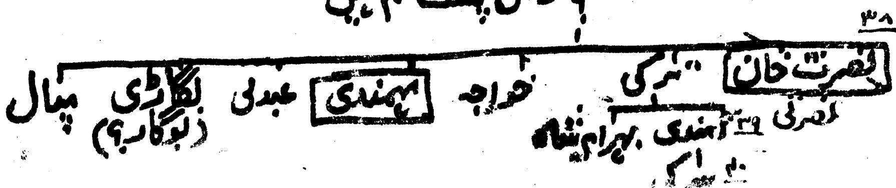
اب ہم پہلے لقمان کی اولاد کا شجرہ لکھینگے۔ ان کے مجموعی حالات اور چند مخصوص قبیلوں کا حال لکھینگے جو وصلی گنے جاتے ہیں۔

اس شجرے میں لقمان کا شمارہ ۲۴ دیا گیا ہے جس کی وجہ ہم حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں:-









۲۶ بولاق

۲۷ ساغر آغذیک مروت

(ساغری) (مروزی)

۲۷ مروت

۲۸ عطاردتوم — خواجه — ۲۸ محمود

۲۹ ذلو — مندوبی — ۲۹ عالم

۳۰ درملکه مندی موشنک ۵ پښت گم — ارعثمان صابر بهرام عمر — درهخان خواجه حسنو

۳۵ خورم — یوسف دولت حسن بازدین اره‌دین — الله‌داد بیان‌داد

کریم داد

تری اور بولاق

کسی زمانے میں خٹکوں کی سب آبادی دو گروہوں میں منقسم تھی:
(۱) تری اور (۲) بولاق ۔ آج کل بولاق تو اپنی ایک بڑی آبادی بولاق نامہ کی وجہ سے کچھ کچھ نمایاں ہیں لیکن تری کا تو نام بھی کسی کو یاد نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے زمانے میں بولاق خٹکوں کے علاقہ کے شمال اور تری جنوب میں آباد تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ تخصیص بھی جاتی رہی اور آج تریوں کے علاقے میں بولاقوں کی اور بولاقوں کے علاقوں میں تریوں کی بڑی بڑی آبادیاں موجود ہیں۔ مثلاً اکوڑہ جو تری خٹک ہیں ڈھکنامہ کے شمال میں اور خورم جو بولاق قبیلے سے ہیں ڈھکنامے کے جنوب میں بھی بستے ہیں۔

تری لقمان کے پوتے تری (ولد لورمان) کے نام سے اور بولاق لقمان کے بیٹے بولاق کے نام پر مشہور ہوئے تھے۔ ان دونوں میں سے قوم کی سرداری تریوں میں رہی ہے کیونکہ وہی لقمان کے بڑے بیٹے لورمان کی اولاد ہیں جو اپنے باپ کی موت کے بعد اس کا جانشین بنا تھا۔

تری اور تنکی مل کر تری کہلاتے ہیں۔

تری کے مشہور قبیلے لقرنی، بارک، اکوڑ خیل اور کاکا خیل اور بولاق کے ساغری، تندرک اور مروت ہیں۔

چونکہ خٹکوں کی آبادی کی اکثریت کوہاٹ میں رہی ہے جہاں وہ اب بھی بنگشوں کے ساتھ اب بھی تقریباً مساوی التعداد ہیں اور چونکہ ۱۸۵۱ء میں بھی ریڑہ اور خوڑہ اور الحاق کے وقت سے لے کر ۱۸۹۵ء تک خوڑہ اور نیلاب بھی کوہاٹ ہی کے حصے رہے ہیں۔ اس لئے انگریزوں کے وقت کی کوہاٹ کے متعلق تحریروں میں تریوں کے متعلق اور خصوصاً ان کی خانی کی وجہ سے اکوڑ خیلوں کی بابت تو بہت کچھ مل جاتا ہے۔ لیکن چونکہ ضلع پشاور میں خٹکوں کی آبادی اس ضلع کے شمال مشرقی حصے میں

محدود اور غیر قبیلوں کے ساتھ ملی جلی ہے اور آبادی یا رقبے کی وسعت کی جانب سے بھی ممتاز حیثیت نہیں رکھتی اس لئے انگریزی دور کی تجاویز میں ضلع پشاور کے خٹک قبیلوں کے مفصل حالات نہیں پائے جاتے۔

اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ خٹکوں کی خانی کا اصلی مرکز اکوڑہ میں تھا جو کہ (تحصیل نوشہرہ) ضلع پشاور میں ہے۔ لیکن وہ خانی سکھوں ہی کے وقت میں تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ اور پاکستان بننے کے بعد وہاں کے خانی کے آخری نمائندے محمد اعظم خان ولد خانبہادر محمد زمان خان کی ۲۰۰۰ نقد کی جاگیر ختم ہو جانے کے ساتھ تو اب اس خانی کا نام و نشان ہی نہیں رہا - لیکن ضلع کوہاٹ میں آج بھی ہمارا خان موجود ہے۔ اس خان کی خانی کا ذکر آگے آجائیگا۔



خانہ کوچی

ہزاروں برسوں سے مختلف قبیلے مثلاً ایرانی، دراوڑ، ہندی آریہ، یونانی، ھُن، سیتھین اور مغل وغیرہ پشتونخوا کے متعدد تنگ دروں کے رستے مغرب سے مشرق کی طرف اترتے اور ہندوستان کی زرخیز زمین کی طرف جاتے تھے۔ بہ استثنائے وادئ سندھ" قبائل کی یہ آمد سالوں یا آٹھویں صدی عیسوی میں بند ہوگئی۔

مسلمان فاتحین سینکڑوں سالوں تک اُس پہاڑی علاقے تک نہیں پہنچے تھے جو میدانوں کے کناروں پڑا ہوا ہے۔ اور ان علاقوں کی غیر مسلم آبادی صدیوں تک نہ ستائی گئی۔ یہ یقیناً وہی لوگ تھے جو اس علاقے کے اصلی اور قدیمی باشندے تھے جو یا تو زمانۂ قبل از تاریخ سے یہاں آباد تھے یا بہت قدیم زمانے سے محفوظ جائے رہائش کی تلاش اور جبال میں اس علاقے میں رہنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں جب انسانوں کی آبادی کم اور غیر محفوظ تھی اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کی کمی کی وجہ سے زندگی کا انحصار زراعت سے زیادہ مال مویشی پالنے پر تھا۔ اس لئے لوگ سرسبز اور محفوظ پہاڑی وادیوں کو کھلے، غیرآباد میدانی علاقوں پر ترجیح دیتے تھے۔

روایت خانہ کوچی کو خرشبون کی اولاد غوریہ خیل اور خوخے خیل کی طرف منسوب کرتی ہے۔ مگر لانڑی قوم کی خانہ کوچی اگر کچھ ہوئی بھی ہے تو تاریخی زمانے میں ہوئی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ پھر کوئی اور لوگ بھی اپنی کمزوری کی وجہ سے ان پہاڑی وادیوں میں رہنے پر مجبور ہوگئے ہوں اور ان پہاڑی علاقوں کے اصلی قدیمی باشندوں کی پناہ ڈھونڈ کر ان کے ساتھ بسنے لگے ہوں اور اب بہ مرورِ زمان ان میں ایسے خلط ملط ہوگئے ہوں کہ دونوں میں تمیز ناممکن ہوگئی ہے۔

بارھویں صدی عیسوی میں وادئ سندھ اور اس کے آس پاس کے پہاڑوں میں پشتون قبائل کا آہستہ آہستہ دخول شروع ہوا۔ یہ قبائل خانہ بدوش تھے اور یا تو وزیرستان کے پہاڑوں میں ٹھکانہ جماتے تھے یا بالائی ڈیرہ جات کے میدانوں میں۔

ایسے آثار موجود ہیں کہ خٹکوں یا ان کے کچھ قبائل کی جائے (اصلی) رہائش افغانستان میں یا بالخصوص غزنی کے گرد و نواح میں تھی۔ مثلاً کابل اور خٹکوں کے علاقے میں بعض ناموں کی مشابہت۔ مثلاً لوگر = لیوغر اور کرک = کرک۔ (۲) موجودہ محققین کا ستاگیدی کی جائے وقوع کا غزنی کے قریب و جوار میں متعین کرنا۔ اور (۳) خٹکوں کے بعض قبیلوں مثلاً ٹیری میں بولاقوں کی مروت عرف ھم زئی قبیلے کی شئی خیل اور ہموکی شاخوں کا بروقت بندوبست یہ بیان کہ ہم غزنی سے آئے ہیں۔ اس نظریے کی تائید کرتے ہیں۔ اینڈریو بارتھو کا بیان کہ ستاگیدی کی جائے رہائش غزنی تھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ محمود غزنوی کا درباری مورخ عتبی بھی اپنی کتاب تاریخ یمینی میں لکھتا ہے کہ اس وقت الافغانیہ [افغان یعنی پشتون] غزنی کے مغرب کو کوہ سلیمان میں رہتے تھے۔

ھزار سال سے بھی پہلے ہم خٹکوں کو کوہ شوال میں (جو کہ کوہ سلیمان کی شمال مشرقی شاخوں کا نام ہے) کی وادی اور خونترہ کی پہاڑیوں میں (جو کہ کوہ شوال کی شاخیں ہیں) پاتے ہیں۔

پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں جو طوائف الملوکی بنی تھی اس کی وجہ سے قبیلوں کی خانہ کوچی ایک بار پھر شروع ہوگئی اور بعض طاقتور قبیلوں نے کمزور قبیلوں کو ان کی جائے رہائش سے دھکیل دیا۔ مغرب سے مشرق کی طرف قبیلوں کے اس سیلاب میں بعض خٹک بھی بنوں کے شمال میں واقع خٹک کم پہاڑوں سے اتر کر آتے تھے اور بنوں کے شمال مشرقی حصے میں اپنے ریوڑ چراتے تھے (جس کی تفصیل آگے درج ہے)۔ یہ تقریباً بابر کا زمانہ تھا۔ اس وقت قبیلوں کی مجموعی

خانہ کوچی کم ہو گئی تھی اور قبیلوں کا ایک دوسرے سے جگہ پکڑنے کو کافی عرصہ گذر چکا تھا۔ تاہم جب کبھی کوئی قبیلہ اپنی تعداد کے بڑھ جانے کی وجہ سے کسی دوسرے قبیلے کی جائے رہائش کی طرف بڑھنے پر مجبور ہو جاتا تو وہ ساکن قبیلہ اپنی جگہ اس نووارد قبیلے کے لئے چھوڑ کر اور کہیں ہٹ جاتا تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ نہریں تھیں نہ آج کل کی طرح پختہ عمارتیں اور جائیدادیں۔ بس یہی کیزدئی (خیمہ) تھے اور اللہ پاک کی وسیع زمین۔ ایسے میں بھلا زمین کے کسی ٹکڑے کے لئے کون کسی کو مارتا یا مرتا؟ اور اگر جنگ کر کے جیت بھی جاتا تو سوائے کئی جانیں کھونے کے اپنی زمین سے زیادہ تو کچھ پاتا نہ اور اگر ہار جاتا تو جگہ ہار لینے کے ساتھ ہی بہت سی جانیں بھی مفت میں گنوا دیتا۔ کیونکہ پشتونوں میں یہ رواج تھا کہ جنگ ہو جانے کی صورت میں جیتنے والے قبیلے کو اپنی جگہ ہارنے والے قبیلے کے لئے چھوڑنی پڑتی تھی۔

وقتاً فوقتاً اس قسم کی خانہ کوچیاں چھوٹے پیمانے پر آج بھی جاری ہیں۔ وادی کرم میں توریوں نے کوہ سفید کے دامن میں بالائی کرم کا علاقہ بنگشوں سے اب ماضی قریب میں پکڑا ہے۔ اس قسم کی حصول اراضی زور کی بجائے زر کے ذریعے بھی ہوتی ہے جیسا آج کل بنوں میں وزیر قبیل بنوں کے چاروں طرف اور بیچ میں سے بنوچیوں سے زمینیں خرید رہے ہیں۔

یوں تو پشتون ۴۸۲ سنہ کی حدود میں اپنی پہاڑی پناہ گاہوں سے نکل آئے تھے اور اپنے آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کیا کرتے تھے کیونکہ: (۱) دنیا کے بڑے بڑے ڈاکوؤں مثلاً سکندر اعظم، چنگیز خان، ہلاکو خان، سلطان محمود غزنوی، امیر تیمور اور بابر وغیرہ کی مثالیں آئے دن ان کی نظروں کے سامنے گزرتی تھیں جو خود کو بادشاہ کہلانے کے باوجود اوروں کی املاک کو چھیننے کے لئے دور و دراز کے سفروں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ پشتون ان کی مثال قابل تقلید سمجھتے تھے اور جو کچھ وہ بین الاقوامی لٹیرے بڑے پیمانے پر کرتے تھے یہ بھی چھوٹے پیمانے پر کرتا تھا

(۲) ہر علاقے کے پشتون اپنے آپ کو اپنے علاقے کے بادشاہ سمجھتے ہیں اور انکے علاقے میں سے گزرنے والے سے اس کے سر اور دولت کی حفاظت کے بدلے میں کچھ پیشکش کی توقع رکھتے ہیں جو اگر خوشی سے نہ دیا جائے تو بہ زور وصول کرتے ہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ لاہور کے راجے نے شیخ حمید لودی افغان کو اس علاقے کے پشتونوں کا سردار اور لمغان اور ملتان کا صوبیدار مقرر کیا تاکہ اس علاقے میں امن بحال رکھے ۔ اور اسی وقت سے غزنی کے اور ان کے بعد کے آنے والے بادشاہ پشتونوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی اور ان پر عنایات کرنے لگ گئے ۔

لیکن ہم بہ مذکور اور دیگر قبائل کی خانہ کوچیوں کو الگ چھوڑ کر غلزئیوں کی خانہ کوچیوں کی طرف راجع ہوتے ہیں ۔

بہت پرانے زمانے کی خانہ کوچیوں کی تفصیلات سے ہم ناواقف ہیں اس بارے میں ہماری معلومات محمود غزنوی کے زمانے سے شروع ہوتی ہیں جو بدیہۂ قارئین ہیں ۔

خٹک اور بنوں

آج سے تقریباً ۷۵۰ سال پہلے محمد غوری کے زمانے (۱۲۰۶-۱۱۷۳ء) میں منگل اور ہنی قوموں کے ۲ چھوٹے قبیلے کوہ شوال سے مشرق کی طرف بنوں کے علاقے کو اتر آئے۔

ہندوستان کے مشرکوں سے لڑنے کیلئے جانے سے پہلے محمود غزنوی نے پہلے کوہاٹ کے مشرکوں کو تباہ کیا۔ وہاں اسے بتلایا گیا کہ سنڈرام (جس کا موجودہ نام آکرہ ہے اور جہاں بنوں کا دارالخلافہ تھا) میں بھی ایک بدعقیدہ قوم آباد ہے جسکا نام بنی (بدہ) اور عقیدہ ہندوؤں جیسا ہے۔ محمود نے بنوں کو ۳۹۱ھ/۱۰۰۱ء میں تباہ کیا۔ جس کے بعد بنوں تقریباً ۲۰۰ سال تک غیرآباد پڑا رہا اور جنگل بن گیا تھا اور ڈھنڈ کہلاتا تھا۔ یہاں تک کہ منگل اور ہنی یہاں آئے۔

منگل اور ہنی نے دریائے کرم کے بائیں کنارے بنوں کا شمالی علاقہ پکڑ لیا۔ وہ تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے بنوں کا سارا علاقہ آباد نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دریائے کرم سے چند نہریں کھود کر کچھ علاقہ تو آباد کر لیا لیکن باقی کا وسیع علاقہ اپنے بیشمار چوپایوں کے چرنے کیلئے جوں کا توں چھوڑ دیا۔

جب خٹکوں کی تعداد بڑھ گئی اور کوہ سلیمان کی مشرقی شاخ کوہ شوال کی وادی میں پیرغل چوٹی کے پاس ان کا وزیروں اور نیتکوں کے ساتھ گزارہ مشکل پڑ گیا۔ تو بعض خٹک کوہ شوال کی مشرقی شاخ کی طرف سے جسے کوہِ خٹک بھی کہتے ہیں لتمر کی طرف سے بنوں میں داخل ہو کر منگل اور ہنی کی مشرق کی طرف نہر سدراون کے علاقے پر قابض ہو گئے جہاں اب احمدزئی، بزن خیل اور سپیرکہ وزیر آباد ہیں اور جس کی بابت ایڈورڈس نے لکھا ہے "یہ علاقہ دریائے کرم کی مشرقی [شمال] کو نیہ جھنڈو خیل میں تھا [جہاں پر اب عابد خیل خٹک

آباد ہیں] اور اس لئے خٹکوں کا تھل کے ایک حصے پر دعویٰ بیجا نہ تھا۔"
اس وقت خٹک اپنی بھیڑ بکریاں وغیرہ سدراونڑ، تھل ڈبک، ایرل اور
چشتی میں چراتے تھے اور اپنے جانوروں کی حفاظت کیلئے ان جگہوں
میں کچھ خام آبادیاں بھی بنائی تھیں اور قابض تھے۔
بنوں میں تقریباً ڈیڑھ سو سال گزارنے کے بعد منگلوں اور بنیوں
میں آپس کی عداوت پڑ گئی - اور انہی دنوں انہوں نے اپنے سابقہ پیر
شیخ محمد روحانی سہروردی کو (جو شاہ رکن عالم ملتانی ولد سید جلال
سبز بخاری ملقب بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا مرید تھا اور ۸۲۵ھ/
۱۴۲۱ء یا ۸۳۵ھ میں وفات پایا تھا) غلے کی پیداوار میں سے دسواں
(عشر) اس کے پاس ارسال بھیجنا بند کر دیا۔ اس نے ایسا کرنے کا سبب
پوچھا - یہاں سے جواب ملا کہ شریعت کی رو سے عشر حاکم وقت کا حق ہے
تم تو ایک پیر ہو حاکم وقت تھوڑے ہی ہو - نہ تمہیں بطور اسلامی حکومت
کے حاکم ہونے کے ایسی کوئی ملکی ضرورت درپیش آئی ہے جو لوگوں سے
دسواں مانگو - اور نہ تو تم نے مسلمانوں کی رفاہ عام کیلئے کوئی بیت
المال کھولا ہوا ہے - تم کو ہماری محنت کے پھل میں سے حصہ لینے کا کیا
حق پہنچتا ہے؟ اور اگر تم خود کو وہاں کا حاکم بھی سمجھتے ہو تو بھی ہم تو
تمہاری مملکت سے نکل آئے ہیں - باوجود تھوڑی تعداد کے چند نہریں
کھود کر کچھ آبادی کی ہے جس سے ہمارا ہی گزارہ بہ مشکل ہوتا ہے - اس
پر مستزاد تمہارا مفت کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ یہاں ہم اپنی حفاظت
بھی خود ہی کرتے ہیں تو تم دسواں مانگنے کس بات کا ہو؟ یہی خیرات،
زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ جو تمہیں بھیجتے رہتے ہیں ان پر ہی فارغ رہو۔
اس حق گوئی کے سننے پر وہ پیر سخت بیچ پا ہوا۔ ان پر خار چول کا
حکم لگایا اور شیتک کی نسل سے کیوی اور سورانڑی بنوچیوں کو اپنے بیٹے
شاہ نیک بین کی سرکردگی میں روانہ کیا کہ بنوں [جو اس وقت ڈھنڈ
کہلاتا تھا) جاکر بنی اور منگل کو ملک بدر کردو اور ان کا علاقہ غصب کر لو۔

اس وقت شیتک خود بھی کوہ شوال میں وزیروں کے غلبے سے تنگ آ چکے تھے اور وہاں سے نکلنے کی فکر میں تھے۔ اس موقعے کو غنیمت سمجھ کر ان کے چار میں سے دو قبیلے ڈھنڈ کی طرف چل پڑے۔ اس علاقے میں پہنچ کر دریائے ٹوچی کے جنوب اور کوہ گبڑ کے شمال میں ورغڑ میں ڈیرے جمائے جہاں (ورغڑ میں) ایک جگہ کا نام اب بھی کیوی ببلہ ہے۔ پھر اور آگے بڑھ کر منگلوں اور ہنیوں کے ساتھ لڑائیاں شروع کر دیں۔

ان لڑائیوں میں بعض ہنی تو پس گئے اور بعض ہندوستان چلے گئے۔ اور بعض کچھ منگلوں کے ساتھ واپس مغرب کی طرف چلے گئے۔ ہنی کا ایک قبیلہ جس کا نام دومشتیہ ہے کرم کے پاس آباد ہے۔ منگل کچھ تو مارے گئے۔ کچھ واپس خوست اور کرم کی شمال مغرب کی طرف چلے گئے۔ لیکن کچھ بنوں میں ہی ڈٹے رہے مثلاً فاطمہ خیل خورد اور فاطمہ خیل کلاں میں نامور خیل اور سوورانٹری میں بازید خیل۔

بعض لوگوں کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ یہ ہنی سید محمد گیسو دراز کی ایک کرلانٹری لڑکی سے یا بقول بعض کرلان کی لڑکی سے پیدا شدہ اولاد ہے۔ کیونکہ ہنی تقریباً ۵۶۸ھ میں بنوں آئے تھے اور سید محمد ۸۲۵ھ میں مرا تھا۔ اب اگر بقول تاریخ خورشید جہاں ص ۲۷۶ اس کی عمر ۱۵۰ سال بھی مان لی جائے تو وہ (۸۲۵ - ۱۵۰ =) ۶۷۵ھ میں پیدا ہوا ہوگا۔ اور نتیجہ یہ نکلیگا کہ ہنیوں کا ایک قبیلہ بہ صورتِ ایک قوم اپنے مورثِ اعلیٰ کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال پہلے بنوں آیا تھا!

شیخ محمد روحانی کے نام کی رعایت سے شیتکوں کا بنوں آنا آج سے تقریباً ۶۵۰ سال پہلے عمل میں آیا ہوگا۔ تاریخ مرصع پر میجر ریلوڈن کے ایک حاشیے کے مطابق یہ واقعہ ۱۳۰۰ئہ کے حدود میں رو پذیر ہوا تھا۔

تھاربرن بنوں کے بندوبست کی رپورٹ میں اسے اپنے وقت سے ۵۰۰ سال پہلے یعنی ۱۳۷۵ئہ کی حدود میں بتلاتا ہے۔

منگلوں اور یہنیوں سے نبرد آزمائی کے بعد شیتکوں نے خٹکوں کے ساتھ لگاڑئی شروع کر دی۔

بابر کی کابل کی فتح (۱۵۰۴ء) سے چند سال بعد جب خراسان، دریائے دجلہ کے علاقے، کابل اور قندہار کے صوبوں، اور پنجاب اور دہلی کی حکومتوں میں کم و بیش امرا تفری کی حالت تھی، بنی اور بعض منگل بھی بنوں چھوڑ چکے تھے اور شیتکوں نے بھی اچھے پڑوسیوں کی طرح رہنے کی بجائے دراوت شروع کر دی تو خٹکوں نے بھی سدرا ونڑ میں مزید بالش مناسب نہ سمجھی۔ اور بعض تو واپس مشرق کو خوترہ کے شمال مشرق میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے گئے اور بعض چونسے نہر کو پار کر کے شمال مشرق کی طرف کر بوغہ میں اپنے عزیزوں کے پاس پہنچ گئے۔ چونکہ اس زمانے میں ویسے بھی خٹکوں کی شمال مشرق کی طرف ملک گیری جاری تھی۔ اس لئے سدرا ونڑ کے خٹکوں نے بھی اپنی علو العزمی کی وجہ سے اپنے دیگر اعزہ کی طرح نئے اور بہتر علاقے کی طرف جانا مناسب سمجھا۔

حیاتِ افغانی کا یہ لکھنا کہ پہلے سب خٹک سدرا ونڑ میں رہتے تھے اور پھر شیتکوں نے یہ علاقہ ان سے زبردستی چھین لیا بہ وجوہات ذیل عین خطا ہے: (۱) خٹک جیسی بڑی قوم کا سدرا ونڑ کے تنگ علاقے میں سمانا ناممکن تھا۔ (۲) خٹک جیسی عظیم الشان اور بہادر قوم کو شیتکوں کے محض دو قبیلوں (کیوی اور سورانڑی) کا زیر کرنا ماننے کی بات نہیں ہے۔ (۳) سدرا ونڑ کا علاقہ ایسا نہ تھا جس کے لئے بنوچی خٹکوں کی دشمنی مول لیتے۔ (۴) سدرا ونڑ پر کسی زمانے میں بھی بنوچیوں کا مکمل تسلط نہیں رہا ورنہ انگریزوں سے پہلے نہ تو وزیر سدرا ونڑ میں رسے چرا سکتے اور نہ یہ علاقہ بنوچیوں سے بغیر لڑے حاصل کر سکتے۔

خٹکوں کا تھل کا کچی علاقہ کھولنے میں انگریزوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے جس کا ذکر اس کتاب میں آگے تھل کے باب میں آجائیگا کہ انگریزوں

نے کیوں اور کس طرح وزیروں کی طرف داری کی۔) لیکن باوجود اس کے یوں دکھائی دیتا ہے کہ بنوچیوں کے اس قدر بسے نہ تھے کہ انہیں پورے سدراونٹر کی حاجت ہوتی۔ اور اس لئے خٹک، مروت اور وزیر بھی یہاں رمے چراتے رہتے تھے اور نہ اس علاقے میں بنوچیوں کو اس قدر تسلط ہی حاصل تھا جو دوسروں کو یہاں رمہ چرائی سے منع کر سکتے۔

خٹکوں کے سدراونٹر سے کوچ کا حال تو آپ پڑھ چکے۔ اور مروتوں کا اس علاقے سے بے دخل ہونا اور وزیروں کے یہاں پیر جمانا ہمارے موضوع کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ البتہ خٹکوں کا اپنے تھل سے مروتوں کا نکالنا، انگریزوں کا بنوں کا علاقہ قابو کرنے کی غرض سے وزیروں کا شیتکوں کے برخلاف استعمال کرنے اور بدیں غرض وزیروں کا دل جیتنے کے لئے ان کو خٹکوں کے تھل میں ایک بڑے خطے کا بلا استحقاق و بلا انصاف دینے کا کچھ حال آپ آگے پڑھ لینگے۔

خونڑے میں بسنے والے تری اور ترکی خٹکوں کا مشرق میں کیر کلہ سے لے کر مغرب میں لنمر تک اور جنوب میں عباسہ سے لے کر شمال میں خورم تک پھیلنے، ملیندیوں کا احمد والہ سے خوڑہ اور ترکیوں کا گرگری وغیرہ کو، اور احدن خٹکوں کا کربوغہ سے خوڑہ کو اور وہاں سے اکوڑہ تک پہنچنے، شکر درہ کے فتح کرنے، اکوڑہ سے شمال کی طرف لنڈے دریاب کے شمالی کنارے سے کوہِ صوات کے دامن تک اور پنجاب میں مکھڈ کے فتح کرنے، جہلم پر حکومت کرنے اور بہیرہ اور خوشاب تک پہنچنے کی تفصیلات آپ اس کتاب میں خٹکوں کے مختلف قبیلوں کے بابوں میں پڑھ لینگے۔

بنوں میں عابد خیل لیشتو کے وقت سے آباد ہیں۔ یہ خٹک ہیں اور اپنا شجرہ اکوڑ خیلوں سے ملاتے ہیں۔ لیکن حیات افغانی شیتک کے شجرے میں دوسری غلطیوں کی طرح انہیں بھی لکھ گیا ہے۔ بنوں میں صابو خیل خٹک وغیرہ کا کچھ ذکر آگے آجائیگا۔

خٹک اور بابر

بنگش علاقے کے اوپرلے اور نچلے حصے مغل اور ترک بادشاہوں کے زیر تسلط تھے۔ اور بابر کے زمانے سے بہت پہلے (غزنویوں کے زمانے سے) کابل، غزنی اور ہندوستان کے درمیان وہ بڑے بڑے اور قابل اعتماد رستے جن پر اس زمانے کے بادشاہ اور حکمران گزرا کرتے تھے بنگشوں کے علاقے میں واقع تھے۔ اس لئے وہ بنگش (جو علاقے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور قبیلے کے معنی میں بھی) کو اچھی طرح جانتے تھے۔

سنہ ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۴ء اور سنہ ۹۳۰ھ/ ۱۵۲۳ء کے مابین بابر بین ذمہ پشتونوں کے علاقے پر چڑھ دوڑا تھا۔ اس وقت بابر کا کردار ایک آدم خور، شرابی، زانی اور لٹیرے کا تھا۔ وہ جہاں کہیں پشتونوں کو پاتا انہیں مارتا اور لوٹتا اور ان کے سروں سے کلہ مینار بناتا۔ مثلاً کوہاٹ میں دریائے سندھ کے مغرب سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک ہنگو، ٹل، بنگش، بنوں اور لکی میں، کابل کے غلزیوں، جگدلک اور لغمان کے مابین باجوڑ، دریائے صوات اور کاٹلنگ کے درمیان کے پشتونوں اور ہندوؤں کو مارا اور لوٹا تھا۔ وہ انہیں جرمانِ حرن کے ظالمانہ طریقے سے بھی مارتا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی نہ چھوڑتا تھا۔ وہ بابر نامہ (جلد۱ ص ۳۱۱م) میں لکھتا ہے کہ میں نے خضر خیل پشتونوں کے تمام بچے بھی قید کئے تھے۔

بابر نے ۳۷ سال کی عمر میں سنہ ۹۲۵ھ میں نشے شروع کئے تھے۔ وہ اتنی شراب پیا کرتا تھا کہ خود سے بےخود ہو جاتا تھا اور قئے کیا کرتا تھا۔ وہ صبح سے شام تک وقت بےوقت شراب بھی پیا کرتا تھا اور معجون اور کمالی بھی کھایا کرتا تھا۔

نشہ بازی کے ان دنوں کا اپنی زناکاری کا ایک قصہ بابر نے اپنے بابر نامے (جلد ۲ ص ۱۷م) میں لکھا ہے۔ اس دن اس نے صبح کے پہلے پہر (۹ بجے سے) نماز خفتن تک شراب پی رکھی تھی اور وہ اس

دن کے واقعات میں لکھتا ہے: "تردی بیگ نے مجھ سے کہا کہ ہلہل انگا میرے ساتھ شراب پینا چاہتی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے تو کبھی کسی عورت کو شراب پیتے نہیں دیکھا۔ اسے بلا لاؤ۔ ہم نے کابر کے لوگوں کو بھی بلا لیا۔ انہوں نے رباب بجایا۔ پھر ہم تردی بیگ کے ہاں گئے۔ اور شمع کی روشنی میں عین نماز خفتن تک شراب پی۔ ..... میں لیٹ گیا اور باقی کے لوگ ایک اور گھر کو چلے گئے۔ ..... ہلہل انگا اندر آگھسی اور مجھے بہت ستایا۔ آخر میں نے اس سے یوں چھٹکارا پایا کہ جان کو گرایا گویا کہ نشہ ہو گیا تھا۔"

شراب اور کباب، زنا اور گناہ اور پشتونوں کے قتل و غارت کے ان دنوں اور راتوں میں یوسفزئی قبیلے کا سردار شاہ منصور ولد ملک سلیمان شاہ بابر کے پاس آتا جاتا تھا اور مزیدار اور نشہ آور مٹھائی (کمالی) بابر کے پاس لے جاتا تھا۔ (بابرنامہ، ۲، ۳۷۳)۔

ایک دن جب شاہ منصور اپنی قوم کی طرف سے بابر کے پاس سفارت پر گیا تھا۔ بابر نے یوسفزی لشکر کے ساتھ صلح کی نیت سے شاہ منصور سے اس کی لڑکی مانگی۔ اور جمعرات ۲۵ محرم ۹۲۵ھ/ ۲۷ جنوری ۱۵۱۹ء کو شاہ منصور کے چھوٹے بھائی طاؤس خان نے شاہ منصور کی لڑکی بی بی مبارکہ کو بابر کے پاس مندیش نامی گاؤں کو جو کہ وادی کہراج میں واقعہ تھا پہنچا دیا۔ (ص ۳۷۵)۔

بابر چوتھے دن (اتوار محرم ۲۸) کو اس جگہ سے چل پڑا۔ اور جب چلتے چلتے باجوڑ پہنچ گیا تو ۹ صفر ۹۲۵ھ/ ۱۰ فروری ۱۵۱۹ء کو یعنی پندرہ دن کے بعد بی بی مبارکہ کو تو باجوڑ میں چھوڑ دیا اور خود لمگھ کو نکل گیا (ص ۳۷۶) جس کے بعد نہ تو بی بی مبارکہ کا کبھی نام ہی لیا اور نہ اس سے اس کی کوئی اولاد ہی پیدا ہوئی۔

یہ تھی بابر کی یوسفزئیوں سے رشتہ داری اور بی بی مبارکہ کی ازدواجیت جس کی بناء پر کیرو لکھتا ہے کہ بابر نے پشتونوں کی بابت

معلومات بی بی مبارکہ سے حاصل کی ہونگی! حالانکہ ۱۵ دن کے قلیل
عرصے میں تو وہ ایک دوسرے کی زبان بھی نہ سیکھ سکتے تھے!!
سنہ ۹۲۵ سے لے کر سنہ ۹۳۰ تک وہی بابر تھا وہی شراب، معجون
اور مٹھائی اور مار دھاڑ اور لوٹ مار۔ لیکن سنہ ۹۳۰ میں جب بابر ہند
پر چوتھی مرتبہ حملہ کرنے لگا تو اس نے ابراہیم لودی کے چچا علاءالدین
عالم خان اور ایک دوسرے رشتہ دار دولت خان یوسف خیل لودی
کے ذریعے ان دونوں کے لودیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور
لوہے سے لوہا کاٹ کر بابر نے سنہ ۹۳۲ / ۱۵۲۶ء میں ہندوستان فتح کیا۔
بابر کے اس تگ و دو سے واضح ہے کہ سنہ ۹۱۰ سے سنہ ۹۳۰ تک
یعنی پورے ۲۰ سال تک تو بابر پشتونوں کا جانی دشمن رہا۔ سنہ ۹۲۵
میں بی بی مبارکہ کو اپنے پاس بلوایا لیکن دو ہی ہفتوں کے بعد چھوڑ
دیا۔ سنہ ۹۳۰ میں چند لودیوں کے ساتھ صلح کر لی لیکن یہ دستور ہند
کی فتح کی فکر میں سرگرداں رہا۔ اور سنہ ۹۳۲ میں وہ تھا اور ہند کی شاہی۔
پشتونوں کے ساتھ مسلسل دشمنی، بی بی مبارکہ کے ساتھ دو ہفتوں
کی رہائش، اور ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے مسلسل لشکر کشیوں کے پیش
نظر ہم بابر سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ اس نے پشتونوں کی تاریخ لکھی
ہوگی۔ اور ایک دشمن کو دوسرے دشمن کے حالات جاننے کی جس قدر
امکانیت ہو سکتی ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں۔ نیز بابر نامہ بھی پشتونوں
کی کوئی "تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں تو بابر نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ اور
اگر کہیں پشتونوں کا ذکر آیا ہے تو وہ بھی ضمناً ہی آیا ہے۔
اب ہر چند کہ بابر نے بعض پشتون قبیلوں مثلاً افریدی، اورکزی،
بنگش، لودی، دلازاک، وزیر، مہمند، گگیانڑی، محمد زی، لوحانڑی،
نیازی، عیسیٰ خیل اور غلجئی کے نام تو لئے ہیں لیکن بڑے قبیلوں میں
اس نے خٹک، خلیل اور ابدالی کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ ملک داد کرانی
بابر کے پاس نوکر تھا۔

بابر نے کوہاٹ کے خٹکوں کا بالصراحت ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انہیں بنگش کے مجموعی نام سے یاد کیا ہے۔ بابر نے بنگش میں شمال میں کوہ سفید سے لے کر جنوب میں بنوں تک کا سب ملک شامل کیا ہے یعنی اس میں ٹیری کے خٹکوں کو بھی شامل کیا ہے۔ اور اس سب علاقے کے پشتونوں کو عمومی طور پر بنگش افغان لکھا ہے۔ قبیلوں کا فرق نہیں کیا۔ ٹری اور بولاق کا تومان شہباز خان I نے ۱۵۸۰ء میں بنگش کے تومان سے علاحدہ کیا تھا۔

بابر (جلد ۲ ص ۲۳۳) لکھتا ہے: بنوں کی زمینیں بالکل ہموار پڑی ہوئی ہیں۔ بنگش اور لغر پہاڑوں کے پیوست جو اس کے شمال میں ہیں۔ ان کے جنوب مشرق کو چوپارہ اور سندھ کا دریا ہے۔ ان کے مغرب کو دین کوٹ ہے۔ جنوب مغرب کو دشت (میدان) ہے جسے بازار اور طاق [ٹاک، ٹانک] کہتے ہیں۔ بنوں کی زمینیں افغان قبیلے کرانی [کرلانڑی] کیوی، سور، عیسیٰ خیل اور نیازی کاشت کرتے ہیں۔ بابر کے کیوی اور سور ظاہراً بنوچی ہیں جن میں سور، سورانی ہیں۔ اور عیسیٰ خیل اور نیازی لودی ہیں۔

بابر کے وقت خٹکوں کے کئی قبیلے بنوں میں سدراونٹر، مغل دبک، چشمتی وغیرہ میں آباد تھے۔

ہمایوں نے افریدیوں اور اورکزیوں کو محض اشارہ کیا ہے۔ لیکن ہمایوں کو شیر شاہ سوری کے ہاتھوں افغانوں کی تاریخ لکھنے کی فرصت ہی کب ملی تھی؟

مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں اگر بابر نے خٹکوں کا ذکر نہیں کیا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

* * *

خٹک اور کوہاٹ

خٹکوں کی آمد سے پہلے کوہاٹ ضلع کے جنوب میں کوہِ شوال کی شمال مشرقی پہاڑیوں میں جو اب کوہِ خٹک کہلاتے ہیں اور چراٹ کی پہاڑیوں میں کچھ ہندو ہوگی اور ان کے چیلے رہتے تھے۔ بعض خٹکوں نے یہ علاقے جبراً قابو کر لئے۔ ان خٹکوں میں سے بعض بنوں میں سدرا ونڑ وغیرہ کے علاقے اپنے مولیشیوں کے چرانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس کا حال اور بنوں سے چند خٹک قبیلوں کے کوچ کا حال آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔

بنوں سے بعض خٹکوں کے جانے اور خٹکوں کے پہاڑوں کی طرف آنے کے زمانے میں خٹکوں کے چند اور قبیلے جو شوال میں رہ گئے تھے ملک محمد درویش عرف جبجو کے ساتھ اُتر آئے اور کربوغہ (جو ٹیری کے شمال مغرب میں ہے) اور حسند (جو کربوغہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے) کے درمیان خس تنگی کے علاقے میں بس پڑے۔ بعد میں انہوں نے کربوغہ بھی آباد کر لیا۔

چودھویں صدی عیسوی میں ریشی سے لے کر کوہاٹ تک یعنی ضلع کوہاٹ کے شمال مشرقی علاقے میں اورکزئی قبیلہ آباد تھا۔ اور مغرب کی طرف سے بالائی بنگش یعنی کرم سے کرم کے رستے بنگشوں کے بعض قبیلے مثلاً باش زئی، ملک میری اور کاغزی یا ئین بنگش یعنی کوہاٹ کو خانہ کوچ آئے تھے اور کچھ کرم میں ہی رہ گئے تھے جو اب تک وہاں ہیں۔

اس سے پہلے ہی خٹک خوڑہ کا علاقہ بانٹ چکے تھے اور اس وقت بنگشوں اور اورکزیوں کے پڑوس میں بستے تھے۔ اور خٹکوں کی ان اورکزیوں کے ساتھ جو کوہاٹ کے پرانے شہر کے مغرب میں چند گاؤں میں آباد تھے کسی بات پر شکر رنجی ہو چکی تھی۔

بنگشوں کی مشرق کی طرف پیش قدمی کے دوران میں ان کی اورکزیوں سے ٹکر ہو گئی۔ بنگش بوجہ اپنی کمیٔ تعداد اور لوٗوارثگی

اورکزئیوں کی ٹکر کے نہ تھے - اس لئے وہ کمک مانگنے کے لئے خٹکوں کے پاس بہ طور ہمسایہ چلے گئے - اس لئے لقمان کی اولاد میں سے بعضوں نے بنگش کو مدد دی - اور پندرھویں صدی عیسوی میں بنگشوں اور خٹکوں نے ملکر اورکزئیوں کو ٹپی (جو کوہاٹ شہر سے ۳ میل جنوب کو ہے) اور محمدزئی (جو کوہاٹ شہر سے چار میل مغرب کو ہے) کے میدانوں پر شکستیں دیں - اورکزئی کوہاٹ کے شمال کی طرف واقعہ پہاڑوں کو چلے گئے + اور اورکزئیوں سے کوہاٹ یعنی بالائی بنگش کا علاقہ بنگشوں اور ریبی (جو گاؤں پٹیالہ میں کوہاٹ کے شمال مشرقی حصے میں ہے اور جو خانان خٹک نے سید پھول بادشاہ جیلانی متوفی ۱۸۷۹ء کے خاندان کو جاگیر میں دیا تھا) سے لے کر پٹیالہ، زبیرہ اور لورہ خیبرہ تک یعنی بنگش پایان کا علاقہ خٹکوں نے لے لیا + اور لاچی اور گداخیل کا درمیانی پہاڑ خٹکوں اور بنگشوں میں حدِ فاصل مقرر ہوا جو اب بھی بحال ہے +

رشید الدین اپنی "جامع التواریخ" میں رقمطراز ہے کہ اس واقعے کو ہوئے ہوئے پانچ سو سال ہوگئے ہیں - لیکن راورٹی (نوٹس ص ۹۰) کا خیال ہے کہ "یہ واقعہ اتنا پہلے نہیں گزرا جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں اور تدریجاً ہوا ہے - کیونکہ آئینِ اکبری میں بنگش اور اورکزئی کا ذکر کابل کی سرکار اور کابل کے صوبے کے بنگش کے تومان میں آیا ہے - آئینِ اکبری میں ایک اور جگہ اورکزئیوں پر ضلع کوہاٹ کے تومان میں تین سو گھوڑے اور پانچ سو پیادے "قلنگ" مقرر کیا ہوا لکھا گیا ہے اور دوسرے قبیلوں یا شاخوں کا ذکر نہیں کیا گیا + خٹک اور افریدی اورکزئیوں کے ساتھ بنگش تومان میں شامل کئے گئے ہیں + خٹکوں پر دو سو سوار اور چار سو پیادے اور افریدیوں پر پانچ سو سوار اور ایک ہزار پیادے "قلنگ" مقرر تھا + اسی وقت دوڑ، بنوں اور عیسٰی خیل

کو کابل کے صوبے کی ایک سرکار لکھا ہے۔ لیکن صرف اتنا لکھا ہے کہ "اس سرکار کے تمام باشندے افغان ہیں جن میں اکثریت سورانی [سورانڑی] کررانی [کرلانڑی] اور وزیری کی ہے + یہ صوبہ صرف نام کا صوبہ تھا کیونکہ یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ صوبہ کتنے آدمی یا ملنگ دے سکتا ہے +
اگر ہم مغل سلطنت کا گزیٹیر ایک حد تک قابل اعتماد سمجھیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنگاش ۹۰۶ھ / ۱۵۰۰ء سے پہلے کوہاٹ نہ لے سکے تھے +"

اس سے کچھ عرصہ پہلے لقمان کی اولاد میں سے مہندی قبیلے نے (جس کا ذکر آگے آجائیگا) دلازاکوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور خوڑہ ان سے لے لیا۔ ان کے بعد ماندوری اور ڈنگرزی بھی خوڑہ جاکر آباد ہوگئے +
خٹکوں اور بنگشوں کا اورکزیوں سے مفتوحہ علاقہ آپس میں بانٹ لینے کے بعد، اسی ملک گیری کے دوران میں شیرخان قوم سوریا خیل رجو مہندی اولس میں داخل ہے اور بارک کے بھائی ببر کے تپے سے ہے) سونیالہ پہنچا + کچھ عرصے کے بعد شیرخان کا آوازہ انڑو خیلوں [بٹی خیلوں + مہندیوں] کے کانوں تک پہنچا کہ وسیع ملک پا لیا ہے۔ انڑو خیلوں نے بھی اس کے پیچھے کوچ کر دیا +
چنجو بھی بٹی خیلوں کے مسکن کربوغہ سے اس کی طرف چل پڑا اور شیخ تنگی کے پاس ڈیرہ جما لیا + رفتہ رفتہ انڑو خیل بھی اس طرف پہنچے ملک چنجو کے وقت بٹی خیلوں کا سردار ملک جانی تھا۔ ملک چنجو کی موت کے بعد اس نے چنجو کے بیٹے اکو کو ستانا شروع کیا + اکو نے ساغری قبیلے کے ساتھ کربوغہ سے خوڑہ کو کوچ کیا جہاں مہندی، ماندوری اور ڈنگرزی پہلے ہی سے آباد تھے اور کواز درہ میں ٹھکانہ بنایا +
ملک جانی کے عزیزوں نے اسے کوسا کہ اکو کو بیگناہ خفا کیا اور ملک سے گم کر دیا۔ چاہئے کہ اسے واپس منا لاؤ + ملک جانی اکو کے پیچھے خوڑہ گیا لیکن اس نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا +

لیکن خود ملک جانی کو بھی خوڑہ پسند آگیا۔ پھر وہ درسمند کے بنگشوں کی دشمنی سے بھی تنگ تھا۔ کربوغہ لوٹ کر سوچنے لگا کہ اگر میں اپنی قوم کو یہاں سے لے جانا چاہوں تو وطن کی چاہ کی وجہ سے کوئی میرے ساتھ نہ جائیگا۔ یہی بہتر رہیگا کہ بنگشوں کے ساتھ کوئی دشمنی بنالوں تاکہ میرے سب لوگ میرے ساتھ کوچ کر لیں۔

ایک دن درسمند کے سرکردہ اشخاص شکار کو آن نکلے تھے۔ ہمیشہ کی طرح کربوغہ گئے۔ ملک جانی نے ان سب کو کھینٹ ڈالا۔ تب کربوغہ کے بٹی خیلوں کے ساتھ کوچ کر کے شکردرہ میں اترا۔ کالا باغ کے اعوانوں (جٹوں) کو پتہ لگا تو وہ گھبرا گئے کہ کہیں ہمارا وطن نہ لے لیں۔ اسلئے انہوں نے بٹی خیلوں پر حملہ کیا۔ لڑائی ہوئی۔ بہتیرے آدمی مارے گئے۔ بٹی خیل ہارے۔ شکردرہ چھوڑا اور خوڑہ کو سدھارے اور سونیالہ میں مقام کیا۔

کچھ عرصے کے بعد انکے ساتھیوں ساغری قبیلے کے جوانمردوں نے شکردرہ پر مکرر حملہ کیا۔ اور شکردرہ افتاں و خیزاں فتح کرتے ہوئے کالا باغ تک پہنچ گئے۔

* * *

خٹک اور پنجاب

رفتہ رفتہ خٹکوں نے مشرق کی طرف ٹیری ٹوئی اور دریائے سندھ کے سنگھم تک علاقہ فتح کر لیا۔ اس علاقے کے اکثر باشندے جو جاٹ ہیں لیکن اوان بھی کہلاتے ہیں خٹکوں کی پیش قدمی سے پس پا ہو کر سندھ ساگر دوآب کو چلے گئے جو کہ دریائے سندھ کے کناروں پر واقع ہے۔ پھر خٹکوں نے یہ علاقہ بھی فتح کر ڈالا اور مکھڈ لے لیا۔ اور مشرق کی طرف سکیسر یا سوبان سکیسر ("سکی" سنسکرت زبان میں جھیل کو بولتے ہیں) جا پہنچے اور وہ علاقہ بھی اوانوں سے لے لیا جہاں اوان جا کر بس چکے تھے۔ پھر خٹک دریائے جہلم کے کنارے بھیرہ اور خوشاب تک پہنچ گئے اور یہی علاقہ وہاں بھی فتح کر لیا۔

۵ ربیع الثانی سنہ ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء کو شاہجہان نے خوشحال خان سے منجملہ اور کئی سوالوں کے ایک سوال یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا یہ بھی تمہارے ہی خٹک ہیں جو بھیرہ اور خوشاب پر چڑھتے رہتے ہیں؟ خان نے جواب دیا کہ ہیں تو خٹک ہی۔ لیکن کوئی کیسا ہوتا ہے اور کوئی کیسا۔ (تاریخ مرصع)۔ اس کے بعد خان کے حسن انتظام کی وجہ سے خٹکوں کے اس جانب کے تاخت بند ہوگئے اور خٹک سندھ کے غربی کنارے کی طرف رہنے پر مجبور ہوگئے۔ لیکن سندھ کے شرقی کنارے پر مکھڈ کا علاقہ آج بھی خٹکوں کے پاس ہے۔

ایک مرتبہ شہباز خان خٹک ثانی (۱۷۵۹ء - ۱۱۷۹ھ) نے کالا باغ پر حملہ کیا تھا۔ جنگ میں کالا باغ کا رئیس عزت خان مارا گیا تھا۔ اور خٹکوں نے کالا باغ فتح کر لیا تھا۔ عزت خان کا بیٹا سرخرو خان کوہ سکیسر کو بھاگ نکلا۔ لیکن دوبارہ لاؤ لشکر اکٹھا کر کے کالا باغ جیت لیا۔ اور خٹکوں کے تعاقب میں ٹیری تک پہنچ کر لوٹ آیا۔ رؤسائے کالا باغ کا شجرہ حسب ذیل ہے:-

ملک عزت خان

سرخرو خان ملک سلطان

شاہ عالم خان محمد اعظم خان وغیرہ

اللہ یار خان (متوفی ماوراء سنہ ۱۸۹۹ء) نواب خان وغیرہ

(خان بہادر) مظفر خان (متوفی ۱۹۰۸ء) ورنہ باز خان

(خان بہادر) ملک یار محمد خان سلطان محمد خان

ملک عطاء محمد خان (ولادت ۱۸۶۶ء)

عرصہ تقریباً ایک سو ستر سال کا ہوا ہوگا کہ موجودہ نواب ٹیری باز محمد خان کے نکردادا نامر خان نے عیسیٰ خیل، مروت اور ساغری خٹک کی مدد سے کالا باغ پر حملہ کیا تھا۔ حملہ آور تین مہینے تک محاصرہ کئے رہے۔ لیکن آخرکار صلح ہوگئی اور لشکر واپس لوٹ گیا۔

خٹک اور پشاور

ملک اکوڑ کے بیٹے یحییٰ خان خٹک نے مندڑ (یوسفزئی) سے خوڑہ کے شمال سے لے کر لنڈئے دریاب کے جنوبی کنارے پر پڑا ہوا علاقہ فتح کیا تھا۔

لنڈئے دریاب کے شمالی کنارے کا علاقہ فتح کرنے کا حال آپ اس کتاب میں بائی زئی کے بیان میں پڑھ لینگے۔

* * *

موجودہ وطن

اخپل وطن کشمیر دہ، ما پردی وطن تہ وے وڑے؟ ــ زیہ م نشی دڑے +

موجودہ وقت میں خٹکوں کی آبادی کی اکثریت ضلع کوہاٹ کے سابق تحصیل ٹیری اور شکردرہ ـ ضلع پشاور کے تحصیل نوشہرہ ـ اور ضلع راولپنڈی کی تحصیل مکھڈ میں پائی جاتی ہے +

سابق تحصیل ٹیری میں لنرنی، مہندی، ترکی، بارک، لعض سینی، لعض خورم، اور لعض بولاق رہتے ہیں +

پٹیالہ اور زیڑہ میں سینی، اکوڑخیل اور مہندی رہتے ہیں +

شکردرہ میں ساغری خٹک آباد ہیں + ساغری کی ایک شاخ کا نام بنگی خیل ہے +

تحصیل نوشہرہ میں مجینی، اکوڑخیل اور بولاق وغیرہ رہتے ہیں +

کاکاخیل یا بیلن خیل مجینی کی ایک شاخ ہے +

خوشہ اور بہلاب میں زیادہ تر اکوڑخیل ہی آباد ہیں جو مجموعی طور پر بارک خٹک ہیں +

پشاور میں پرگنہ خلیل تپہ مہمند، پرگنہ ہشت نگر تپہ محمد زئی، پرگنہ خالصہ تپہ خالصہ، پرگنہ خٹک، پرگنہ یوسفزی تپہ بائی زئی میں بھی خٹکوں کی آبادی پائی جاتی ہے +

مکھڈ میں ساغری رہتے ہیں +

ان بڑی بڑی آبادیوں کے علاوہ خٹکوں کی دیگر قابل ذکر آبادیاں حسب ذیل ہیں:ــ

تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی اور کالا باغ میں خٹکوں کی کافی آبادی موجود ہے +

احمد زی وزیروں میں بھی خٹکوں کی ایک خاصی آبادی موجود ہے +

تحصیل بنوں میں بھی خٹکوں کی خاصی آبادیاں موجود ہیں۔ مثلاً: غربلی، جھنڈو خیل، کوٹکہ بہرام شاہ میں عابد خیل خٹک، غوربوالہ کے پاس ٹبری کلہ، بنوں شہر کے جنوب مشرق کو کوٹکہ خٹکان ہیں اور بنوں سٹیشن کے پاس کوٹکہ غلام قادر اور بہظم بازار کے پاس کوٹکہ خٹکان ہیں لفرلی خٹک آباد ہیں +

ان کے علاوہ تحصیل بنوں کے اور کئی گاؤں ہیں بھی خال خال خٹک آباد ہیں +

عباسی (تحصیل لکی مروت ضلع بنوں) ہیں آدھی آبادی خٹکوں کی ہے +

موضع شمولی خٹک (تحصیل لکی ضلع بنوں ہیں لصف آبادی گڈی خیل خٹکوں کی ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے:۔ ۱۸۶۴ء میں موضع شنوہ کے شمولی نامی گڈی خیل (منزئی، بارک) خٹک نے نواب خواجہ محمد خان خٹک کے ایک کاردار کو اُس کی بدچلنی کی وجہ سے قتل کر ڈالا۔ اور پھر نواب کے انتقام کے خوف سے اپنے چند رشتہ داروں کو ساتھ لیکر علاقہ مروت کو بھاگ گیا اور وہاں ایک جگہ ڈیرے جمائے جو ایک ریتیلا مگر قابل کاشت جگہ ہے جس ہیں کئی الگڈے (برساتی نالے) بہتے ہیں اور دریائے کرم کے شمال کو نریوہ نالہ اور مرغاڑہ اور ڈڈبوالہ نامی دیہاتوں کے آخری حدود کے بیچ میں واقعہ ہے جس کا کُل رقبہ ۵۶۸۵ ایکڑ ہے +

۱۸۶۵ء ہیں اُس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے یہ سب رقبہ ناجائز طور پر خالصۂ سرکار ٹھرایا۔ لیکن خٹکوں اور دو لفر وزیروں کو ۱۰۰ ایکڑ کا ایک ٹکڑہ دے دیا۔ ان کی حیثیت تو سرکار کے مزارعین کی تھی لیکن یہ بٹائی کسی کو نہ دیتے تھے +

کچھ عرصے کے بعد نواب صاحب نے شمولی کا قصور بخش دیا اور اکثر خٹک اپنے گاؤں شنوہ کو چلے گئے لیکن کبھی کبھی آ کر یا اپنے عزیزوں

کے ذریعے اس زمین پر اپنا قبضہ قائم رکھتے تھے +

بندوبست کے وقت ۱۸۷۲ئ میں یہ سب رقبہ شمولی خٹک کے علاقے کا حصہ گنا گیا + خٹک اور وزیر سب رقبہ پکڑنے کی کوشش میں آپس میں لڑ پڑے آخر انگریزوں نے ۳۱۷ ایکڑ رقبے کو شمولی خٹک کا نام دے کر خٹکوں اور وزیروں کو اس رقبے کے مکمل مالک مان لیا +

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ وزیروں کو کن کن حیلوں سے خٹکوں کی زمین میں حصہ دیا گیا تاکہ انہیں بر وقت ضرورت خٹکوں یا مروتوں کے برخلاف استعمال کیا جا سکے +

خٹکوں کی کچھ آبادی ضلع میانوالی میں ماڑی اور نکی کے درمیان بھی پائی جاتی ہے +

علاقہ خٹک سے علاوہ تقریباً ۲۰۰۰۰ خٹک علاقہ یوسفزئی میں جدا جدا آباد ہیں +

خٹکوں کا تقریباً ۱۵۰ میل لمبا اور ۴۰ میل چوڑا علاقہ کچھ کے ساتھ شمال سے جنوب کو لمبائی پر پڑا ہے۔ اس کی شمالی حد ضلع پشاور کے یوسفزیوں کے علاقے کے لنڈے دریاب کے شمالی کنارے کے علاقے سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس کی جنوبی حد پنجاب میں کالا باغ، اور عیسیٰ خیل اور بنوں میں مروتوں، بنوچیوں اور وزیروں کے علاقوں پر ختم ہو جاتی ہے + اس کی شرقی حد اکثر دریائے اٹک کا مغربی کنارہ ہے۔ لیکن ساغری مکھڈ اور اس کے جنوب کو ماگری تک اباسندہ کے مشرقی کنارے پر بھی آباد ہیں + اور اس کی مغربی حد افریدیوں اور بنگشوں سے جا ملتی ہے +

ہر چند کہ خان نے مندرجہ ذیل اشعار میں "چہل وطن کشمیر دہ" کے مصداق اکوڑے کے علاقے کی سنگلاخ زمین کی تعریف کی ہے

د وطن بیند اے محمانؔ × × را پیدا دہ لہ ایمانؔ

نہ د چہل دیار پلوسے   نہ د بل دیار تنکوسے

نہ د چہل دیار گودر گورے   نہ د بل دیار شکرے

* * *

نہ د خیل دیار خبر ××× نہ د بل دیار سرہ زرد
کمئے لنشتہ سپینے ویشے ××× پکشے شتہ د مالگو تیژے
ښوک چہ یاد کاندے اٹک ××× زر تافیہ کڑم د خٹک

لیکن خٹکوں کا سبھی علاقہ ایسا خوار ہے کہ ہر انسان کا کلیجہ دیکھ کر پسیج جاتا ہے + بہت سے علاقے ہیں تو پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں - جو کبھی تو سرسبز اور اونچے اونچے درختوں، گھنی جھاڑیوں اور قیمتی گھاسوں سے بھرے پڑے تھے لیکن بعد کی بے تحاشا ہیزم کشی اور شجر کاری کی طرف مکمل بے توجہی کی وجہ سے لق و دق پڑ گئے ہیں +

گو کچھ عرصہ سے محکمہ جنگلات اس طرف کچھ توجہ دے رہا ہے لیکن بعض جگہ بعض قبائل کی ناسمجھی کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو رہی اور نہ ہی محکمہ شاہی سڑک سے پرے کے پہاڑوں کو توجہ دے رہا ہے +

بعض علاقہ ریتلا ہے - جو پہلے وقتوں میں تو وہاں آسانی سے زراعت ہو سکنے کی وجہ سے کھیتی تصور ہوتا تھا - لیکن اب دوسرے قبائل کے علاقوں میں نہروں کے کھد جانے سے مقابلتاً گھٹیا پڑ گیا ہے + پہاڑوں کے بیچ میں جو وادیاں ہیں ان کی چوڑائی عموماً پانچ میل سے زیادہ نہیں ہے اور پہاڑی ندی نالوں نے انہیں کاٹ کاٹ کر بیکار کر دیا ہے + ان میں کامیاب زراعت کی امید تب ہی ہو سکتی ہے کہ آس پاس کے پہاڑوں پر جنگلات اگا کر ان ندیوں کا پانی قابو میں لایا جا + مان سون کی زد سے دور واقعہ ہونے اور خٹکوں کے اکثر پہاڑوں کا شرقاً غرباً واقعہ ہونے کی وجہ سے تمام علاقے میں بارش بہت کم ہوتی ہے - تمام خٹک علاقہ میں آبی رقبہ صرف ۲ فیصد ہے - تاہم جہاں کہیں چشموں یا ارهٹوں کا پانی میسر آتا ہے وہاں باغات لگائے گئے ہیں مثلاً کربوغہ، چشمئی اور ولئی وغیرہ میں + آخر الذکر کا پانی نوشہرہ چھاونی کو موڑنے کی وجہ سے باغات نہیں رہے + نظام میں ابھی ٹیوب ویل نہیں لگائے گئے +

لیوٗغر یا لیوُوغر

لوابانِ خٹک کے ہندو دیوان اور انگریزی دور کے پٹواری یہ نام لواغر لکھتے چلے آئے ہیں۔ جو کہ غلط ہے۔ صحیح نام لیوٗغر ہے۔
لیوٗغر (۱) پہاڑوں کے ایک سلسلے۔ (۲) ایک بارانی ندی۔ اور (۳) بندوبست کے وقت انگریزوں کے بنائے ہوئے ایک حلقے کا نام ہے۔
کابل کے جنوب میں ایک جگہ کا نام لوھگر ہے جسے کثرتِ استعمال کی وجہ سے لوگر بھی کہتے ہیں۔ یہ نام لیوٗغر سے بہت مشابہ ہیں۔
لوگر اورمڑوں کی قدیمی رہائش گاہ تھی۔ افغانستان اور خٹکوں کے (خٹکوں کے وطن) میں ایک نام کی دو جگہوں کی موجودگی، اورمڑوں اور خٹکوں کا ایک دوسرے سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق (کیونکہ بعض لوگ خٹک کو اُرمڑ کا متبنیٰ اور داماد اور بعض بھتیجا اور داماد سمجھتے ہیں) اور ضلع پشاور میں ان کی ایک دوسرے کے پاس پاس آبادیاں اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ ابتداء میں کچھ خٹک بھی اورمڑوں کے ساتھ لوھگر میں بستے ہونگے۔ جہاں سے پھر خٹک شوال کو اور اُرمڑ کانڑیگرم (قانی قرم) کو چلے گئے ہونگے۔
انگریزوں نے لواغر کے معنی "بڑا پہاڑ" لکھا ہے لیکن یہ بھی غلط ہے۔ بڑے کے لئے پشتو کا لفظ لوئی ہے نہ کہ لوا۔
لیوٗغر کے پہاڑ کے دو سلسلے ہیں جو خونترہ اور لنڈ کمر تھل کو عیسٰی خیل سے جدا کرتے ہیں۔ یہ سلسلے گولائی میں شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف جاتے ہیں۔ خونترہ کی طرف یعنی شمالی سلسلے کو سرسبزی اور سبز رنگ کی وجہ سے شین غر (سبز پہاڑ)، اور عیسٰی خیل کی طرف کے یعنی جنوبی سلسلے کو اس پہاڑ کے رنگ کی وجہ سے شور غر (سرخ پہاڑ) کہتے ہیں۔ سور غر شین غر سے سخت اور کم سرسبز ہے۔ لیوٗغر کے پہاڑوں میں سنا تھا نامی بوٹی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔

شین غر اور سورغر کے درمیان کی زمین بہت کٹی پھٹی ہے +
اس میں بہت کم زراعت ہو سکتی ہے + زمین گھٹیا اور ریتلی ہے +
بنوغر کا حلقہ خونرہ کی جنوب کو واقعہ ہے + اور پست
پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے +

تھل

اس صحرا کا ایک حصہ ہے جو دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے +
خٹکوں کا تھل ۱۸ میل لمبا اور ۸ میل چوڑا ہے + اس کا حدود اربعہ
حسب ذیل ہے : شمالاً دہانہ کرم، جنوباً درہ تنگ، شرقاً کوہ خٹک
کے دامن میں لتمر، لنڈ کمر، شہی لفرتی اور شنوہ گڈی جبل کی زمینوں
کی غربی حد۔ اور غرباً بچن جبل، کرم اور شورانی کے نیچے۔ جس طرف مروتوں اور وزیروں کے ساتھ ایک فرضی خط مقرر کیا گیا ہے +
اس کا نشیب کرم کی طرف ہے + اسے شمال کی طرف سے بہادر خیل کے
پہاڑوں اور جنوب کی طرف سے بنوغر کے پہاڑوں اور ان دونوں
کے بیچ میں ان بارانی ندیوں کے خطے نے بند کیا ہے جو اسے خونرہ
سے علیحدہ کرتے ہیں +

تھل کی زمین نرم ریتلی ہے۔ اور اچھی بارش ہونے پر
اچھی گندم، جو، چنے اور باجرہ اگاتی ہے + خٹک ازمنۂ قدیم سے
جو تخم گندم بوتے چلے آتے ہیں اسے "خٹکوال گندم" کہتے ہیں + اس
گندم کا رنگ سرخ ہے۔ پانی کم مانگتا ہے اور دیگر تخموں سے جلد
تیار ہو جاتا ہے + تحصیل کوہاٹ کی بارانی زمینوں میں بھی خٹکوال
بیج بویا جاتا ہے +

بندوبست کے وقت تھل میں نو گاؤں تھے۔ اب نو کئی اور بھی
بن چکے ہیں - ان میں سے اکثر پہاڑوں کے بھی مالک ہیں - لیکن
لتمر کی طرف کے علاوہ باقی لوگ چھوٹے چھوٹے باندہ جات میں
رہتے ہیں جو تمام تھل میں بکھرے پڑے ہیں +

بنوچی، وزیر اور مروت اس تھل کے لئے خٹکوں سے لڑتے رہے
ہیں۔ تھل میں مروتوں اور وزیروں کے جنگوں میں مارے گئے مردوں
کے قبرستان آج بھی موجود ہیں۔ ٹھٹھی لنمرتی کے پاس ایک بہت بڑے
قبرستان کا نام "د مروانو مڑی" ہے۔ اس سے چند میل شمال کو
وزیروں کے مُردے دفن ہیں۔

تھل کے مغربی حصہ (سدراونڑ، تھل دبک، چشمی اور آرل) پر پہلے
خٹکوں کا بذریعہ رمہ چرائی قبضہ تھا۔ تقریباً ۶۵۰ سال پہلے جب بنوچی
بنوں آئے تو انہوں نے سورانڑی تپے کی مشرق کو کچھ تھل پر قبضہ
کر لیا۔ لیکن باقی کا تھل بدستور غیر آباد رہا۔

تقریباً ۴۵۰ سال پہلے ٹاک (ٹانک) کی طرف سے نیازیوں نے ضلع بنوں کو آکر یہاں کی رہنے والی کمزور اور کم تعداد قوم پونئی کو مار بھگایا۔
نیازیوں سے ۵۰ سال بعد اس قبیلے کی ایک اور شاخ مروت ضلع
بنوں کو آئی۔ نیازیوں کو عیسیٰ خیل اور میانوالی کی طرف مار بھگایا
اور موجودہ تحصیل لکی میں تکی اور بھاڑپور وغیرہ میں آباد ہو گئے۔
اور اس بقایا سب تھل کو اپنی رمہ چرائی کے لئے استعمال کرنے لگے۔

اس زمانے میں ایک تو مروت خٹکوں کی بستیوں پر تاختیں
کرتے تھے۔ خٹکوں کے سرحدی باڈہ جات کو جلاتے تھے اور ان
کے اونٹ، بیل اور بکریاں وغیرہ لیجاتے تھے۔ مقابلے ہوتے تھے اور
طرفین کے آدمی مارے جاتے تھے۔ دوسرے خٹک بھی اپنی تعداد
کے بڑھنے کی وجہ سے بالائی خونترہ سے زیرین خونترہ کی طرف اور تھل
کی طرف بڑھتے جاتے تھے۔ اور ان کے تھل میں جو جو جگہیں مروتوں
نے ناجائز دبا رکھی تھیں وہاں سے مروتوں کو مار مار کر نکالتے تھے۔
حتیٰ کہ کئی جنگوں کے بعد اپنا تمام تھل مروتوں سے فتح کر لیا۔

خٹکوں کے اپنے تھل پر قبضہ پانے کے ۱۵۰ سال بعد آج سے تقریباً
۲۵۰ سال پہلے وزیروں نے بنوں کا رخ کیا۔ بنوں کے مغرب کو اور

دریائے توچی (ٹوچی) کے جنوب کو وزیرستان کا اکثر علاقہ تیبتک کے بیری شاخ کی چراگاہ تھی۔ وزیر پہلے تو سردیوں میں اپنے ریوڑ چرائی کے لئے اس علاقے کو لاتے تھے اور گرمیوں میں واپس چلے جاتے تھے (اپنے پہاڑوں کی طرف)۔ لیکن آخر اتمان زئی وزیر کی شاخوں لکا خیل اور جانی خیل نے بنوچیوں کے اس علاقے پر زبردستی قبضہ کرلیا+ اور انگریزوں کی آمد سے تیس سال یعنی آج سے تقریباً ۱۵۰ سال پہلے درویش خیل وزیروں کی شاخوں سپیرکی وغیرہ نے تپہ جھنڈو خیل کے نصف سے زیادہ حصہ یعنی سدراونڑ، نہل دیک اور بلکنگ دبا لیا جو کہ خٹکوں اور بنوچیوں کی مشترکہ چراگاہ تھی+

انگریزوں نے اپنی عملداری کے ابتدائی دنوں میں بنوچیوں کو محکوم کرنے کی غرض سے، بنوچیوں کے برخلاف وزیروں کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے وزیروں کو کئی رعایات دی تھیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خٹکوں کا تقریباً تمام نہل وزیرو کو دے دیا+ اس افسوسناک واقعے کی تفصیلات یہ ہیں:۔

ایڈورڈس (ص ۲۶) بنوں کو اپنی آمد کے پہلے موقعے پر لکھتا ہے: "میری تجویز یہ تھی کہ سکھوں کی پرانی تجویز [کہ ہر دوسرے تیسرے سال فوج لاکر زبردستی مالیہ اور چٹی وصول کیا جائے] اب چھوڑ دی جائے اور اس وادی [بنوں] کو مستقل طور پر محکوم کرنا اور قبضہ کرنا شروع کردیا جائے+" اس دفعہ بنوں سے رخصت ہوتے وقت بنوں کی سرحد پر پہنچ کر بنوچیوں سے کہا تھا: "میں پھر آؤنگا اور تمہارا وطن لونگا+" (ص ۲۷)۔

ایڈورڈس دسمبر ۱۸۴۷ء میں بنوں کو اپنی دوبارہ آمد کے بارے میں لکھتا ہے (ص ۵۲): پانچ [دسمبر ۱۸۴۷ء] کو ہم سڑک سے کلینئہ اتر پڑے۔ اور جوڑ [کنوبن] نامی ایک بنجر آباد جگہ میں تنبو گاڑ دئے۔ ...... ہم وزیروں کے مرکز میں تھے+ ہم نے وہاں کیوں کر ھٹ کی؟......

بہ خالصتہً ایک دوستی کے اعتماد پر تھی جو ہیں نے اس پہلے وفد ہیں سواھن خان [سادات خان سپیرکہ متوفی مارچ ۱۸۵۳ء کے ساتھ گانٹھی تھی - جو اپنی طاقتور قوم کا سب سے طاقتور آدمی تھا ..... اس نے بھی سے التجا کی تھی کہ وہ آکر مورکرافٹ کے وطنی سے باتیں کرے" [ص ص ۴۹ ۵۰] + آئندہ منافع پر نظر رکھتے ہوئے ہیں نے سواھن خان کو اپنا مہمان ٹھرایا" (ص ۵۲) +

کیرو (ص ۳۳۶) بھی معترف ہے کہ انگریزوں کو بنوچیوں کے برخلاف وزیروں کی دوستی کی ضرورت تھی +

اس مقصد کے حصول کے سلسلے میں ایڈورڈس نے اس تھل کا مغربی حصہ وزیروں کو دے دیا - اور خٹکوں کی کاشتہ زمینوں کی آخری حد کو خٹکوں اور وزیروں کے مابین حدِ فاصل مقرر کیا - (ایڈورڈس ص ۳۱۹) + یعنی کہ غیرآباد تھل میں خٹکوں کی دمہ چرائی وغیرہ کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا +

تھل میں پینے کے پانی کی "تکلیف" ہے - پہلے نو دس دس بارہ بارہ میل سے گدھوں پر پانی لایا جاتا تھا جس آمد و رفت میں پوری رات کٹ جاتی تھی + اب حکومت پاکستان نے پائپوں میں پانی بہا کر اور کئی جگہ ان کے لئے تالاب بنا کر پینے کے پانی کی "تکلیف" کو ناقابلِ التفات حد تک کم کر دیا ہے +

تھل کی بعض زمینوں کی سیرابی بارانی ندیوں میں بند دے کر کی جاتی ہے +

میدان کے نام سے لنڈ غر کے دامن میں جو پہلی پہاڑی وادی ہے اس میں کئی چشمے اور گاؤں ہیں +

تھل کی زمینیں کھلی مگر غیرآباد ہیں - بعض مقامات پر اور خصوصاً موضع لنڈ کمر کے چاروں طرف گھنے درخت ہیں خصوصاً اس علاقے میں بیر کا درخت بہ کثرت پایا جاتا ہے +

ایڈورڈس دوسری مرتبہ بنوں آتے وقت لنڈ کمر سے گزرا تھا۔ اس نے ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو یہاں سے گزرتے وقت اپنی کتاب (جلد ا ص ۵۸ - ۶۰) میں لنڈ کمر کا حال لکھا ہے۔ اس نے اس گاؤں کا نام صرف "کمر" لکھا ہے۔ زمانۂ حال میں گاؤں کے نام کے ساتھ یہاں کے رہنے والے قبیلے "لنڈ" کے نام کے اضافے کی وجہ یہ ہے کہ خٹکوں کے کمر نامی اس دوسرے گاؤں سے ممیز ہو جائے جو خوشحال گڑھ کے پاس واقع ہے۔ آج بھی ڈاک میں بھیجے جانے والے جن خطوط کے پتوں میں لنڈ کمر کے ساتھ ضلع کوہاٹ لکھا ہوا ہوتا ہے وہ عموماً کمر چلے جاتے ہیں کیونکہ ڈاک کے انتظام کی رُو سے لنڈ کمر آج دن تک ضلع بنوں کے ساتھ ہے!

ایڈورڈس لکھتا ہے (ص ۵۸): "کمر ایک گہری خشک ندی کے کنارے پتھریلی چٹانوں کا ایک مجموعہ ہے۔ لیکن اس کے اردگرد کا ملک ایک سرسبز قابلِ کاشت زمین دکھائی دیتی تھی جس سے پتھر بہت محنت سے ہٹائے گئے تھے اور میلوں تک کچھ سبز فصل کے بغیر کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ تاہم کاشت کے لئے اس گاؤں کا انحصار باراں پر ہے۔ اس کے باشندے خٹک قوم کے تری کی جبل قبیلے سے ہیں۔ اور پہلے متذکرہ بالا چٹانوں پر پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے۔ لیکن وہ پرانا موضع ایک لڑائی میں تباہ کر دیا گیا۔"
[وہ موضع اوڑد قبیلے والوں نے جلا دیا تھا۔ اور اس کے کھنڈرات میں اس زمانے کی جلی ہوئی کالی سیاہ گندم آج بھی موجود ہے۔ یہ موضع اوڑدوں نے اس زمانے میں جلا تھا جب ان کی اور لنڈوں کی آپس میں دشمنی پڑ گئی تھی۔ دشمنی سے پہلے یہ دونوں یکجا یا ایک دوسرے کے قریب قریب رہتے تھے (جیسا کہ آپ آگے پڑھ لینگے)]۔
"اور یہ نیا موضع [اس جلے ہوئے موضع سے] تقریباً ۱½ میل جنوب مغرب کو کھیتوں میں واقع ہے۔ جس میں ہر طرف کالے اور کانٹے دار

شاخوں سے بنائے ہوئے مکانات ہیں [ص ۵۹] + کمر سے ایک کروہ [۱½ - ۲ میل] کے فاصلے پر پانی تھا جو گاؤں والے چٹانوں کی پشت کو ایک الگڑے کی سوکھی تہہ میں گہرے کنوؤں [جینرئی] سے حاصل کرتے تھے + اور گدھوں پر مشک لادے ہزاروں عورتیں ہمارے سامنے آتی اور جاتی تھیں + میں نے بعض گدھیاں دیکھیں جو کن کٹی تھیں + اور مجھ سے کہا گیا کہ یہ ایک سزا ہے جو پڑوسی کے کھیت میں آوارگی کی وجہ سے ان پر لگائی گئی ہے +"

خٹکوں میں تو اب یہ عادت نہیں رہی لیکن ہوتی آج تک اس قسم کی آوارہ گردھی کے بال جگہ جگہ سے کتر کر اس پر کیچڑ مل دیتے ہیں۔ اور اس قسم کا گدھیا کا شرمانا کئی مرتبہ خون خرابہ پر منتج ہوجاتا ہے + اِلّا اس صورت میں کہ گدھیا کا مالک فصل کے مالک کو کچھ تاوان دیکر راضی نامہ کرلے +

ایڈورڈس آگے (ص ۶۰ پر) لکھتا ہے :" اس علاقے میں گھر کے بہت سے دھندے اور باہر کے بہت سے بکھیڑے عورتیں نپٹاتی ہیں۔ اور ایک غریب پشتون اپنی بیویوں اور زنانہ رشتہ داروں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اس کے جائداد پر اسی قدر مزدور ہوں + جینرئی کے چاروں طرف سب لڑکیاں کھل کھلا رہی تھیں۔ اور یوں دکھائی دیتا تھا کہ ان میں ایک فرنگی سے چہروں یا ٹخنوں کے چھپانے کی کچھ اِلتباسی تعصب نہ تھی + بلکہ نیک بنتی سے میرے پاس پانی لے کر دوڑ پڑیں جو ایک واحد چیز ہے جو کوئی ایسی جگہ مانگ سکتا ہے - اور اس پر بہت بھیڑ گئیں کہ میں ایک چھوٹا گھڑا بھی خالی نہ کر سکا +

لنڈ کمر شمی لفرتی کی سڑک سے تقریباً ۳ میل غرب کو واقع ہے جہاں تک جانے کے لئے کوئی سڑک نہیں ہے +

تھل پر خٹکوں اور مروتوں کی ایک جنگ کا حال تو آپ بارک

کے باب میں پڑھ لینگے۔ کرک کی جنگ کے بعد مروت دوبارہ گلرنگ خان ولد سلیم خان قوم میداد خیل (میانداد خیل) کی سرکردگی میں لشکر مرتب کرکے لائے۔ کرک اور لتمر میں خٹکوں کو منہزم کیا اور لتمر کا گاؤں جلا ڈالا۔ ان سب جنگوں میں زیادہ حصہ اتری اور گڈی خیل قبیلے لیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو حیات افغانی ص ۵۷۲)۔

تحصیل کی مغربی حد ماضی قریب تک خٹکوں اور وزیروں میں محل نزاع رہا ہے۔ مثلاً تحصیل حقیت ۱۸۸۷ء موضع منڈان میں لکھا ہے:- اس گاؤں کا رقبہ لتمر کے بارک خٹکوں اور بنوں کے وزیروں کے درمیان میں غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ جب دونوں قوموں میں سرحد کا تنازعہ برپا ہوا تو کپتان ہینڈرسن ڈپٹی کمشنر کوہاٹ اور جینری کاکس ڈپٹی کمشنر بنوں کے حکم بمورخہ ۵ جون ۱۸۵۸ء کو تصفیہ ہوا۔ اور یہ رقبہ لتمر گاؤں کا ہوا۔ نواب صاحب نے بہ حالت جاگیرداری اس پر دخل اور قبضہ کیا اور مزارعوں کے ذریعے آباد کیا۔"

اسی طرح انہی دو ڈپٹی کمشنروں نے ۲۹ دسمبر ۱۸۵۷ء کو موضع عالمشیر کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ گاؤں خٹک علاقے کے لنڈ کمر اور ضلع بنوں کے وزیروں کی سرحد پر واقع ہے۔ اور ان میں سبب نزاع تھا۔ اس وقت یہ گاؤں قدرے آباد اور قدرے غیر آباد تھا۔ بہ روئے یہ برآمدی یہ گاؤں لنڈ کمر میں شامل سمجھا گیا۔ اور لنڈ کمر کے جملہ مالکان نے (بہ شمول دیگر اقوام مثلاً لوہار، درکھان وغیرہ) کی ملکیت تصور ہوا۔ ان مالکان نے اپنی طرف سے مزارعان میں سے ایک آدمی عالمشیر قوم خوزی خیل (لنڈ) کو سرگروہ مقرر کیا۔ اور یہ گاؤں اس کے نام پر مشہور ہوگیا۔

انگریزوں سے پہلے بھی تحصیل کے بعض دیہات کی ملکیت غیر متعین تھی۔ تحصیل حقیت موضع منرئی ۱۸۸۷ء میں تحریر ہے: "پیشتر کو وقت یہ گاؤں کسی حاکم کی رعیت نہ تھا۔ سکھوں کے زمانے میں ایک

بار اس گاؤں کا مالیہ (بہ شمول گڈ خیل) مروت کے علاقے کے مالیے کے ساتھ ہم نے نواب صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان کو دیا تھا - اس کے بعد ہم نے بہت مدت تک نواب صاحب ٹیری کو دیا ہے - اور اس وقت سے نواب صاحب ٹیری کی جاگیر ہے۔"

درختوں کے کاٹنے جلانے سے اب تھل میں ریت بہت جمع ہوتی ہے اور جا بہ جا ریت کے ٹیلے نمودار ہو گئے ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ گہری کاشت اور شجر کاری کے ذریعے اس تھل کو مزید تباہی سے بچائے - جیسا کہ صحرائے اعظم کو نابود کیا جا رہا ہے۔

تھل میں پہلے آبادی نہ تھی۔ اس کے تمام لوگ موضع زرکی سے نکل نکل کر اپنی اپنی اراضیات میں بانڈہ جات بناتے رہے ہیں۔

خونترہ

یہ لاچی پہ خونترہ ګرزیدلم اوس م ہیښت د افریدیو پہ میدا شہ [خان]

لیٹوغر کو لواغر اور تمر کو لتمبر لکھنے والوں نے خونترہ (خ اور و مفتوح) کو بھی زمانہ حال کے کاغذات مال اور سرکاری مطبوعات میں غلط طور پر چونترہ (ن ساکن ت مفتوح) لکھا ہے۔

خونترہ کا مطلب ہے اونچی زمین۔ بہادر خیل کرار اور لیٹوغر کے پہاڑوں کے درمیان تنہ بارک کے بیچ میں جو وادی پڑی ہے اس کے شمالی حصے کو چونترہ کہتے ہیں۔ یہ ایک چوڑا اور ہموار خطہ ہے گو اس کے بیچ میں کہیں کہیں پست پہاڑیاں بھی ہیں - لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ ایک بڑا مزروعہ خطہ ہے جس کی زمین نرم اور ریتلی ہے۔ اس وادی کے بیچ کا حصہ ایک کھلا میدان ہے۔ مغرب کو کرک کی طرف مزروعہ خطے کی ایک کھلا سے لنڈ کمر کے تھل سے ملاتی ہے - باقی اطراف سے اسے پہاڑوں اور الگڈوں نے بند کیا ہوا ہے۔ اس وادی کے شمال کو وادیٔ تری

اور جنوب کو ببوغر واقعہ ہیں + اس کی سب سے اونچی کاشتہ زمین کا نام منوڑ ہے - یہ دیہات کا ایک جھرمٹ ہے جو بنگی خیل کے حد کے قریب ببوغر کی پہاڑیوں کی ڈھلوان پر اونچے واقعہ ہیں + منوڑ سے ڈو میل جنوب کو ببوغر کی سنانے اور زینبوں سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں نظر آتی ہیں +

خونرہ ہیں گندم اور جو بہ افراط لیکن چنہ کم پیدا ہوتا ہے + ۱۸۹۶ئ میں یہ ضلع کوہاٹ کے غلے کا معدن کہلاتا تھا + لیکن آج کل یہ شرف تخل کو حاصل ہے +

خونرہ ہیں بعض جگہوں ہیں آج بھی پینے کے پانی کی تکلیف جو نالابوں کے ذریعے رفع نہیں کی گئی + یہاں کے لوگ چھوٹے چھوٹے باندہ جات میں رہتے ہیں اور ماسوائے کرک کے یہاں کوئی بڑا گاؤں نہیں ہے +

کرک موجودہ تحصیل کرک کا صدر مقام ہے + ۱۹۵۲ئ میں ٹیری کی سابقہ تحصیل (جس کا صدر مقام باندہ داؤد شاہ اور سب تحصیل کرک تھا) توڑ دی گئی + اس کا کچھ شمالی حصہ تحصیل کوہاٹ اور کچھ تحصیل ہنگو کے ساتھ ملا دیا گیا - اور اس کے جنوبی حصے کو تحصیل کرک کا نام دے کر موضع کرک کو اس کا صدر مقام ٹھرایا گیا - جس تک نہ تو دم تحریر تک کوہاٹ سے کوئی پختہ سڑک آتی ہے - نہ میونسپل کمیٹی ہے اور نہ ہی نوٹیفائیڈ ایریا ہے + نہ یہ سب ڈیوژن ہے - اور نہ ہی یہاں کوئی کالج یا پبلک لائبریری یا پارک ہے نہ یہاں سینما ہے - نہ دم تحریر تک یہاں بجلی ہی پہنچی ہے - نہ یہاں مقدماتِ دیوانی کی سماعت کے لئے کوئی بندوبست ہے - غرضیکہ ایک نہایت غیر موزوں جگہ ہے جہاں نہانے کو بھی پانی نہیں ملتا اور پینے کا پانی بھی کھاری ہے - اس سے تو وہی پرانی جگہ بہتر تھی + اس تحصیل سے تو خٹکوں کے بٹوارے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا +

۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو ایڈورڈس لنڈکمر سے گزر کر کرک گیا تھا جس کی بابت وہ لکھتا ہے (جلد اص ۷۰) "کرک کوئی گاؤں واؤں تو ہے نہیں۔ ویسی ہی ایک مضافاتد جیسی ہے جو کھیتوں میں بے ترتیب بکھرے ہوئے پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں پر مشتمل ہے۔ اور ان متعدد ارھٹوں کی وجہ سے جو فصلوں میں نظر آتے ہیں اور اس وطن میں بہت شاذ ہیں کرک ہندوستانی علاقے کی طرح نظر آتا ہے۔"

ایڈوردس کے وقت سے پہلے کرکی اُس پہاڑی پر رہتے تھے جو موجودہ تحصیل کی عمارت کے سامنے نرضہ الگڈہ کے شمالی کنارے پر واقعہ ہے جہاں اُس زمانے کے کھنڈرات میں ریم آہن بہ کثرت پایا جاتا ہے۔ آج کل کرکی نرضہ الگڈہ کے جنوبی کنارے پر ہموار زمینوں پر آباد ہیں۔

کرک نے گاؤں کی شکل اب دو پشت سے لینی شروع کی ہے۔ یہاں کے بوڑھوں کو آج بھی گاؤں میں پڑی ہوئی مزروعہ زمینوں کی جگہیں یاد ہیں اور کچھ تو راقم الحروف کے سامنے آباد ہوگئی ہیں۔

کرک میں تحصیل بنتے ہی لوگوں نے لبِ سڑک زمینیں خریدنی شروع کیں اور بعض کرکیوں نے بھی گاؤں سے سڑک کی طرف نقل مکانی شروع کی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ رفتار دھیمی پڑ گئی۔ لوگوں نے سڑک کے کنارے بارہ ہوٹل بنا ڈالے جن میں سے اکثر کا کاروبار ماند پڑ رہا ہے کیونکہ ذرائع آمد و رفت کے بڑھ جانے سے اب لوگوں کو کرک میں کم ہی ٹھہرنا پڑتا ہے۔ ذرائع امد و رفت کے بڑھ جانے سے یہاں کی تجارت پر بھی اثر پڑا ہے۔ چنانچہ اب کرک کی بجائے میوشاگ اور لتمبر غلے کی منڈیاں بن چکی ہیں اور آس پاس کے لوگ کرک سے تھوک مال خریدنے کی بجائے بنوں، شبقدر، سرگودھا اور لائل پور وغیرہ سے مال لاتے ہیں ڈھونڈ جیدل خیل سے آگے پنجاب

کی طرف سڑک بن جانے سے کرک کی تجارت اور بھی ماری جائیگی۔
کیونکہ لوگوں کو کرک سے مال خریدنے یا لا کر بیچنے کی مجبوری نہ رہیگی۔
کرک میں فی کس اوسط زرعی زمین ۸ کنال ہے۔ زمین کی کمی اور کھاری پانی کی وجہ سے نہ تو یہاں بڑے کارخانے بن سکتے ہیں اور نہ ہی بجلی سے کوئی فائدہ لیا جا سکتا ہے۔ گھر گھر کی دشمنی کی وجہ سے یہاں مشترکہ ٹیوب ویل بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ خام پیداوار اور فنی تعلیم کی کمی کی وجہ سے گھریلو صنعتوں کا مستقبل بھی تاریک ہے۔
پورے پشتونخوا میں صرف کرک ہی ایک ایسا گاؤں ہے جس میں کوئی چوک نہیں ہے۔ یہاں کے معتبر معمر دیگر کے وقت صوبیدار کی سرائے کے سامنے سڑک پر زمین پر بیٹھ کر گپ لگاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو اپنی پگڈنڈی پر گزرنے، اپنے کھیت میں رفع حاجت کرنے یا اپنے کنوؤں سے پینے کے لئے پانی کا گھڑا بھرنے بھی نہیں دیتے۔
علاقہ خٹک میں یہ عام دستور ہے کہ مسافر پگڈنڈی کے کنارے کے کھیت سے چنے کا بوٹہ نکال کر یا باجرے کا سٹہ توڑ کر اس کے دانے رستے میں پھانکتا رہتا ہے۔ فصل کا مالک برا نہیں مانتا۔ لیکن کرک کا مانی خیل ایسا کرنے پر انجان مسافر کے ٹھیک دو تھپڑ رسید کرتا ہے ایک دائیں گال پر اور ایک اس کے بائیں گال پر اور اس سے کہتا ہے کہ "و یتزہ پرے کیتری خو د کو نہ" جواب ان کے متعلق ایک کہاوت بن چکی ہے۔ اور سٹہ مسافر کے ہاتھ سے واپس چھین لیتا ہے۔
آج کل کرک کی نصف آبادی پشتونوں کی اور نصف کمیں کی ہے۔
کمیں میں سے جولاہے، بنگلر اور دھوبی چیف کورٹ کے ایک فیصلے کی رو سے ۱۹۲۸ء میں اپنی قومیت کا قریشی کا انتقال درج کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی شہادت میں کالا باغ کا پیر پوڑی والا (دیوزکو) پیش کیا تھا جس نے کہا تھا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ میرے پاس آتے جاتے ہیں۔ کرک کے بعض خاندانی حجام بھی اپنے آپ کو قریشی کہتے ہیں۔

کرک کے ماشی جبل آلیس کی دشمنیوں میں الجھے ہوئے ہیں اور یکبن تجارت، کاروبار اور سرکاری نوکریوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ چار پشتون بھی آپس میں اکٹھے نہیں ہو سکتے کہ کسی معاملے کا تصفیہ کر لیں۔ یا کسی میاں کے پاس دوڑے جاتے ہیں یا کسی غیر پشتون کو اہل جرگہ مقرر کرتے ہیں۔ اسی بے اتفاقی کی وجہ سے نو ۱۹۷۱ تک ان کی بنیادی جمہوریت کا ایک رکن غیر پشتون اور صدر باہر سے آیا ہوا ایک میاں تھا۔

تحصیل کرک کی موجودہ آبادی ۹۸٫۰۲۷ ہے جس میں سے ۴۸۱۸۷ مرد اور ۸۸۶ ۹۸ عورتیں یعنی ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۱۰۳۰ عورتیں ہیں۔ یہاں ۷۶ گاؤں ہیں۔ کل رقبہ ۱۳۰۱ مربع میل ہے۔

موضع کرک کی آبادی ۵۹۱ ۴ ہے۔ ۲۲۸۳ مرد اور ۲۳۰۸ عورتیں۔ یہاں کل ۷۲۶ گھر ہیں جن میں اسی قدر کنبے بستے ہیں۔

خونرے کا دوسرا قابل ذکر گاؤں شمشکی ہے۔ شمشاد (جسے پشتو زبان میں شمشکی کہتے ہیں) کے درختوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ یہ گاؤں کافی بلندی پر واقعہ اور کافی سرد ہے۔ یہاں قدرتی میوے بھی پائے جاتے ہیں جنہیں ترقی دینے کی کافی گنجائش ہے۔ شمشکی کی سب سے قابل ذکر ہستی ڈاکٹر عجب خان ہے جو بہت بخوا الخلق اور نیک طبیعت کا انسان ہے۔

شمشکی تک پختہ سڑک بن جانے پر یہ جگہ صحت افزا مقام یا تفریح گاہ بن سکتی ہے۔ حکومت اس طرف دھیان دے رہی ہے۔

خونرہ میں بہت بارش اور خصوصاً لنڈو غر کے ڈھلوان کے مقامات پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہیں۔ لوگ علیٰحدہ علیٰحدہ بانڈوں یا گھروں میں رہتے ہیں۔ کیونکہ بارش کے دنوں میں الگڈوں کی وجہ سے اپنے آدھ میل دور کھیت کو ایک گھنٹے میں بھی نہیں پہنچ سکتے۔

خونرہ میں درخت عموماً نہیں پائے جاتے۔ پینے کا پانی الگڈوں کے

بیچ کے متعدد چشموں سے حاصل کرتے ہیں + کرک کی طرف کنوئیں بھی ہیں جو درختوں سے گھرے ہوئے ہیں + خونترہ میں اکثر ہوا چلتی رہتی ہے + اس کا مشرقی حصہ (شمشکی وغیرہ) بہت ٹھنڈا ہے +

سردی کے موسم میں بالائی خونترہ کی تقریباً تمام آبادی پنجاب کی طرف چلی جاتی ہے + مرد مزدوری کرتے ہیں اور عورت ایک ایک گھر جاکر بھیک مانگتی ہے - اسی لئے خونترہ میں ایک ایک عورت چار چار ہزار کی قیمت پاتی ہے + سردی بھر خونترہ کے سالم کے سالم گاؤں اجڑے رہتے ہیں +

بہادر خیل نری وادی

نری کا مطلب ہے وہ ہموار زمین جس کے چاروں طرف پہاڑ ہوں + یہ وادی شمال کو میرانڈی کے پہاڑوں اور جنوب کو بہادر خیل کراڑ کے پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے + شمال کی طرف، وزیروں کے علاقے کی طرف، اس وادی کو کافر کوٹ کے پہاڑوں نے آدھا بند کیا ہوا ہے + ٹیری توئی درہ سے نکل کر اس وادی میں بہتا ہے +

بہادر خیل کے پاس اس وادی کی چوڑائی چار چار میل کے قریب ہے - مشرق کی طرف یہ وادی تنگ ہوتی جاتی ہے اور اس کے آخری ۱۶ میل تو محض ایک تنگنا ہے جس میں ٹیری توی ابا سند کی طرف بہتا ہے +

اس وادی کا بیشتر حصہ ٹیلوں کا ایک بیکار جال جیسا ہے - ایک آدھ جگہ ہموار اور قابل کاشت ہے + بہادر خیل اور درویش خیل کے گاؤں کے چاروں طرف ایک بڑا میدان ہے + اور جو گاؤں نری کے مجموعی نام سے کہلاتے ہیں وہ ایک دوسرے بڑے مزروعہ قطعے میں ہیں + اس وادی کی اکثر زراعت بڑے بڑے پشتوں کی صورت میں ہے جو ایک دوسرے کے اوپر پہاڑوں میں واقع ہیں + پانی عموماً نمکین ہے +

بہادر خیل گاؤں سطح سمندر سے ۲۱۱۰ فٹ اونچا ہے - ۱۸۸۴ء میں آبادی ۲۲۰۴ تھی + یہ گاؤں بہادر خان (ولد حیدر خان ولد ببرکی ولد ماشی المشہور بہ اوتد) قوم عزیز خیل کے نام پر مشہور ہے + شاخ عزیز خیل خیدر خان

کی عورت عزیزہ کے نام پر مشہور ہے۔ [کمی خیل اور حزین خیل بھی حیدر کی بیویوں کمی اور حزینہ کے ناموں پر مشہور ہیں] شجرہ یوں ہے:-

عزیزہ ـــ حیدر خان ـــ حزینہ ـــ کمی

کرموں ـــ بہادر خان ـــ ناصر خضر ـــ لظر نتر ـــ شوی شخوت

بہادر خیلوں کی آبادی کا قضیہ یوں ہے۔ کہ جب حیدر خان کی اولاد زیادہ ہوگئی تو اپنے تربوروں عمر خان خیلوں' یا بمن خیلوں" دودی خیلوں اور غنڑی خیلوں سے جدا ہوکر پہلے غنڈی پر جا بسے۔ پھر گرگوڑی کے حد میں مرغوبہ' پھر احمد والہ [پھندوالہ] اور پھر لتمر کو چلے گئے + اس وقت موضع بہادر خیل کا کل رقبہ قوم درلیش خیل کے قبضے میں تھا جن پر وزیر ہمیشہ دھاوے بولا کرتے تھے۔ عرصہ تقریباً ۶۰۰ سال کا ہوا ہوگا کہ درلیش خیلوں نے بہادر خیلوں سے جو اس وقت لتمر اور سورڈاگ میں آباد تھے مدد مانگی + بہادر خیلوں سے بتو اور جان بیگ کی اولادوں میں سے کچھ کسان بمعہ دوڑ قوم کے چند ہمسایہ گان کے درلیش خیلوں کی مدد کو گئے + یہ پہلے خوجی الگڈہ (جسے آج کل زڈہ میلہ کہتے ہیں) کے متصل زمین میں مکانات بنا کر رہنے لگے۔ اور درلیش خیلوں کے مدد رسان بن کر وزیروں کو ڈاکوں سے روک دیا + پھر جب بہادر خیل اپنے گھروں کو لوٹنے لگے تو درلیش خیلوں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہمارے مقبوضہ رقبے میں سے آدھا لے لو مگر لوٹو مت + اور جو رقبہ آج کل موضع بہادر خیل کہلاتا ہے وہ علٰحدہ کرکے انہیں دے دیا۔ اور بہادر خیلوں نے زڈہ میلہ کی بجائے توئی الگڈہ کے کنارے میلہ نامی جگہ میں گاؤں بنایا + اور ۱۸۹۳ء میں یہ موجودہ گاؤں بدیں وجوہات بنایا:-

پہلے کوہاٹ سے بنوں کو شاہی سڑک نری پانوس اور کرک میں خونی الگڈہ میں سے گزرتی تھی۔ بہادر خیل کے نمک کے کانوں پر قبضہ رکھنے کے لئے انگریزوں نے آتے ہی یعنی ۱۸۵۰ء میں پرانی سڑک کی

بجائے بہادر خیل اور سوڈاگ سے سڑک گزارنے کے لئے نمک کے محصول جنوری ۱۸۵۰ء میں بہت بڑھا دئے۔ جو کانوں کے آس پاس کے رہنے والوں کا بالخصوص اور عام خٹکوں اور تاجروں کی ناراضگی کا سبب بنا۔

فروری ۱۸۵۰ء میں انگریزوں کی افریدیوں پر لشکر کشی کی وجہ سے خٹک اور بھی برہم ہوگئے اور بہادر خیل کی طرف کے خٹک لڑنے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ لفٹننٹ پولک دو عدد توپوں، فرسٹ پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی اور ۳۵۰ نفر فوج کے ساتھ ان کے علاقے کو پہنچا۔ خفیف سے مقابلے کے بعد پولک لشکر کو بھاگ نکلا۔ اور مقابلے تب تک جاری رہے جب تک اپریل ۱۸۵۰ء میں نمک کا محصول نہ گھٹایا گیا۔

اکتوبر ۱۸۵۰ء میں بہادر خیلوں نے طوطکی کے پاس کوہاٹ بنوں سڑک کی محافظ پیوی کو شکست دے کر بہادر خیل کی نمک کے کان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن آخر کار کپتان کوک اور لیفٹیننٹ پولک کے لشکروں نے بہادر خیل لے کر بہادر خیل کا قلعہ بنانا شروع کیا۔

اس وقت تک خٹک اور وزیر جو دونوں پشتو کے وقت سے سمل گنڈی میں تھے باہم متفق تھے۔ لیکن نومبر ۱۸۵۱ء میں وزیروں نے گنڈی اور دوستی کو پاؤں تلے روندتے ہوئے موضع بہادر خیل پر حملہ کر دیا۔ لیکن گاؤں والوں اور چار پنجاب کی پیدل فوج کی ایک کمپنی نے وزیروں کو شکست فاش دے دی۔

۱۸۵۲ء کے موسم گرما میں خٹکوں نے ایک بار پھر انگریزوں کے برخلاف جہاد کیا۔ جس کی وجوہات یہ تھیں کہ (۱) انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں نری اور لشکر میں فوجی چوکیاں بنائی تھیں۔ اور (۲) انگریزوں نے رانی زیلوں پر حملہ کیا تھا۔

اس جہاد میں بہادر خیل، کرک اور لیڈغر کے خٹکوں نے حصہ لیا تھا۔ انہوں نے انگریزی فوج کو شکست دے کر نمک کی کانوں پر ایک بار

پھر قبضہ کر لیا۔ اور بیوغر کے خٹکوں نے نری کی چوکی کو لینے کی تیاریاں شروع کر دیں +

تب اُس وقت کا ڈپٹی کمشنر وانی زیلوں کو بہ حال چھوڑ کر فسٹ پنجاب کی سالم پیادہ فوج، ۳ پنجاب پیادہ فوج کی ۴ کمپنیاں اور فسٹ پنجاب رسالے کے ۴ سکواڈرن خٹکوں کے مقابلے کے لئے لایا اور ۴ جون ۱۸۵۲ء کو بہادر خیل پہنچا + رن پڑا + انگریزوں نے مطیع ہونے کو کہا لیکن خٹکوں نے کہا کہ دو دو ہاتھ تو دیکھینگے پھر دیکھا جائیگا + مقابلہ ہوا + کافی مقابلے کے بعد بہادر خیلوں نے گاؤں خالی کر دیا۔ آس پاس کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور بدستور لڑتے رہے +

گاؤں کو خالی پاکر درندہ صفت کوک نے گاؤں میں پسماندہ بیواؤں، بچوں، بیماروں اور چوپایوں کو تہہ تیغ کیا اور گاؤں کے تمام گھر مسمار کروا دیے +

انگریزوں کے اس قسم کے سفاکانہ مظالم کے ایک ہفتے کے بعد لتمر اور سورڈاگ کے لوگ تو اطاعت بجا لائے لیکن بیوغر کے لوگ (جن کا وطن دور اور دشوار گزار تھا) اگلے سال یعنی ۱۸۵۳ء تک لڑتے رہے

جب امن قائم ہوگیا تو انگریزوں نے اہالیان بہادر خیل کو بہ مستبدانہ حکم دیا کہ اپنا گاؤں چھوڑ کر خوازلی الگڈے کے کنارے نیا گاؤں بناؤ۔ تاکہ تمہارا گاؤں ہمارے نئے قلعے کے بس میں ہو۔ (ملاحظہ ہو گزیٹیر آف کوہاٹ ص (۱۴) +

گاؤں اور شہروں کا قلعوں کی زد میں بنوانا انگریزوں کی ایک عام حکمت عملی تھی + دلیپ نگر (بنوں شہر) کی تعمیر کے بیان میں ایڈورڈس (ص ۲۰۰) لکھتا ہے: " یہ نیا شہر قلعہ دلیپ گڑھ سے ۱۰۰۰ قدم دور ہوگا۔ یوں کہ ہماری توپوں کے زد میں تو ہو لیکن [توڑے دار] بندوقوں کے زد میں نہ ہو + پشتون زمینداروں کا لمبا جزیل .... ۱۰۰ قدم پر اچھی مار کرتا ہے۔ اور بلا شست بہت دور چلا جائیگا۔"

کوہاٹ کے موجودہ شہر کی تعمیر کی بابت گزیٹیر آف کوہاٹ ص ۱۸۳
میں لکھا ہے "یہ شہر جسے دولت خان ولد باقی خان ولد اسمٰعیل نے
بسایا تھا پہلے قلعے کے شمال کو چشموں کے قریب پڑا تھا۔ یہ موجودہ شہر الحاق
کے بعد بنایا گیا ہے۔" یہاں بھی حکمتِ عملی یہ ہے کہ کوہاٹ کا پرانا
شہر قلعے کے قریب تھا۔

بھادر خیل کا تھانہ انگریزوں نے ۱۸۵۳ء میں، لتمر کا ۱۸۴۹ء میں اور
کرک کا ۱۸۹۰ء میں بنایا تھا۔

اھالیان لتمر نے ترتیب شمل حقیت ۱۸۹۶-۹۷ء کے وقت بیان دیا تھا
کہ "ہم نے انگریزوں سے پہلے کبھی کو فلنگ نہیں دیا۔" اس کی وجہ یہ
ہے کہ انگریزوں سے پہلے وہ لوگ مغلوں اور سکھوں کے اجارہ داروں
یعنی اکوڑ خیلوں کو فلنگ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ اس کتاب کے
دوسرے حصے میں پڑھ لینگے۔

موجودہ کاغذات میں لتمر کا نام لتمبر لکھا ہوا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔
خٹک آج بھی اس گاؤں کو لتمر کہتے ہیں۔ اس گاؤں کا یہ نام اس لئے پڑ
گیا ہے کہ یہ پہلے پہل لتمر نامی خوڑ کے کنارے آباد ہوا تھا۔



ٹیری

موضع ٹیری سعد اللہ خان ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء کے وقت سے مغربی خٹکوں کا دار الخلافہ چلا آیا ہے۔ موجودہ خان خٹک باز محمد خان یہیں رہتا ہے۔
یہ گاؤں ٹیری لوئی کے کنارے واقعہ ہے جو گرگری کے پاس نکلتا ہے اور تقریباً ساٹھ میل تک کوہاٹ کے بیچ میں تقریباً سیدھی لکیر میں (جو ایک یا دو میل سے زیادہ ادھر ادھر نہیں ہٹتی) مغرب سے مشرق کی طرف بہنے کے بعد دریائے سندھ میں گرجاتا ہے۔
بارش کے دنوں میں اس توئی میں بہت سا پانی آجاتا ہے اور اس پر پل کے نہ ہونے کی وجہ سے آمد و رفت بند ہوجاتی ہے۔ لیکن یہ پانی جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔
ٹیری کوہاٹ سے ۴۲ میل اور کوہاٹ بنوں سڑک سے پانچ میل دور واقعہ ہے۔ گاؤں کے آس پاس چند کنوئیں اور باغات ہیں۔ گاؤں اور شمالی پہاڑوں کے درمیان ایک خاصی کھلی وادی ہے۔ یہ گاؤں سطح سمندر سے ۱۹۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک اونچے ٹیلے پر واقعہ ہے جہاں سے چاروں طرف کا علاقہ بخوبی نظر آتا ہے اور پشتو کے زمانے میں فوجی نقطۂ نگاہ سے ایک اچھی موزوں جگہ تھی۔
موضع ٹیری سے مغرب کا علاقہ عموماً درہ کہلاتا ہے۔ اس وادی کے شمال کو سوالی سر پہاڑ جو ۴۷۸۵ فٹ اونچا اور جنوب کو میرانزئی کے اسی قدر اونچے پہاڑ واقعہ ہیں۔ درے کی کھلی وادی دلن تک ہموار کھلی پڑی ہے۔ درے کی آبادی گنجان اور بارانی زراعت بہ کثرت ہے۔ اس کھلے اور ہموار میدان میں جا بجا خوڑے اور پست ٹیلے بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔
ٹیری کی موسم سرما کی خشک اور فرحت افزا آب و ہوا بہترین ہے۔
۱۸۸۹ء میں اس گاؤں کی آبادی ۴۰۷۱ تھی جس میں سے ۳۰۱ ہندو تھے۔
ٹیری کی تحصیل ضلع کوہاٹ کے جنوب میں واقعہ ہے۔ اور علاوہ

شکردرہ کے ضلعے کے سب جنوبی علاقے کو احاطہ کئے ہوئے ہے + اس رقبہ ضلع کے رقبے کے آدھے سے کچھ زیادہ اور مزروعہ رقبہ ضلع کوہاٹ کے مزروعہ رقبے کے ⅔ ہے۔ لیکن اب کرک کی نئی تحصیل کے بن جانے کی وجہ سے ٹیری سے مغرب کا علاقہ تحصیل ہنگو کے ساتھ اور ٹیری سے گمبٹ اور درلوکچ تک کا علاقہ تحصیل کوہاٹ کے ساتھ ملایا گیا ہے اور مندرجہ بالا تناسبوں میں فرق آگیا ہے + سابق تحصیل ٹیری کا ۲ فیصد سے بھی کم علاقہ پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ آبپاشی کچھ تو خونرہ میں کنوؤں کے ذریعے، کچھ چشموں کے ذریعے اور کچھ ندیوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس تحصیل کے بارانی علاقے کی سرخ اور پیاس سہنے والی گندم جسے خشکوال گندم کہتے ہیں اور باجرہ ضلع کوہاٹ میں بہترین ہیں +

تبہ درہ کے باشندے عموماً وہ بابک ہیں جو تحصیل ٹیری کے جنوبی علاقے میں نہ سمانے کی وجہ سے شمال کی طرف کوچ کر گئے +

اس تحصیل کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ یعنی نمک کی کانیں انگریزوں نے نواب ٹیری سے دس ہزار روپیہ سالانہ کے عوض زبردستی چھین لی تھیں۔ حالانکہ ان کانوں سے انگریز ۱۹۰۵ء میں بھی چھ لاکھ روپے کماتے تھے + یہ کان مالگین، جٹہ اسمٰعیل خیل، بہادر خیل اور کرک میں ہیں +

تحصیل ٹیری کا رقبہ ۹۷۷،۳۹۸ ایکڑ، نہری رقبہ ۲۰۱۷ ایکڑ اور چاہی رقبہ ۱۹۰۵ء میں ۶۶۱ ایکڑ تھا۔ لیکن اب چاہی رقبہ بھی اور بارانی رقبہ بھی بنجر علاقوں کے آباد کرنے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا ہے +

۱۹۰۹ء سے پہلے کی مردم شماری میں تحصیل ٹیری کی آبادی ۹۶،۰۱۲ نفر تھی +

پہلے تو خوانین ٹیری ٹیری کے جنوب کے خٹکوں پر حکومت کرتے تھے لیکن جب بنوں سے کوہاٹ کو یہ نئی سڑک بن گئی اور انگریزوں نے نواب خواجہ محمد خان کو اپنے محروسہ علاقے میں مالیہ وصول کرنے کے

لئے تحصیلدار کے اختیارات سونپ دئے تو نواب صاحب کی سہولیت کے لیئے اسی سڑک کے کنارے بانڈہ داؤد شاہ میں ٹیری اور کرک میں چھوٹی تحصیل بنا ڈالی +

ٹیری میں شبی خیل اور ہموکی قبیلے آباد ہیں + بندوبست ۹۱-۱۸۹۳ء کے وقت ان قبیلوں نے یہ بیان دیا تھا کہ "ہم مروت معروف بحم نری [موزی] ولد بولاق کی شاخ خٹک پشتون ہیں - ہمیں اپنے مورث اعلیٰ تک اپنا نسب نامہ یاد نہیں ہے + لیکن محمود غزنوی (۹۹۸-۱۰۳۰ء) کے وقت ہمارے مورث غزنی سے یہاں آئے تھے - اور غیر آباد علاقہ آباد کر کے اس پر قابض ہو گئے تھے + تقریباً ۱۶۰ سال ہوئے ہونگے کہ [۱۸۸۴ء - ۱۶۰ = ۱۷۲۳ء میں] سعد اللہ خان اپنے سگے بھائی محمد عماد خان کے ساتھ علاقہ پشاور سے اس ملک کو آکر حاکم بن بیٹھا - اور جہاں یہ گاؤں اب بنا ہوا ہے آباد ہو گیا + حکومت کا اس کی اولاد کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے اس کی اولاد ہم سے عموماً مزروعہ اراضیات زبردستی چھین لیتے تھے اور کچھ غیر آباد علاقہ بھی آباد کیا اور اس پر قابض ہو گئے + اب اس گاؤں میں تین طرف ہیں : (۱) شبی خیل ، (۲) ہموکی اور (۳) خانزادگان (اکوڑ خیل) +

پہلے شبی خیل اور ہموکی نے ایک کھیت پر ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام کنڈاؤ کلہ تھا اور جو موجودہ آبادی سے ایک میل شمال کو تھا۔ وہاں پانی کی تکلیف تھی + جب سعد اللہ خان اکوڑ خیل نے موجودہ آبادی کے موقع پر رہنے کی جگہ بنائی تو پرانی آبادی کے باشندے بھی اس نئی آبادی کو چلے آئے - اس لئے وہ پرانی آبادی ویران پڑ گئی جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں + کیونکہ یہ آبادی ایک اونچی جگہ پر بنائی گئی تھی جسے اس ملک کی زبان میں ڈھیری بولتے ہیں اس لئے اس گاؤں کا نام ڈھیری پڑ گیا اور پھر غلط العام زبان میں ٹیری مشہور ہو گیا + رسول خان حاکم سے پہلے کے وقتوں میں ہم پر مالیہ مقررنہ تھا

اس نے ہر مالک پر چار روپے سالانہ فی گھر مقرر کئے ۔ ۱۸۵۱ء کے سرسری بندوبست کے وقت مالیہ مقرر ہوا جو ہم پہلے نواب صاحب [خواجہ محمد خان] کو دیتے تھے اور اب خان صاحب محمد ظفر خان کو ادا کرتے ہیں ۔



گرگری

بندوبست ۱۸۹۳-۹۱ء کے وقت موضع گرگری کے مالکان نے بیان دیا تھا: "بہت عرصہ گزرنے کی وجہ سے ہمیں مفصل حال نہیں معلوم۔ لیکن سنی سنائی بات ہے کہ چھ سو سال ہوئے ہونگے کہ پہلے پہل امندی ولد ترکی نے جو کہ خٹک کی چھٹی پشت میں ہے چشمی نامی رقبہ پر جو کہ اب امان کوٹ میں ہے قبضہ کیا۔ کچھ وقت کے بعد امندی مر گیا اور امندی کا بیٹا سرکی اور بہرام شاہ وہاں گزارہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے چل پڑے اور گنڈیری کلی پر قبضہ کر لیا +

ہمارے مورث ترکی نے اس گاؤں کے رقبے پر جو کہ اس وقت ایک بڑا ویران جنگل تھا تھوڑی سی آبادی کی + اس وقت سے ہم ترکی کی اولاد اس گاؤں کے کل رقبے پر مالک اور قابض چلے آ رہے ہیں +

ترکی نے جب یہاں آ کر اس گاؤں کا رقبہ آباد کرنا شروع کیا تو وزیروں کے تاختوں کی وجہ سے موجودہ آبادی سے شمال کی طرف پہاڑ کے قریب بستی بنائی اور وہاں رہتا تھا۔ بعد میں جب اس علاقے میں امن قائم ہو گیا تو وہاں سے اٹھ کر یہ موجودہ آبادی بنائی اور یہاں بس گیا + پہلی آبادی میں گرگرو کے بوٹوں کی بہتات کی وجہ سے گاؤں گرگری کہلایا +

سردار رسول خان حاکم وقت کی عملداری سے پہلے ہم علاقہ غیر سے نزدیک ہونے کی وجہ سے مالیے سے معاف تھے + اس نے اس گاؤں کا ۳۲۰ روپیہ کابلی مالیہ مقرر کیا + اس کے بعد نواب خواجہ محمد خان نے اس گاؤں کی کوئی جمع مقرر نہ کی تھی۔ ہم بٹائی دیا کرتے تھے +

ضلع کوہاٹ کے سیٹلمینٹ رپورٹ ص ۱۸۶ میں لکھا ہے: "گرگری کے باشندے بہت اعلیٰ لیکن بہت ضدی لوگ ہیں +" انگریزوں نے یہ الفاظ نواب وقت کی حمایت میں لکھے ہیں۔ کیونکہ گرگری کے لوگ

نواب صاحب کے ساتھ اصرار کرتے تھے کہ ان سے الحاق کے وقت سے جو پانچواں حصہ بٹائی اور ۲۴۰ روپیہ نقد لئے جاتے ہیں یہ زیادہ ہے اور اس میں کمی کی جائے۔ اور ان سے بھی اسی قدر برائے نام بٹائی لی جائے جو بعض دیگر دیہاتوں سے لی جاتی ہے جو وادی کے بالائی حصے میں واقع ہیں۔ [حالانکہ انگریزوں کے خیال میں ان کی زمینیں ٹیری کی بہترین زمینوں میں سے تھیں۔]

بندوبست کے وقت گرگری کے مالکانِ اراضی نے جو بیان دیا ہے وہ غیر مسلسل اور بے ربط جیسا ہے۔ انہوں نے یہ نہیں بتلایا ہے کہ تری کہاں سے اور کیوں آیا تھا۔ لیکن قبیلہ لفرتی نے جو بیان دیا ہے اس سے تری کی کوچ کا مفصل حال معلوم ہوجاتا ہے۔

تری کی اولاد کو آج دن تک یہ حقیقت اچھی طرح یاد ہے کہ وہ لفرتی کی اولاد کے عزیزوں یعنی رشتہ داروں میں سے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی لفرتی ان کے گاؤں چلا جاتا ہے تو یہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ ہم اور تم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح لفرتیوں کو بھی علم ہے کہ ہمارے ایک بھائی کا نام تری تھا جس کی اولاد اب ان اکناف میں آباد ہے اور تری کہلاتی ہے۔

جو قبیلے اپنی اصلی رہائشگاہ سے کوچ کرجاتے ہیں انہیں اپنا شجرہ اور دیگر کوائف کی تفصیلات اچھی طرح یاد نہیں رہتیں جیسا کہ آپ نے کودگے کی اولاد کے شجرے کے حال میں مطالعہ فرمایا اور جس کا تھوڑا سا ذکر شجرے کے باب میں بھی کیا گیا۔ اس لئے یہ بھی غنیمت ہے کہ تری حقیقت حال سے قطعاً ناخبر تو نہیں ہیں۔

* * *

لاچی مالگین وادی -

یہ چوڑی وادی سوانے سر اور گرگلوٹ کے پہاڑوں کے بیچ میں واقعہ ہے + اس کا مشرقی حصہ مالگین کا میدان اور مغربی حصہ لاچی کا میدان کہلاتا ہے + اس وادی میں (خصوصاً مغرب کی طرف) بہت سے گاؤں اور عمدہ زراعت کے بڑے بڑے قطعے موجود ہیں + اور اس وادی کے مشرق کی طرف ابا سندھ کی طرف ٹوٹے پھوٹے پہاڑوں کا سلسلہ ہے + اس وادی کی مٹی دومٹ ہے +

بعض کتابوں میں لاچی کی بجائے الاچی لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے + لاچی سطح سمندر سے ۱۵۵۰ فٹ بلند ہے + ۱۸۸۴ء میں لاچی کی آبادی ۳۰۵۵ نفوس پر مشتمل تھی +

انگریزوں کی عملداری کی ابتداء میں ایک سڑک جتہ اسمٰعیل خیل سے مالگین جاتی تھی اور مالگین سے براہ نجند اور جبر حلقہ کوھی کو- اور وہاں سے اٹک اور خیرآباد کی سڑک کے ساتھ مل جاتی تھی + اس سڑک پر نمک مالگین کی کانوں سے وادی پشاور کے مشرقی علاقوں کی طرف لیجایا جاتا تھا + ایک سڑک مالگین سے کوہاٹ بھی جاتی تھی + مالگین کے کانوں سے بہت پرانے وقتوں سے نمک نکالا جاتا تھا + جتہ کی کان خان (۱۰۷۲-۱۱۰۰) کے زمانے میں شروع ہوئی تھی + شہباز خان II نے ۱۷۸۰ء میں پہلی بار ٹیری کی کانوں پر محصول لگایا تھا + سکھ جتہ اور مالگین کی کانوں کے چھ ہزار روپیہ سالانہ ٹیری کے خان سے لیا کرتے تھے +

ضلع کوہاٹ کا سب نمک خٹکوں کے علاقے میں شمال میں لاچی کے پہاڑوں سے لے کر جنوب میں کرک تک اور مشرق میں ابا سندھ کے اس پار سے لیکر مغرب میں وزیروں کے پہاڑوں تک پایا جاتا ہے + اس نمک کا رنگ نیلا خاکستری ہے اور اس کی گہرائی کا ابھی تک کسی نے پتہ نہیں چلایا کہ کتنی ہے + خٹکوں کے نمک کے ذخیرے کے

شمال میں بنگشوں کے پہاڑوں اور جنوب میں لیٹوغر میں نمک نہیں ہے۔
خٹکوں کا نمک سوات، بنیر، باجوڑ، ننگرہار، پارہ چنار، افغانستان،
ڈیرہ اسمٰعیل خان اور پنجاب تک جاتا ہے۔

انگریزوں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ نمک ۵۰۰ سال تک کافی رہیگا۔
سو سال سے زیادہ تو گزر چکے ہیں اور اس وقت تو نمک بیلوں، گدھوں
اور اونٹوں پر لیجایا جاتا تھا اور نکاس کم تھا لیکن اب تو ٹرک بہت
ہی زیادہ مال لے جاتے ہیں اور شاید یہ نمک اب چار سو سال سے
پہلے ہی ختم ہو جائے

لیکن جو امر زیادہ تشویشناک اور ہماری حکومت کی فوری توجہ
کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ہر دفعہ بارش ہونے کے بعد بہت سا نمک
پہاڑوں سے ندیوں میں بہہ کر ضائع ہوتا رہتا ہے۔ اور اس قومی
دولت کو یوں بہتا اور ضائع ہوتے ہوئے دیکھ کر دل کو صدمہ پہنچتا
ہے۔

اگر ان ندیوں میں بند ڈالکر پانی کو سورج کی گرمی سے خشک
ہونے دیا جائے تو بھی بہت ہی معمولی خرچ سے بہت ہی زیادہ
نمک حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شکردرہ

شکردرہ شنہ خو چیرتہ ئے لشتہ

دریائے سندھ کے شمال کو ساغری خٹکوں کا علاقہ واقعہ ہے جس کا صدر مقام شکردرہ ہے۔ شکردرہ ایک تکونہ علاقہ ہے جس کے مشرق میں دریائے اٹک اور شمال کو ٹیری توئی بہتا ہے۔

شکردرے کی زمین نرم ریتلی ہے۔ اور بعض ظریف الطبع لوگ کہتے ہیں کہ یہ نام اصل میں شگہ درہ تھا۔ (شگہ پشتو زبان میں ریت کو کہتے ہیں۔

شکردرے میں تین چار گاؤں ایک دوسرے سے پیوست پڑے ہوئے ہیں۔ بندوبست کے وقت انگریزوں نے اس سب علاقے کو ایک موضع کا نام دے دیا۔ شکردرے کے علاقے میں بارہ گاؤں ہیں اور اس کی آبادی ۱۸۹۴ء میں ۱۵۰۰ نفوس تھی۔

یہ ایک زرخیز اور اچھی طرح سے آباد وادی ہے۔ لیکن اس کی تمام زراعت بارانی ہے۔ یہاں گندم اور باجرہ پیدا ہوتا ہے۔ ساغری علاقے کا بقایا حصہ پہاڑوں اور الگڈوں (سیلابی ندیوں) نے برباد کیا ہوا ہے۔ شمال میں لگوڑی وادی میں پہاڑ کا بنگالہ سرچک سندھ دریا تک پہنچا ہے۔ حقنی اور گراوان کے پہاڑوں کے بیچ میں غیر مستقل اور گراوان کے پہاڑوں اور ابا سندھ کے درمیان تھوڑی سی زراعت ہوتی ہے۔ شکردرے کے دو رکھوں میں سے ایک حکومت کے قبضے میں ہے اور اس میں کچھ جگہوں میں بوٹیوں کا جنگل ہے۔

شکردرے کا گاؤں پھیلا ہوا پڑا ہے۔ یہاں کی زمین میں نمی بہت زیادہ ہے اور نیچی جگہوں میں پانی نکلتا رہتا ہے۔ یہاں کے اکثر آدمی فوج میں نوکر ہیں اور سالہا سال تک اپنے گاؤں سے باہر رہتے ہیں۔

شکردرے کا ساغری سردار درانی بادشاہ کو اسی دنبے سالانہ بہ طور ملنگ دیا کرتا تھا۔ اور بادشاہ کے ذاب کرنے پر ۸۰ سوار بھی مہیا کرتا تھا۔

شکردرے میں جگہ بہ جگہ سندھ کے پانی سے بہ ذریعہ دھلائی جو سونا حاصل کیا جاتا ہے اس پر وہاں کا جاگیردار پانچ روپیہ فی مجمعہ لگان لیا کرتا تھا۔ اس میں سے جو دھلائی شکردرے کے حد میں ہوتی تھی اس میں سے جاگیردار سرکار انگلشیہ کو کچھ نہ دیتا تھا کیونکہ شکردرے کا تمام مالیہ جاگیردار لیا کرتا تھا۔ لیکن جو دھلائی راولپنڈی کی جانب ہوا کرتی تھی اس کی آمدنی میں سے چوتھا حصہ وہ اور تین حصہ سرکارِ انگلشیہ لیتی تھی۔ کیونکہ راولپنڈی کے مالیے میں سے صرف چوتھا حصہ جاگیردار لیا کرتا تھا۔

الحاق سے پہلے غلام مصطفیٰ خان شکردرے کا جاگیردار تھا جو ہر فصل پر چار روپے فی گھر وصول کیا کرتا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں مکھڈ کا خان شیر محمد خان شکردرے کا استمراری جاگیردار تھا۔ پھر اس کا لڑکا شیر احمد خان مکھڈ کا جاگیردار بنا۔

شکردرے سے ایک سڑک کالا باغ کو جاتی ہے جو بیس میل لمبی ہے۔ اس سڑک کی اب کالا باغ سے لے کر شکردرے سے تین میل تک دوبارہ مرمت کی گئی ہے اور اس پر موٹروں وغیرہ کی معمولی آمد و رفت ہوتی ہے۔ اس سڑک کے بن جانے سے پشاور سے کالا باغ (براستہ شکردرہ) جانے میں تین سو میل سفر کی بچت ہو جائیگی۔

شکردرے سے ایک رستہ مکھڈ کو جاتا ہے جو وہاں سے ۱۶/۱/۸ میل دور ہے۔

شکردرہ سے ۲½ میل شمال مشرق کو ایک کمپنی نے پٹرول تلاش کرنے کے لئے ایک آبادی سی بنائی ہے اور چھیدنے کا کام بھی شروع کر دیا تھا شکردرے کے بہت سے لوگ کمپنی میں نوکر ہو کر خوشحال بننے لگے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں چھید کرنے والے برمے کا سنبہ ٹوٹ گیا اور وہ کام ایسے بند پڑ گیا کہ ابھی تک دوبارہ جاری نہیں ہوا۔

پٹیالہ

یہ ایک چودہ میل لمبا اور آٹھ میل چوڑا میدان ہے۔ کوہاٹ سے خوشحالگڑھ جانے والی سڑک اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ پٹیالہ کا بڑا گاؤں خوشحال گڑھ دریائے اٹک کے کنارے، کوہاٹ سے ۲۹ میل مشرق کو سطح سمندر سے ۹۲۵ فٹ کی بلندی پر واقعہ ہے۔ ۱۸۸۹ء میں خوشحالگڑھ کی آبادی ۸۲۱ نفر تھی۔ یہ ایک پتھریلا علاقہ ہے۔ اور خوشحالگڑھ کا ریل کا سٹیشن دریا کے اس پار گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر بنایا گیا ہے۔

پٹیالے کا دوسرا مشہور گاؤں چُرکی، آبادی میں خوشحالگڑھ سے زیادہ لیکن شہرت میں اس سے کم ہے۔

پٹیالہ زیڑے سے مشرق کو واقعہ ہے۔ پٹیالہ کے مغرب میں گرگلوٹ کے سلسلے کے پہاڑ، جنوب میں کوہاٹ کا توئی اور اس کے اس پار پہاڑ ہیں۔

اس علاقے کا مشرقی آدھا (بہ شمول خوشحالگڑھ) اکوڑخیل خٹکوں کے قبضے اور تحصیل کوہاٹ میں ہے۔

پٹیالہ ایک کھلا میدان ہے۔ لیکن اس میں کئی جگہیں، خصوصاً دریائے اٹک کی طرف) الگڈوں نے برباد کر ڈالی ہیں اور اس میں جا بہ جا نیچی پہاڑیاں بھی، چھوٹی پڑی ہیں۔ کاشت بارش اور چھوٹے الگڈوں میں بند ڈالنے سے ہوتی ہے۔ عام فصل گندم، باجرہ اور تِل ہے۔ زمین جا بہ جا سخت دومٹ اور جا بہ جا نرم ریتلی ہے۔ اچھی بارش ہو جانے پر اچھی فصل اگاتی ہے۔

دریائے اٹک پر خوشحالگڑھ کا پل پٹیالے کے علاقے میں واقعہ ہے۔ خوشحالگڑھ اور خوزہ خیل (واقعہ زیڑہ) کا جاگیردار بلند خان خٹک امیرکلی میں رہتا تھا۔ یہ جاگیر محمد افضل خان ثانی کی ریاست میں تھی اور الحاق سے قبل بلند خان کے چچا مرتضیٰ خان نے محمد افضل خان II سے چھینی تھی۔

اور ۱۸۵۴ء سے پہلے محمد افضل خان II اور مرتضیٰ خان کی اس پر آپس میں لڑائی بھی ہو چکی تھی۔

انگریز ملند خان کو خوڑہ کے جنگل کی آمدنی میں بھی حصہ دیتے تھے۔

۱۹۰۵ء میں سعد اللہ خان امیر کلی کا اور اس کا سوتیلا بھائی نپہ کوہی میں خوشحالگڑھ اور خوزہ خیل کے جاگیردار تھے۔

زیڑہ

اس نام کا صحیح تلفظ زیے ڑہ ہے۔ جنوب کی طرف جنوبی زواکی (جواکی) کے پہاڑ زیڑہ کو پٹیالہ سے جدا کرتے ہیں۔ زیڑہ اور پٹیالہ کو اب حلقہ کوہی کہتے ہیں۔ زیڑے کی عام حالت خوڑہ کی طرح ہے جس کا ذکر اس کے بعد آجائیگا۔

زیڑہ کو خوڑہ سے چار میل چوڑے پہاڑوں نے جدا کیا ہے جن میں لوڑو سر ۴۸۰۲ اور پیلاب غاشہ ۴۸۳۲ فٹ اونچے ہیں۔ زیڑہ بھی اکوڑخیلوں کی جاگیر تھی۔

بہ استثنائے خوشحالگڑھ، خوزہ خیل، مزری تنگ اور زیارت شیخ اللہ داد افضل خان II زیڑہ اور خوڑہ کا حاکم تھا۔ اس کے وقت اس علاقے میں طوائف الملوکی تھی۔ انگریزوں کے الحاق کے وقت زیڑہ آدم خیل افریدیوں کی شاخ زواکی کے حملوں کی وجہ سے تقریباً غیر آباد تھا اور اس کی آبادی اب بھی بہت قلیل ہے۔ یہ سب علاقہ تقریباً بنجر ہے۔ جو آدھا حصہ جنگل ہے اور جس میں پلوسے کے درخت پیدا ہوتے ہیں وہ انگریزوں نے دبا لیا تھا۔ الحاق کے بعد انگریزوں نے بروئے چٹھی نمبر ۱۹۶۲ مورخہ ۱۹ ۵ ۱۸۵۱ محمد افضل خان سے اس کی جاگیر غصب کر کے اسے پشاور جلاوطن کر دیا۔

مئی ۱۸۵۱ء میں کوہاٹ کو پشاور سے جدا کر کے علیحدہ ضلع بنایا گیا۔ زیڑے کے جنگل سے لوگ بے تحاشا لکڑیاں کاٹ کر جلاتے اور بیچتے

تھے۔ لیکن ۱۸۸۳ء میں حکومت کا دھیان اس طرف پڑنے سے یہ نہایت قدرے کم ہوگئی۔

زیڑہ میں بھی تقریباً وہی درخت اگتے ہیں جو خوڑہ میں لیکن ویسے گنجان نہیں ہوتے۔ زیڑے کی زمین خوڑہ سے زیادہ کٹی پھٹی ہے۔ تور و سر پہاڑ کی ایک شاخ اسے تقریباً دو حصے کر لیتی ہے۔ خوڑے کی طرف زیڑے کا آخری گاؤں زیارت شیخ اللہ داد ہے۔ (دیکھیے اس کتاب میں زیارتوں کا باب)۔

ویسے تو محمد افضل خان II کی تمام جاگیر ضلع پنڈی کے مفروروں کی آماجگاہ تھی جو جب چاہتے آکر لوٹ مار کر جاتے اور جب دریائے سندھ کو پار کر جاتے تو ان کا تعاقب نہ کیا جاتا لیکن زیڑہ میں شیخ اللہ داد کا گاؤں زیادہ بدنام تھا اور ہمیشہ قاتلوں اور دوسرے مجرموں سے بھرا رہتا تھا۔ اس لئے بھی کہ اس گاؤں کا محل وقوع لوٹ اور دھاڑوں کے لئے موزوں تھا اور اس لئے بھی کہ اس گاؤں کی تبرک کی وجہ سے ملزم یہاں محفوظ رہتے تھے۔

بالائی زیڑہ میں صرف دو تین گاؤں ہیں جن میں چشموں سے آبپاشی کی جاتی ہے۔ عام فصل گندم، باجرہ اور تل ہے۔ خونہ خیل میں آبی زمین بہت زیادہ ہے۔ دریائے اٹک کی طرف کا علاقہ مقابلتاً زیادہ کشادہ ہے جسکی زراعت بارانی ہے۔

۱۸۵۲ء میں انگریزی سیاست کے تحت محمد افضل خان II کی جاگیر (زیڑہ اور خوڑہ) کو ضلع پشاور سے علیحدہ کر کے ضلع کوہاٹ کیساتھ ملائی گئی۔

زیڑہ کا مشہور گاؤں شادی پور ہے جو اباسندھ کے کنارے واقعہ ہے۔ ۱۸۸۰ء میں اس گاؤں میں بیس گھر تھے۔ زیڑہ کے دیگر گاؤں کے نام پستہ، خنڈہ، سیبن، منڈولی، تورسنی، خواجہ خیل اور درشہ خیل ہیں۔ لفرنی اور تترکی کے بھائی بند مہمندی زیڑہ میں بھی رہتے ہیں

خوڑہ

پہ نیراہ پہ سوات پہ خوڑو در پہ ور شوم
بیا م کوم لوری تہ تہ بیابے آسمانا ! (خان)

خوڑہ زیدہ کی شمال کی طرف واقعہ ہے ۔ خوڑہ پشتو زبان میں پہاڑی ندی کو کہتے ہیں ۔ خوڑہ میں بڑے خوڑے کا نام موسٰی درہ ہے جو اس کے بیچ میں بہتی ہے اور جس کا پانی پینے کے کام آتا ہے ۔ علاقہ خوڑہ کے اکثر خوڑے موسٰی درہ میں گرتے ہیں ۔ لیکن جو بہت مشرق کی طرف ہیں وہ سیدھے اباسندھ میں گرتے ہیں ۔ خوڑہ ایسے خوڑوں سے پٹا پڑا ہے ۔ مشرق کی طرف خوڑے گھٹتے جاتے ہیں حتیٰ کہ ہیلاب کے بیابان تک پہنچ جاتے ہیں ۔

خوڑہ ایک ناہموار پتھریلا علاقہ ہے جو پلوسے اور شترخار کے ایک گھنے جنگل سے ڈھکا ہوا ہے ۔ یہ پلوسے کبھی تو بہت نیچے اور کبھی ایک گز اونچے ہوتے ہیں ۔ وادی کے مغرب کی طرف اونچے ہوتے جاتے ہیں ۔ پھر پلوسوں کی بجائے گرگرے اگتے ہیں، اور شوون (زیتون) بھی دکھائی دینے لگتے ہیں ۔ یہ جنگل ہیلاب کی طرف ہلکا ہوجاتا ہے اور ادھر پلوسے کی جگہ جال اور کریڑے پیدا ہوتے ہیں ۔

خوڑہ میں پہاڑ تو نہیں ہیں لیکن زمین اونچی نیچی ہے ۔ اور خوڑوں کی زیادتی کی وجہ سے کاشت کم ہوتی ہے ۔ لوگوں کا بڑا ذریعہ آمدن گلہ بانی اور لکڑی اور کوئلہ بیچنا ہے ۔ خوڑہ کا جنگل حکومت اور رعیت کی مشترکہ ملکیت ہے ۔ صرف زمینیں لوگوں کی اپنی ہیں ۔ جنگل سے اپنے لئے لکڑیاں مفت کاٹتے ہیں اور اس میں ریوڑ بھی مفت چراتے ہیں ۔ لیکن جو لکڑیاں برآمد کرتے ہیں ان کی راہداری دیتے ہیں ۔

موسٰی درہ میں تھوڑے سے جاری پانی اور چراٹ کے پہاڑوں میں چشموں کے علاوہ خوڑہ میں آبپاشی کے لئے کنوئیں بھی کھودے گئے ہیں ۔ جو بہت کم گہرے ہیں ۔ خوڑہ کے مغرب کی طرف زراعت زیادہ ہوتی ہے ۔

خوڑہ کے اکثر لوگوں کے دو دو گھر ہوتے ہیں: ایک بلندی پر جہاں وہ مال چرانے جاتے ہیں اور دوسرا مشرقی دیہاتوں میں جہاں زراعتی زمینیں واقع ہیں۔

محمد افضل خان II کے وقت خوڑہ کی حالت زیڑہ سے بہتر تھی کیونکہ یہاں کے لوگ مقابلتاً طاقتور تھے اور ان کے تعلقات اپنے پڑوسیوں، حسن خیل افریدیوں کے ساتھ اچھے تھے۔

الحاق سے لے کر ۱۸۹۵ء تک خوڑہ اور نیلاب کی وادیاں ضلع کوہاٹ کا ایک حصہ تھیں۔ لیکن اس سال یہ ضلع پشاور کو منتقل کی گئیں۔

اب قانون تحفظ جنگلات کے دفعہ ۲۸ کے تحت خوڑہ کی تقریباً ۶۵،۰۰ ایکڑ بنجر زمین محفوظ جنگل ہے۔

چراٹ خوڑہ کا ایک اہم اور صحت افزا مقام ہے۔ اس لئے جب فرنگی یہاں پہلے پہل آئے تو انہوں نے چراٹ میں چھاونی بنائی۔ چراٹ سے ایک پختہ سڑک پشاور جاتی ہے۔ ۱۸۵۴-۵۵ء میں ایک سڑک براستہ درہ میرکلان خوڑہ سے پشاور کے لئے بنائی گئی تھی۔

خوڑہ کا دوسرا اہم مقام نظام پور ہے۔ یہاں اور شیدو میں اکوڑ خیل بستے ہیں۔ چشمئی میں فقیر جمیل بیگؒ کی اولاد بستی ہے۔

* * *

نیلاب

نیلاب ایک ہموار چپسا میدان ہے جس کی زمین نرم اور پٹیالہ اور خوڑہ سے بہتر ہے اور جہاں عموماً درخت پائے جاتے ہیں + زمین میں بہت سے پتھر ہیں لیکن وہ زراعت میں حارج نہیں ہیں کیونکہ زمین کو سرد رکھتے ہیں + یہاں خوڑے کم ہیں + جا بجا زراعت ہوتی ہے اور ان کے بیچ جا بجا پتھریلے بنجر ہیں + اس علاقے کے بیچ کا اونچا بیابان میدان کہلاتا ہے + اباسندھ کے کنارے ایک پتلی دومٹ زمین ہے جس میں منڈوری اور جی کے علاقے میں بہت سے کنوئیں کھودے گئے ہیں + ان دو گاؤں سے پیچھے کنوئیں کم ہیں اور اکثر زمینیں سیلابہ ہیں + چاہی رقبے کے مقابلے میں بارانی رقبہ بہت زیادہ ہے + گاؤں اکثر دریائے سندھ کے کنارے یا پہاڑوں کے دامن میں واقعہ ہیں +

نیلاب جعفر خان کے زیر حکومت تھا + جب سکھوں نے پشاور فتح کیا تو اسے نیلاب کا حاکم مقرر کیا + سکھوں کے جرنیل ابوطبیلہ نے نیلاب کا مالیہ ۵,۰۰۰ روپیہ مقرر کیا تھا +

سکھوں کی دوسری جنگ میں جعفر خان نے انگریزوں کی مخالفت اور سکھوں کی حمایت کی تھی + جنگ کے بعد انگریزوں نے اس کی جاگیر تو بحال رہنے دی - لیکن بندوبست کے وقت اس کی خانی کو یوں کمزور بلکہ ختم کیا کہ کاشتکاروں کو مالکان اور ادنیٰ کاشتکاروں کو ادنیٰ مالکان بنا ڈالا + انگریزوں نے ایسی ہی ناجائز حرکت ٹیری کے خانوں کے ساتھ بھی کی تھی + پھر انگریزوں نے جعفر خان کی جاگیر کے تین گاؤں (سوجنڈو، تنہ اور باغ جو اباسندھ کے مشرق کو واقعہ ہیں) ضلع راولپنڈی کو منتقل کر دئے اور ان کے عوض جعفر خان کو صرف ۴۰۰ روپیہ دوامی جینے کئے +

سنہ ۱۸۵۷ء کی لڑائی میں جعفر خان نے مغلوں کے برخلاف انگریزوں کی مدد کی تھی + وہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۸۳ء کو وفات ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا فتح محمد خان جاگیردار مقرر ہوا +

ابا سندھ کے پانی سے بہ ذریعہ دھلائی سونا نکالنے والوں سے جاگیردار ۵-۶ آنہ روپیہ فی حصہ لیا کرتا تھا جس میں سے سرکارِ انگلشیہ کو کچھ نہ دیتا تھا۔ ایک حصہ سال میں ۳۰ تولے سونا نکالتا ہے جس کی قیمت ۱۸۸۲ء میں ۱۶ روپیہ فی تولہ تھی۔

آج کل تو اس قسم کی دھلائی کے لئے جو دنیا کے کئی اور دریاؤں میں بھی کی جاتی ہے دھلائی کی مشینیں ایجاد کی گئی ہیں جو آدمی سے ۶۰ گنا زیادہ سونا نکالتی ہیں اور جن کی قیمتیں ۸,۰۰۰ روپیہ سے شروع ہوجاتی ہیں۔ اگر ہماری حکومت اس طرف دھیان دے تو دریائے سندھ کے پانی سے وہ منوں سونا حاصل کیا جاسکتا ہے جو اب بیکار بہہ بہہ کر سمندر میں گر رہا ہے۔

بائی زئی (مردان)

پہلے پہل اتمان خیلوں نے جو کہ ایک کرلانڑی قبیلہ ہے بائیزئی میں ایک وسیع علاقہ اور کشرانڑی زئی میں گیدڑ باندہ اور حمزہ باندہ پر قبضہ جمایا تھا۔

جب یوسفزئی اور ان کی ایک چھوٹی شاخ منڈڑ اس علاقے کو پہلے پہل آئے تو اتمانخیلوں سے رہنے کے لئے اراضی کی بھیک مانگی اتمانخیلوں نے انہیں تپہ بائیزئی میں رہنے کے لئے زمین دے دی۔ اور تقریباً ۱۵۱۲ء میں شیخ ملی نے یہ زمین بانٹ دی جس کی رو سے یوسفزیوں اور منڈڑوں کو میدانی علاقے میں بھی زمین ملی اور پہاڑی علاقے میں بھی۔

کچھ عرصے کے بعد یوسفزیوں اور منڈڑوں کی آپس میں ٹھن گئی۔ یوسفزیوں نے منڈڑوں کو سوات سے مار بھگایا۔ انہوں نے میدانی علاقے میں اتر کر یوسفزیوں کو وہاں سے سوات اور بنیر کی طرف مار بھگایا۔ لیکن صرف بزرگی شاخ کو وادئی لوند خوڑ سے نہ نکال سکے۔ اب سوات، بنیر، وادئی لوند خوڑ اور وادئی رانڑی زئی یوسفزیوں

کے اور جلد، پنجگار اور دریائے کابل تک کا علاقہ مندڑوں کا ہوا۔ [
رانڑی زئی باجوڑی کے شمال کو واقعہ ہے اور باجوڑی کے مندڑ رانڑ یزئی
کے یوسفزیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

گراکر اور ملندرہ کے دروں میں مغل فوج کی تباہی کے بعد،
دریائے کابل کے شمال میں یوسفزیوں اور مندڑوں کے ایک دوسرے پر
حملے، آپس کی لڑائیاں اور اس علاقے میں عام ویرانی شروع ہوگئی۔ اب
مندڑ کی یہ کوشش تھی کہ یوسفزیوں کو میدانی علاقے سے بالکل بیدخل کر
دیں اور انہیں پہاڑیوں کی طرف محصور کردیں۔ یوسفزئی جو مغلوں
کے ہاتھوں کمزور ہو چکے تھے اس نئے مقابلے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ اس
لئے یوسفزیوں نے خٹکوں سے کمک مانگی اور ان کی مدد سے مندڑوں
کو بھگا بھگا کر پہاڑوں تک دھکیل دیا۔

اب جب خٹکوں نے اپنے وطن کو لوٹنا چاہا تو یوسفزیوں نے
مندڑوں کے جوابی حملوں کے ڈر سے خٹکوں کو واپس جانے سے باز رہنے
کو کہا اور خٹکوں کے موجودہ علاقے کا یہ حصہ انہیں اپنے پاس رہنے کے
عوض دے دیا جو اکوڑہ کے بالمقابل دریائے کابل کے شمال کی طرف واقعہ
ہے۔ یہ علاقہ سوات کی سرحد پر اور مندڑوں اور یوسفزیوں کے بیچ
میں ہے۔ یوسفزیوں نے آئندہ خطرے سے بچنے کے لئے خٹکوں کو
مندڑوں کے سامنے ڈال دیا اور خٹکوں کے علاقے سے بفر سٹیٹ کا
کام لیا۔ اس علاقے میں جمال گڑھی، لونڈ خوڑ اور کاٹلنگ خٹکوں کے
بڑے بڑے گاؤں ہیں۔

یوسفزیوں کے علاقے میں سوائے نیم باجوڑی کے یوسفزیوں کا زور
ہے۔ لیکن باجوڑی میں مزروعہ زمین کا ۳۴ فیصدی رقبہ خٹکوں کا ہے۔
حیات افغانی میں یوسفزیوں کے علاقے میں خٹکوں کی تعداد تخمینا
چودہ ہزار لکھی گئی ہے۔

مکھڈ

ضلع راولپنڈی میں مکھڈ خٹکوں کی بڑی قرارگاہ ہے + ان کی اکثریت دریائے سندھ کے کنارے بستی ہے اور ہر وقت کے مردم شماری سنہ ۱۹۱۱ء وہاں ان کی تعداد ۶٫۵۰۰ تھی +

الحاق کے وقت غلام مصطفیٰ خان ساغری قبیلے کا جاگیردار تھا + وہ شکردرے کا سب اور مکھڈ کا ½ حصہ مالیے کا لیا کرتا تھا + اور وہ نمک کے کانوں کی آمدنی میں بھی حصہ لیا کرتا تھا +

الحاق کے وقت انگریزوں نے بذریعہ چھٹی نمبر ۲۰۰ مورخہ ۳۰ 9/۱۸۵۰ غلام مصطفیٰ خان کے خاندان کو اپنی جاگیر کا دوامی حقدار مانا تھا + اس کے بڑے بیٹے غلام محمد خان کا اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ تنازعہ رہتا تھا +

اس علاقے میں خٹک دریائے سندھ کے مشرقی کنارے مکھڈ سے ماڑی تک آباد ہیں + اور مکھڈ اور اس کے قریبی علاقے میں بہت طاقت رکھتے ہیں + لیکن دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے خٹک ایسے نہیں ہیں +

۱۸۵۰ء میں انگریزوں نے یہ ہتھکنڈہ کھیلا کہ بجائے نمک کی آمدنی کے مکھڈ کے جاگیردار کیلئے ایک ہزار روپیہ سالانہ علی الدوام مقرر کئے +

* * *

دوسری جگہوں میں

ضلع پشاور (پرگنہ خلیل مہمند، پرگنہ ہشت نگر تپہ محمد زئی، پرگنہ خالصہ تپہ خالصہ، پرگنہ خٹک، اور پرگنہ یوسفزئی تپہ بائیزی) ضلع کوہاٹ (تحصیل کرک سالم اور تحصیل کوہاٹ) ضلع راولپنڈی (مکھڈ وغیرہ) ضلع میانوالی (تحصیل عیسیٰ خیل اور کالاباغ) کے علاوہ خٹک مندرجہ ذیل جگہوں میں بھی آباد ہیں:-

(۱) خٹکوں کی ایک خاصی آبادی احمد زئی وزیر (ضلع بنوں) میں بھی ہے۔ عیسک کے پٹھوں میں سے برہ خان اور شکی ٹیری کے علاقے میں چشتی عیسک میں آباد ہو گئے تھے اور بعض ساتھ کے وزیروں کے علاقے میں۔

(۲) خاص تحصیل بنوں میں عابد خیل (بزملی)، غوریوالہ کے پاس شیری کلہ، بنوں بازار سے مشرق کی طرف کوٹکہ غلام قادر خان اور جنوب مشرق کی طرف خٹکو نے کلہ" خاص خٹکوں کی آبادیاں ہیں۔

بنوں میں بعض خٹک دنیوی مصلحتوں کی بناء پر اور حیات افغانی میں لکھے گئے شجرے کی رو سے، یا لاعلمی کی وجہ سے اپنے آپ کو بنوچی کہتے ہیں (نہ کہ شیتک!) ان گمراہ کن شجروں میں عابد خیل (خٹک) سرزملی خیل منڈانڑ (محسود) اور بازید خیل سودانی (منگل) سبھی کو شیتک کی اولاد لکھا گیا ہے جو سراسر غلط ہے۔

(۳) موضع عباسی (تحصیل لکی مروت، ضلع بنوں) میں نصف آبادی خٹکوں کی ہے۔ اور موضع شموئی خٹک میں آدھی آبادی گڈی خیل خٹکوں کی ہے۔ شموئی کا قصہ یوں ہے کہ ۱۸۶۴ء میں شاہ امان عرف شموئی نامی ایک گڈی خیل نے نواب خواجہ محمد خان کے ایک کاردار کو اس کی بدکاری کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اور خود معہ اپنے چند عزیزوں کے اپنے گاؤں شنوہ سے مروتوں کے علاقے کو بھاگ گیا اور وہاں رہنے لگا۔ یہ ایک قابل کاشت لیکن ریتلا علاقہ ہے جس میں کئی الگڈے بہتے ہیں اور جو دریائے کرم کے شمال کو اور نالہ منزلوہ اور مرغاٹہ اور ڈڈیوالہ گاؤں کے آخری حدوں

کے بیچ میں واقع ہے اور جس کا کل رقبہ ۵۶۸۵ ایکڑ ہے۔
۱۸۶۵ء میں اس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے یہ سب علاقہ ناجائز طور پر
بحق سرکار ضبط کر لیا۔ لیکن خٹکوں اور وزیروں کو ایکہزار ایکڑ رقبہ
دیدیا۔ ان کی حیثیت تو سرکاری مزارعوں کی تھی لیکن یہ بٹائی کسی کو بھی
نہیں دیتے تھے۔

کچھ مدت کے بعد نواب صاحب نے شمونی کا قصور معاف کر دیا اور
اکثر خٹک اپنے گاؤں شنوہ گڈی خیل میں اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔
لیکن وقتاً فوقتاً وہاں جاتے اور اپنے عزیزوں کے ذریعے اس علاقے
پر اپنا قبضہ قائم رکھا۔

بندوبست ۱۸۷۲ء کے وقت یہ سب رقبہ شمونی خٹک کے علاقے
کا حصہ مانا گیا۔ اب سارے رقبے کے حصول کے لئے خٹک اور وزیر
آپس میں لڑنے لگے۔ آخر انگریزوں نے ۱۳۷۰ ایکڑ رقبے کو شمونی
خٹک کا نام دے کر خٹکوں اور وزیروں کو اس رقبے کے مکمل مالکان
مان لیا۔

(۴) خٹکوں کی کچھ آبادی ضلع میانوالی میں ماڑی اور نکی کے
درمیان میں بھی پائی جاتی ہے۔

پیمانہ

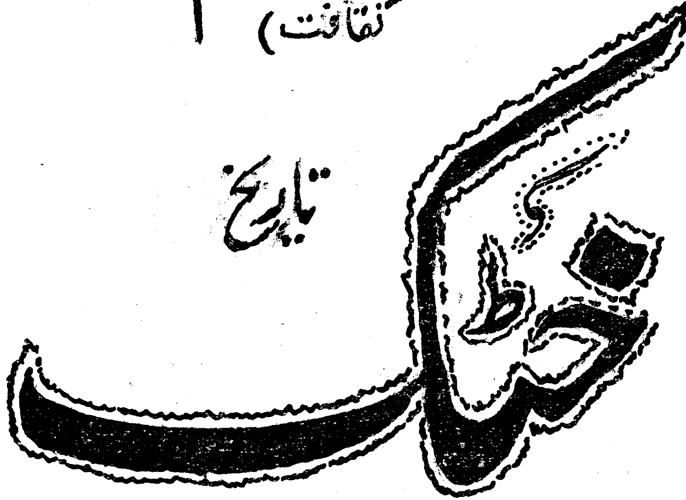
تاریخ پشاور ص ۲۰۳ پر تپہ خٹک کے حال میں لکھا ہے:- "جب خٹکوں
نے لنڈے دریاب کے جنوب کا علاقہ حاصل کر لیا اور دریا کے شمال میں
وہ علاقہ بھی یوسفزیوں سے حاصل کر لیا جو انہوں نے دلازاکوں سے چھینا تھا
اور اب تپہ بولاق میں شامل ہے تو حقیقت ملکی کی تقسیم کے وقت خٹکوں نے
اپنا سارا دفتر ۶۴ ببر کے پیمانے پر یوں تقسیم کیا:-

۶۴ ببر

لقمان کی اولاد کا حصہ ۳۲ ببر — کوہاٹ میں ۳۱ ببر — دیگر خٹک اقوام جو کوہاٹ میں بستے ہیں ½ ببر

ضلع پشاور میں بعض جو تپہ بولاق میں بستے ہیں ۱۲ ببر — علاقہ کوہاٹ میں دبڑاو پیالہ ۱۹ ببر

حصّہ سوئم
(ثقافت)



شکل و شباہت

خٹک ایک مضبوط، بامروت، صفائی پسند، سلیقہ شعار، ایماندار شائستہ، خوش اخلاق اور دلپسند قبیلہ ہے۔ ان کا رنگ عموماً ھلکا گندمی ہوتا ہے۔ اگرچہ ان میں گورا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ الفنسٹن (جلد ۲ ص ۴۹) لکھتا ہے: "شمالی خٹک [یعنی اکوڑخیل، میمندی، لواق وغیرہ] پشاور کے سب سے زیادہ سفید فام لوگ ہیں۔ لیکن پوشاک اور طور اطوار میں ہندوستان کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ بارک سے پیوست شمال کی طرف کے خٹک [ساغری اور بنگی خیل] سانولے ہیں۔ وہ ہندوستان کے بعض لوگوں کی طرح پہناوا رکھتے ہیں لیکن انکی طبیعت زیادہ سخت ہے۔"

خٹکوں کی آنکھیں اور بال عموماً سیاہ ہوتے ہیں جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ بہت عرصے تک گرم آب و ہوا میں رہے ہیں۔ لیکن ان میں سنہرے بال اور سبز اور زردہ رنگ کی آنکھیں بھی پائی جاتی ہیں۔ علم الانسانیات کی رو سے کسی فرد میں لعل بال تب ہی پائے جا سکتے ہیں کہ اس کے ماں اور باپ دونوں میں لعل بالوں کا دبا ہوا جین موجود ہو۔ جیسا کہ عام قاعدہ ہے خٹکوں کے مالدار لوگ بھی عوام سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

گزٹیر آف پشاور ڈسٹرکٹ ۱۹۳۱ء ص ۱۳۰ میں الفنسٹن (جلد ۲ ص ۴۹) کے حوالے سے لکھا ہے: "ضلع پشاور کے لوگوں میں بہترین نمونہ خٹک ہیں۔ کیونکہ وہ پہاڑ کی سخت زندگی بسر کرتے ہیں۔ دوسرے درجے پر یوسفزئی ہیں۔ لیکن زیادہ سیرابی، جاڑا بخار اور خوشحالی کی وجہ سے یوسفزیوں کی صحت خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اور فوج میں بجائے میدانی علاقے کے پہاڑی علاقے سے بھرتی کی جاتی ہے اگرچہ میدانوں والوں کو نوکری کی ضرورت ہے بھی نہیں۔

نصرتی :- اونچے، بھاری اور مضبوط ہیں۔ [گرم آب و ہوا کے رہنے والے عموماً اونچے اور پتلے ہوتے ہیں] لیکن تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ پشتونوں کا یہ مخصوص قد و قامت ان کی مخصوص غذا کی وجہ سے ہے۔ یہ تجربہ ایک ساخت کے چوہوں پر ہندوستان کے مختلف طبقوں کی خوراک کا اثر معلوم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ پشتون مضبوط ہیں۔ جن چوہوں کو ان کی خوراک دی گئی تھی وہ قد آور تھے، کم بیمار پڑتے تھے، کثیر الاولاد تھے اور نر بچے اور بچے کم مرا کرتے تھے۔ وہ ذہنی کمزور ہیں۔ ان کی غذا (زیادہ تر چاول) پر پلے ہوئے چوہے چھوٹے تھے، ان کی کھال نکمی تھی، بیمار زیادہ پڑتے تھے، کثیر الاولاد نہ تھے اور مرتے زیادہ تھے۔ [ملاحظہ ہو: ہیومن سپشیز ص ۱۴۳-۱۴۱]

تھل میں رہنے کی وجہ سے نصرتیوں میں سانولے بھی ملتے ہیں۔ مرد عموماً خنڑے (پٹے) رکھتے ہیں جو پشتونوں میں ہزاروں سالوں کا پرانا رواج ہے اور اس زمانے سے چلا آتا ہے جب تلوار اور ڈھال سے لڑائی ہوتی تھی۔ تلوار کی وار سے بچنے کے لئے پٹے رکھے جاتے تھے جو گردن کی حفاظت کے لئے کندھوں تک لمبے چھوڑے جاتے تھے۔ اور پٹوں کو اس لئے گھی لگائے رکھتے تھے کہ تلوار پھسل جائے۔

نصرتیوں میں بڑی بڑی مونچھیں اور شرعی داڑھیاں بھی عام ہیں۔ ان میں گلیمو رکھنے کا رواج نہیں آیا۔ مرد و زن کھیڑی (چمڑے کی چپلیاں) پہنتے ہیں۔ جوتی (پونڑے) پہننے کا رواج اب تقریباً ختم ہے لاچی کی سادہ اور طلادار کھیڑی بہت مشہور ہے لیکن اب طلادار کا رواج بھی مٹ چکا ہے۔ مرد آجکل سفید قمیص اور پڑتوگ (شلوار) پہنتے ہیں۔ لنگ (دھوتی) باندھنے کا رواج جو پشتونوں میں رگ وید کے زمانے سے رائج تھا آج کل بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ بوڑھے لوگ تو دستار کا اتنا خیال نہیں رکھتے لیکن نوجوان پگڑیوں کو مختلف رنگ،

کلف اور ابرک دیتے ہیں + ٹیڑھی پگڑیاں باندھتے اور دریبانہ
بَربَرہ (طُرہ) اور شملہ رکھتے ہیں + آج سے سو سال پہلے امراء دستار
میں اشرفیاں اور غربا خوشبودار ٹہنی کے پتے ٹانکتے تھے + آج کل ہلکے
کپڑے پہنتے ہیں + وزنی پشتونوال کپڑوں (انگرکھا، گھگرہ اور منڈلبسہ)
اور سردیوں میں شٹرئی، چغے اور پوستین کا استعمال بہت ہی کم ہے +
عورتیں پورے لمبے بال رکھتی ہیں + نوجوان لڑکیاں پیکائی
(بودی) رکھتی ہیں + بڑی عمر والیاں ماتھے پر بال گھوندلی اور پیچھے
کی طرف ایک گتھہ رکھتی ہیں - ان کے ہاں بھی جوتی کی جگہ کھیڑی لے
رہی ہے - لیکن کپڑے وہی پرانے زمانے کی طرح بھاری پشتونوالے
پہنتی ہیں + بعض نوبیاہتا عورتوں کی پرتوگ ۲۰ گز کی، قمیص ۲۵
گز کی اور چادر ۶ گز کی ہوتی ہے + بوڑھیاں عموماً جبش کی چوڑیدار
پرتوگ پہنتی ہیں - انکی قمیصیں پہلے عموماً سلارے کی ہوتی تھیں
لیکن اب ٹوکہ (چھینٹ) کا رواج عام ہے + آستینیں اب بھی گھیردار
رکھتی ہیں - یہ رواج بھی رگوید کے وقت سے چلا آرہا ہے + قمیص
رنگ برنگ کے ٹکڑوں سے سیتی ہیں جس کی کھلی آستینیں اور سینہ
پوش سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں + سینہ پوش پر روپیہ وغیرہ ٹانکتی
ہیں اور چلتے پھرنے میں سینے پر تمغے ٹانکے ہوئے سابق فوجی دکھائی
دیتی ہیں + [عورتوں میں یہ اور زیور پہننے کے رواج اس لئے ہیں
کہ پشتون جنگ کی حالت میں بھی عورتوں کو نہیں لوٹتے تھے اور
یوں کنبے کا اثاثہ پنٹرئی اور زیور کی صورت میں محفوظ رہ جاتا تھا +
قمیص کے پہلوؤں میں کئی چونٹ (سلوٹیں) رکھتی ہیں + ان کے خیشتک
بعض اوقات گھٹنوں سے بھی نیچے لٹکتے ہیں + عورتوں میں رگوید
کے زمانے کا لنگ باندھنے کا رواج بہت عرصے سے تا پید ہے .
مردوں میں کچھ کچھ اس لئے اب بھی پایا جاتا ہے کہ یہ سنت نبوی ہے
عورتیں ستر پوشی کے زیادہ خیال سے اسے نہیں پہن سکتیں +

تاکفدا لڑکیوں کا لعل لباس پہننا بہ امر مجبوری ہے۔ کیوں کہ اولاً تو سفید کپڑے مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ثانیاً گھر کا کام کاج کرنے کی وجہ سے وہ اجلے کپڑے رکھ بھی نہیں سکتیں اور دیگر اقسام کے بھڑکیلے کپڑے بوجہ حیا پہن بھی نہیں سکتیں۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ اس عمر میں انہیں اس رنگ کے کپڑے اس لئے پہنائے جاتے ہوں کہ مردوں کی نگاہیں انکی طرف کھنچ سکیں کیونکہ اکثر بے غیرت باپ اپنی لڑکیوں پر پیسے لیتے ہیں جس کا ذکر آپ "عورتیں" کے عنوان کے تحت پڑھ لینگے۔

عورتوں میں اغیار سے پردہ اور برقعہ پہننے کا رواج اب چند سالوں سے شروع ہوگیا ہے۔ بھاری بھرکم لباس پر برقعہ پہنے ہوئے عورت ایسی دکھائی دیتی ہے جیسے شبیر میں پھونک بھر دی ہو۔ چاندی کی بالیاں، کنٹس اور اوڑنی عورتوں کا عام گہنا ہے۔

مرد اور عورتیں آنکھوں میں سرمہ ڈالتے ہیں، بالوں میں تیل ڈالتے ہیں اور اخروٹ کے چھلکے سے دانت صاف رکھتے ہیں اور چاندی یا تانبے کی انگوٹھی یا چھلا پہنتے ہیں۔

یارکوں کا حال بھی لفرینوں کی طرح ہے۔ لیکن لفرینوں کے جنوب میں رہنے والے گنڈبخیل وزنڈی (کم لمبی) داڑھیاں اور داڑھی منڈے موٹی موٹی مونچھیں رکھتے ہیں۔

کپڑے کی گرانی اور بدلتی دنیا کی وجہ سے اب ہر علاقے کی عورتوں میں بھاری لباس کا استعمال سرعت سے گھٹ رہا ہے۔ سڑک کے کنارے واقعہ آبادیوں میں تو نمایاں تبدیلی آچکی ہے۔

ٹیری کے بارک وغیرہ بھی اونچے جسیم اور مضبوط لوگ ہیں۔ پٹے اور شرعی داڑھیاں عام ہیں اور پہلے وقتوں سے زیادہ نہیں بدلے۔

ساغری بھی بارکوں کی طرح، لیکن ان سے زیادہ چاق اور چوبند ہیں۔ یہ اونچے اور پتلے لوگ ہیں۔ ان کے پتلے پن نے ان کو پہاڑی

زندگی کے لئے موزون بنا دیا ہے۔ یہ لوگ بارکوں سے زیادہ خوش مزاج اور چست ہیں۔ ساغری اپنے خشک پہاڑوں میں رہنے کی وجہ سے سخت جان اور چست بن گئے ہیں۔

بنگی خیل بھی ساغریوں کی طرح لیکن اتنے چست لوگ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھنے اور اترنے میں پشتونوں کا کوئی قبیلہ انکی برابری نہیں کر سکتا۔

پشاور میں رہنے کی وجہ سے اکوڑ خیلوں میں پٹے رکھنے کا رواج نہیں رہا۔ وہاں کے مرد یا تو سر کے بال مونڈھتے ہیں اور یا خشخاشی رکھتے ہیں۔ پشاور کی مرطوب آب و ہوا میں رہنے کی وجہ سے ان کے قد و قامت میں کمی آگئی ہے۔ مردوں اور عورتوں کا قد و قامت درمیانہ ہے۔ عموماً سفید رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان کی شجاعت ابھی بحال ہے۔ حسن خیل افریدیوں کی سرحد کے پاس بسنے والے، خصوصاً کمر میلہ کے لوگ بہت بہادر اور دلیر ہیں اور افریدیوں کا مقابلہ اچھی طرح کر سکتے ہیں۔

عام غربت کی وجہ سے دستار میں کلاہ کا استعمال خٹکوں میں نہیں پایا جاتا۔ قراقلی ٹوپیوں کا استعمال بھی رواج نہیں پا سکتا۔

زبان

خٹکوں کی مادری زبان پشتو ہے۔ ان کا لہجہ قندھاریوں کی طرح نرم اور کوئٹہ کے کاکڑوں سے بہت ملتا جلتا ہے۔ برخلاف افریدیوں، اورکزیوں اور بنگشوں کے جن کا لہجہ کابلیوں کی طرح سخت ہے۔

پروفیسر مارگنسٹرین لکھتا ہے: "پشتون" اصلی اور قدیمی تلفظ ہے اور "پختون" مقابلتاً جدید تلفظ ہے اور لہجے کا تغیر ہے اور شمالمشرقی تلفظ ہے۔

کیرو (دی پٹھانز، مقدمہ ص ۱۶) لکھتا ہے: پشتونوں میں صرف خٹک ہی ایک ایسی قوم ہے جو 'پشتو' اور 'پختو' کی تقسیم کی فرضی

خط کے دونوں جانب بستے ہیں" لیکن آگے چل کر اپنی تردید ان
الفاظ میں کرتا ہے (ص ۲۲): "بھلا یہ صحیح ہے کہ کودے کی اولاد
شمالی ہیں اور 'پختو' کا سخت لہجہ استعمال کرتے ہیں ..... لیکن کوہاٹ
کے خٹک اس سے مستثناء ہیں جو اگرچہ وہ کودے کی اولاد ہیں لیکن
نرم لہجہ ['پشتو'] بولتے ہیں۔"

کیرو نے پشاور کے خٹکوں کے متعلق بیک قلم سخت غلطی کی ہے کہ وہ
سخت لہجہ 'پختو' استعمال کرتے ہیں۔ پشاور کے خٹکوں میں تو نری
(اکوڑ خیل)، ترکی (مہمندی) اور بولاق سبھی شامل ہیں جو آج دن تک
پشتو کا نرم لہجہ استعمال کرتے ہیں اور جسے پشاور کے پشتون خٹکوالہ
'پشتو' کے امتیازی نام سے پکارتے ہیں۔ اور خود انگریزوں کی تصنیف
"گزیٹیر آف پشاور" ص 119 میں لکھا ہے کہ ضلع پشاور میں صرف
تحصیل نوشہرہ کے لوگ نرم [لہجہ] پشتو بولتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ پڑوس کے قبائل کی لہجے کا اثر خٹکوں کی
زبان پر بھی ہو رہا ہے۔ پشاور کے ارمڑوں کی زبان میں "پشہ" (ٹانگ)
بجائے "پشپہ" (لات) کی مثال تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی بناء پر
زیارت کاکا صاحب کے خٹک "شخ" (دفن) کو "خښ" کہتے ہیں!

آج سے تقریباً تین سو سال پہلے تو یہ فرق بہت زیادہ نمایاں
تھا۔ کیونکہ خوشحال خان خٹک اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کی
سب تصنیفات نرم لہجے (پشتو) میں لکھی گئی ہیں۔ خان کی کلیات
کا ایک قلمی نسخہ جو سنہ ۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے خالص نرم لہجے میں
لکھا گیا ہے۔ اور خان کا "دستار نامہ" اور فضل نامہ تو عبدالشکور خا
نے ایک حد تک مصنف کے لہجے میں چھاپے ہیں لیکن خان کی کلیات
کا جو نسخہ بلیو نے پشاور جیل سے چھپوایا تھا اس میں بہت زیادہ
ادبی خیانت سے کام لیا گیا ہے اور کتاب کے نرم لہجے کو سخت لہجے
میں منحرف کیا گیا ہے۔ یہی کچھ خان کے فضل نامہ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

گیرو نے تو بلیو کا اڈیشن یا راورٹی کا ترجمہ دیکھ کر لکھدیا جو کچھ کہ وہ لکھ گیا ۔ ایسے لہجوں کے تغیرات کا کیا علم ؟ اور پھر اس کی پشتو دانی تو آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں ۔

نرم لہجے والے بعض قبیلے آ کی بجائے و (بیادہ پلور) ۸ او کی جگہ ی (مور = میر) بولتے ہیں ۔

زبانوں کی جغرافیائی تقسیم میں پشتونوں کا سب سے مغربی قبیلہ جو ایرانی زبانوں کی مشرقی شاخ کا جنوب مغربی لہجہ استعمال کرتے ہیں خٹک ہے ، خٹکوں کا مرکز کوہاٹ ہے لیکن وہ پشاور بنوں اور مکھڈ میں بھی بستے ہیں ۔

سابق شمال مغربی صوبہ سرحد کے ایک چیف کمشنر ہیرلڈ ڈین نے علم فقہ اللغت سے کسی قسم کی واقفیت کے بغیر لکھا ہے "خٹکوں کا لہجہ ایسی تمثیلی جنوب مغربی پشتو نہیں ہے جیسا کہ بنوں کے لہجے"

ڈین کی غلطی اس لئے اظہر من الشمس ہے کہ بنوں میں بنوچی، مروت اور وزیر بستے ہیں جو تینوں کے تینوں مختلف لہجے استعمال کرتے ہیں ۔ بنوچیوں اور مروتوں کے لہجوں میں گہری مغائرت ہے اور وزیروں کا لہجہ بنوچیوں کے لہجے سے اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ بنوچیوں کا خٹکوں کے ساتھ ۔ ان میں سے وزیر، بنوچی اور خٹک تو کرلانڑی قبیلے ہیں اور مروت قیسی ہیں ۔ محلِ وقوع کے لحاظ سے خٹکوں کے جنوب میں مروت اور جنوب مغرب میں بنوچی بستے ہیں اور وزیر بنوچیوں کے مغرب کی طرف آباد ہیں ۔

بنوں ایک زرخیز علاقہ ہے ۔ قدیمی تجارتی شاہراہوں میں سے ایک بنوں میں سے گزرتی ہے ۔ بڑے بڑے لٹیرے مثلاً تیمور، بابر اور نادر شاہ بنوں میں سے ہو کر گزرے ہیں ۔ مروتوں کا علاقہ بھی کھلا میدانی علاقہ ہے ۔ ایسے علاقوں کا لہجہ صاف کبھی نہیں رہ سکتا ۔ اگر کوئی لہجہ تمثیلی ہو سکتا ہے تو خٹکوں یا وزیروں کا ہی ہو سکتا ہے جو پہاڑوں میں بسنے کی وجہ سے بیرونی اثرات سے نسبتاً محفوظ رہے ہیں ۔

پښتون ذات چه رب پیدا کړو له ازله
دود دعلم او دهنر په کښه کمتر دے ۰ [ہجری]

محمد اشرف خان ہجری کا مندرجہ بالا شعر اس بات پر صاد ہے کہ آج سے ۲۸۰ برس پہلے پشتونوں میں تعلیم کی کمی تھی ۰ لامحالہ اس وقت خٹکوں میں بھی تعلیم کم ہوگی ۰ لیکن نئی تحقیق کی رو سے خٹک مصنفین کی جو کتابیں وقتاً فوقتاً ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی خٹک دیگر پشتون قبائل سے مقابلتاً زیادہ تعلیم یافتہ تھے ۰

آج بھی خٹکوں میں دینی اور دنیاوی علوم کے حصول کی خواہش بہت زیادہ ہے لیکن متأسفانہ ان کی کئی جگہوں میں انہیں تعلیمی سہولیات میسر نہیں ہیں مثلاً تحصیل کرک کی ۹۸،۰۷۳ کی آبادی کے لئے ایک کالج بھی نہیں ہے! اور کرک کے مردانہ ہائی سکول میں آج تک بیالوجی کا بندوبست نہیں ہے! لڑکیوں کے مدرسے کا تو ذکر ہی کیا!!

تحصیل کرک کے لوگوں نے ایک موقعے پر اپنے سیاسی نمائندے سے کہا تھا کہ یہاں زنانہ ہسپتال تو ہے لیکن لیڈی ڈاکٹر نہیں آتی اور جو آتی ہے چلی جاتی ہے ۰ نمائندہ تھا عقلمند اس نے ان سے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم اپنی لڑکیوں کو ڈاکٹری کی تعلیم دلواؤ تاکہ روز روز کی منت زاری سے نجات پاؤ؟ اس وقت بھی ایک سمجھدار شخص نے اپنے نمائندے سے یہی کہا تھا کہ آپ یوں کیوں نہیں کہتے کہ پہلے اپنی لڑکیوں کو ڈاکٹری پڑھانے کے لئے ایک میڈیکل کالج بناؤ ۰ ہماری عورتیں مری جا رہی ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو ڈاکٹر بنا کر لاؤ ۰ ہمارے بچوں کے لئے ڈاکٹری پڑھنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے اور بچیوں کو ڈاکٹر بنانے کو کہتے ہیں ۰ کیا ہم حکومت کو مالیہ اور ٹیکس نہیں دیتے ہیں؟ کیا ہمیں جینے کا حق حاصل نہیں ہے؟ کیا ہم وفادار پاکستانی باشندے نہیں ہیں؟ تو کیا حکومت ایک ڈاکٹرنی کو بھی یہاں نہیں بھیج سکتی یا وہ آنے سے انکار کر سکتی ہے؟

آج کل تحصیل کرک کے لڑکے کالج کی تعلیم کے لئے کوہاٹ، بنوں یا ڈیرہ اسمٰعیل خان وغیرہ جانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ یہ ایسی صورت ہے کہ ایک کالج میں تین سال تک طالب العلموں کی تعداد صرف دس کے قریب رہی!

جدید ترین اعداد و شمار کی رو سے تحصیل کرک میں تعلیمیافتہ مردوں اور عورتوں کی تعداد صرف ۶۷ء۱۶ فیصد ہے یعنی ہر چھ افراد میں پانچ افراد غیر تعلیمیافتہ ہیں!!!

امید ہے کہ ہماری حکومت اس مسئلے کے ہر جانب پر جلد از جلد اپنی ہمدردانہ توجہ صرف کریگی۔

خو خصلت

خٹک کے عیوب پر اس کے اوصاف کی فراوانی اور لطافت نے ہمسایہ قبیلوں کے دلوں میں اس کی عزت اور محبت پیدا کی ہے۔ اپنے قبیلے کی ملی روایات اور آزادی اور عزت پر جان چھڑکنا خٹک کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ان کی طبیعت اغیار کی محکومیت کسی صورت میں بھی قبول نہیں کرسکتی۔

خٹک حتی الامکان قتل سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہوجائے مثلاً عورت کی شرم یا اس قسم کا کوئی معاملہ نہ بن جائے۔ لیکن ایسی مجبوری کی حالت میں بھی دشمن پر پیچھے سے وار نہیں کرتا۔ ہمیشہ سامنے ہو کر لڑتا ہے۔ مسجد میں یا نماز پر کھڑے دشمن پر وار نہیں کرتا۔

خٹک بے پناہ جرأت، غیر معمولی شجاعت اور علو ہمت رکھتا ہے بہادری کے وقت یہ نہیں دیکھتا کہ مقابلے میں کتنے آدمی ہیں یا ان کے پاس کیا کیا اسلحہ ہے۔ راقم الحروف کے پاس ایک مقدمہ اس نوعیت کا آیا تھا کہ ایک دشمن نے مقتول کے گھر جا کر آواز

دی کہ مرد ہو تو نکل آؤ۔ یہ سنتے ہی وہ شخص باہر نکلا۔ اس کے بھائی نے اسے آواز دی کہ ٹھہرو! بندوق تو لینے دو۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اس کا بھائی وہاں پہنچتا مقتول جان مروا چکا تھا اور ایک گھڑے میں مردہ پڑا تھا۔

خٹک سریع الاقدام تو ہیں لیکن مغلوب الغصہ نہیں ہیں۔ چھوٹی موٹی باتوں پر جنگ جدال نہیں کرتے۔ ان میں یہ بہت اچھا رواج باقی ہے کہ اکثر تنازعے بذریعہ ثالثان (جنکی تعداد عموماً چار ہوتی ہے) فیصلہ کرتے ہیں۔ ثالثان اپنا فیصلہ منوانے کی ضمانت کے طور پر فریقین سے برابر برابر کا روپیہ یا چاندی کے زیور اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ اگر کوئی فریق ان کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دے تو ضمانت کا جملہ روپیہ یا زیور جسے ان کی اصطلاح میں "نخوڑہ" کہتے ہیں دوسرے فریق کو دے دیتے ہیں۔

خٹک نقب زنی نہیں کرتے۔ مسافروں کو نہیں لوٹتے۔ جعلسازی، جلبازی، فریبدھی اور حیلہ سازی نہیں جانتے۔ قرض لے کر نہیں مکرتے۔ جوا نہیں کھیلتے۔ لنڈگی اور جیب تراشی نہیں کرتے۔ جملہ کوٹھی اور لواطت نہیں کرتے۔ قول اور دوستی کے پکے ہوتے ہیں۔ بعض اور پشتونوں کی طرح مقدمہ باز نہیں ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں ان کے اکثر مقدمے تقدیرات کی بابت ہوتے تھے۔ زمینوں کے مقدمے نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج کل نقدی کے مقدمے کم اور زمینوں کے زیادہ ہو گئے ہیں۔

خٹک جفاکش، شمشیرزن، باہمت، خوش اخلاق، شائستہ، سادہ، ایماندار آزاد منش ہیں۔ مہمان نوازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

ان میں قبائلیت اور گاؤں گیرت (ہم گاؤں ہونے یا شہریت) کا جذبہ مقابلتاً زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا علاقہ غیر محفوظ

ہے - اور جغرافیائی لحاظ سے اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے دفاع کے لئے ایک دوسرے سے ملے رہیں + نیز جدا جدا بانڈہ جات میں رہائش نے ان میں محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے - [ملاحظہ ہو سوشیالوجی] پشتو کے وقتوں کے ٹنگوں اور ناخنوں لے ان میں اس جذبے کی پرورش کی ہے +

خٹکوں میں ایثار، ہمدردی اور امداد کا جذبہ بہت زیادہ ہے + اپنا کام چاہے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو اسے چھوڑ کر پہلے اپنے عزیز کا کام کرتے ہیں - اس لئے ان میں یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ: خٹک وے چا زڑہ ٹوله - که د خپل ورور غم نه کوله +

ان میں برداشت، جانبازی اور جرأت کی خوبیاں مقابلتاً زیادہ ہیں + یہ خوبیاں ان میں اپنے اس غیر آباد لیکن صحت افزا علاقے نے پیدا کی ہیں جس نے انہیں پاکستان کے طول اور عرض میں حصول معاش پر مجبور کیا ہے +

ان میں پشتونوں کے حسد، گروہ بندی اور موروثی دشمنی کے جذبات مقابلتاً کم ہیں + ان کا ہر معمولی بات پر کچہری نہ جانے کی وجوہات ان کی غربت اور کچہریوں کا دور ہونا ہے + صلح پسند اور دشمنی کو مٹانے کے خواہشمند اس قدر ہیں کہ کسی قتل کے ہوتے ہی، رپورٹ ہونے سے پہلے ہی قاتل کا فریق راضینامے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور کچہری تک پہنچنے سے پہلے ہی اکثر مقدموں کا راضینامہ ہو جاتا ہے +

تحصیل کرک کے لوگوں کا کاروبار زیادہ تر بنوں کے ساتھ ہے لیکن وہ صبح سویرے ہی لاری میں آ کر اور جھٹ پٹ سودا سلف کر کے اسی دن گھر لوٹ جاتے ہیں + عوام بلاوجہ بنوں میں آنے کیونکہ سڑکیں ناکارہ اور ذرائع آمد و رفت غیر یقینی اور سخت تکلیف

دہ ہیں - اس لئے بنوں کی تہذیب اور اس مخرب اخلاق شہر کی قربت نے خٹکوں کے اچھے اوصاف پر ویسا اثر نہیں کیا جیسا بنوں کے مغرب میں رہنے والے قبائل پر + یہی حال تحصیل کوہاٹ اور تحصیل نوشہرہ کے خٹکوں کا ہے جو صرف بوقت ضرورت ہی شہر کوہاٹ یا شہر پشاور کو جاتے ہیں +

بعض اور قبائل کی طرح خٹک پولیٹکل محکمے کے پیسوں اور پرمٹوں کے ذریعے دولت مند نہیں بن سکے - لیکن غربت کے باوجود پہلے کی طرح معزز اور امن پسند ہیں اور ان کی خوبیوں کی وجہ سے ان کے پڑوسی مثلاً وزیر، مروت، بنوچی، بنگش، خلیل مہمند اور یوسفزئی ان کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں -

آج سے تقریباً سو سال پہلے خٹک کلیتہً اپنے خان کے زیر فرمان تھے - اور خان کی ریاست ٹیری خود مختیار تھی - لیکن انگریزوں کے سامراجی دور میں خان کے لامحدود اختیارات میں نمایاں کمی لائی گئی - لیکن صوبہ سرحد کی بعض دیگر ریاستوں کی طرح ریاست ٹیری بھی ابھی تک پاکستان میں کلیتہً مدغم نہیں کی گئی بلکہ اہالیانِ ریاست کے مفادات میں دلچسپی لئے جانے کی دانشمندانہ پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے +

نہ ہی انگریزوں کے دور میں خٹکوں کے خو اور خصلت میں کوئی نمایاں فرق آیا تھا کیونکہ ان کا چلن اس دور سے بہت پہلے پشتونولی کی مستقل صورت اختیار کر چکا تھا جو آج بھی بہت زیادہ نمایاں ہے - اور باوجود پٹوں، شرعی داڑھیوں اور بھاری لباس کے ان کی تہذیب پاکستان کے کسی قبیلے سے بھی پیچھے نہیں ہے +

خٹک اسلام کی برکتوں سے مالا مال ہوئے + لیکن باوجود مسلمان ہونے کے، انگریزی قانون کے تحت آنے کے اور پھر شرعیت کے جزوی نفاذ کے، یہ آج بھی کافی حد تک پشتونولی

کے رواج سے متاثر ہیں۔ اور اپنے کئی معاملات جرگوں سے باہر رواج کے ذریعے فیصلہ کرتے ہیں۔

ان کے وطن کی غربت اور روزی کمانے کے لئے مشقت کی ضرورت نے انہیں محنت کش اور حوصلہ مند تو بنایا ہے لیکن بعض دیگر قبائل کی طرح چور اور ڈاکو نہیں بنایا۔ حالانکہ پشاور سے ڈیرہ جات جانے والا رستہ انہی کے وطن میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

کیونکہ خٹکوں کا انحصار زندگی زراعت پر ہے اور رمہ چرائی کے لئے ایک سے دوسری جگہ نہیں آنے جانے اور سب خٹک مستقل گھروں اور گاؤں میں رہتے ہیں اس لئے نہ تو ان میں کوچیوں (خانہ بدوشوں) کی عادتیں ہی پائی جاتی ہیں نہ طبعاً بے قرار، غیر کفایت شعار اور لگاتار کام کرنے کے نا اہل ہیں۔

ان کے وطن میں پہاڑ اور الگڈے تو بہ افراط ہیں لیکن چوں کہ ان میں چوری، لوٹ اور قتل کی عادتیں نہیں ہیں اس لئے یہ رحمدل اور ہمدرد ہیں۔ مسافروں کے ساتھ ان کی ہمدردی اور مہمان نوازی ضرب المثل ہیں۔

خٹک اپنی وسیع زمینداری کی وجہ سے بانڈہ جات میں رہتے ہیں۔ اس عزلت گزینی نے ان میں آزادی، اعتماد بہ نفس اور جمہوریت کے احساسات کو نشو و نما دی ہے۔ اگر قومیت کا جذبہ انہیں برقرار نہ رکھتا تو عزلت گزینی ان جذبات میں کمی لا چکی ہوتی۔

ہر خٹک اپنے گھر اور زمین کا مالک ہے۔ ان میں کمین کے علاوہ ایسی دوسری ہمسایہ جماعت نہیں ہے جیسے کہ بنوں اور پشاور میں۔ اور چونکہ زمینداری کے ساتھ ساتھ ہر خٹک محنت، مزدوری، تجارت یا سرکاری ملازمت کے ذریعے بھی اتنا کچھ کما لیتا ہے کہ اسے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس لئے ان کا ایمان اور عزت پیسے سے نہیں خریدے جا سکتے۔ اور جہاں بعض دیگر قبائل کے افراد صرف ایک روپے کے لئے بھی اپنا بہت کچھ قربان کر دینگے وہاں خٹک بہت دولت کے لئے بھی اپنے اصول سے نہیں ہٹیگا۔

انہوں نے اپنی پشتونوال شرافت کی وجہ سے عزت کی موت کو اغیار کی محکومی پر ہمیشہ ترجیح دی ہے اور اپنی علوالعزمی اور علو ہمت کے کارن لکی سے سوات اور پنجاب سے افغانستان تک علاقہ فتح کیا ہے۔ اور چونکہ یہ اپنی کوہی کے اصلی اور پرانے باشندے ہیں جو چند سو سال سے یہاں نہیں آئے اس لئے ان میں حب الوطنی کا وہ جذبہ نہایت ہی افراط سے پایا جاتا ہے جو صرف ایک وطن کے اصلی باشندوں ہی میں ملتا ہے۔

گزیٹیر آف پشاور ڈسٹرکٹ ۱۹۳۱ء میں محاوروں کی فہرست میں یہ بھی لکھا ہے: "بھنگ پہ لرگئے لشی - خٹک پہ سڑے نہ شی۔"
خٹک جیسی قابل قدر قوم کی بابت اس قسم کی بکواس لکھنی اس وقت کے انگریز حاکموں اور ان کے کارکنوں کے لئے نہایت ہی شرم اور افسوس کی بات ہے۔ کیونکہ یہ کوئی محاورہ تو ہے نہیں بلکہ اس قسم کی ایک بدزبانی ہے جو قبائلی باہمی کشیدگی کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے اڑاتے ہیں۔ اس قسم کی پھبتیوں کی چند مثالیں یہ ہیں:-

مروتۂ د خره عورته - چرگان ئے ہیلمانہ وو - بلی چیگہ چیگہ وڑتہ۔ [مروت]

ایگی بیتی - د موږ پہ چیلہ مہ خہ - د کولنے نہ د بوٹیں ځی۔ [بنوچی]

وزیر تنہ زبیر پہ اوګرے پورے خنزیرہ [وزیر]

افریدی - نہ د چیل نہ د بیړدی۔ [افریدی]۔

مک د ھسا - شړپ د چیلئ۔ تۂ څوک ئے؟ زۂ یوسفزئے۔ [یوسفزی]

خٹکوں کے متعلق جو پھبتی لکھی گئی ہے وہ صرف پشاور کے علاقے میں سنائی دیتی ہے جو غالباً ان کے وہاں کے پڑوسیوں

میں سے کسی نے ان کے متعلق بنائی ہے۔ لیکن گزیٹیر میں لکھی گئی گالی اس لئے بھی قابل شرم ہے کہ اس میں ادبی بددیانتی سے بھی کام لیا گیا ہے اور ناقابل جواز تحریف ہے۔ کیونکہ ایک اور انگریز تھاربرن کی کتاب "بنوں آر اور پنجاب فرنٹیر" کے ص ۲۰ میں جو کہ گزیٹیر سے بہت پہلے کی تصنیف ہے ہم اسے یوں لکھا ہوا پاتے ہیں: "بنگ بہ لرگی لشی ۔ بنگی جل بہ سڑی نہ شی"۔ اب جس آسانی سے بنگی جل کی بجائے خٹک لکھا جا سکتا ہے اسی آسانی سے خٹک کی بجائے کوئی دوسرے قبیلے کا نام نہیں لکھا یا کہا جا سکتا ہے؟ اور پھر بنگ اور بنگی جل میں لوئی تجنیس بھی ہے لیکن بنگ اور خٹک ـــ؟ اور اگر ہم ہر کم و بیش موزوں مہمل کو کہاوت کہنے لگیں تو خان کے ان اشعار کو کیا کہینگے؟:-

(۱) د خٹکو ہسی بہتر تر یوسفزو ۔ کہ پیر خو خٹک دی ہم پہ خو بیکار

اور (۲) د ہمندو ہسی بہتر دی تر بنگشتہ ۔ کہ ہزار ځله ہمند بتر تر ہسی دی

یوسفزئی جن کے ہر وقت خٹکوں کے دروں پر چھاپے مارنے سے تنگ آکر خٹکوں نے ان کے متعلق "بنگ د ھسا... الخ" کی کہاوت کہی ہے اپنے علاقے میں خٹکوں کی بابت کہتے ہیں:-

(۱) خٹک لاندے ۔ غوڑے پہ باندے۔ [یعنی خٹک ناقابل شکست ہیں]۔

(۲) خٹک د ببوسے پہ طمع پہ میبیر کینے ځلی۔ [یعنی خٹک سخت متوکل اور ان العسر مع الیسر کے قائل ہیں]۔

(۳) یو خرگنئے واکہ ۔ یو تنبرگئے واکہ ۔ لورم د روژی نہ خلاص شو [یعنی خٹک انتہا درجے کے محنت کش اور معتمد بہ نفس ہیں۔

(۴) د لیسنے پوشتنہ ورنہ اوکہ۔ [یعنی بہت غریب لوگ ہیں]۔

حقیقت حال سے باخبر خٹک اپنا منہ رکھنے کے لئے "بنگ بہ ... الخ" کی بابت کہتے ہیں کہ اس کا دوسرا حصہ: خٹک بہ دچا سڑئے نہ شی۔ یعنی خٹک کسی کا پیرو نہیں بنتا ہے۔ لیکن یہ توجیہہ بھی کمزوری ہے۔
گزیٹیر کے موجودہ ایڈیشن میں سے یہ الفاظ نکال دئے گئے ہیں۔

مذہب

پہ مذہب کښې خټک درست سنی مذہب دے
اما پیروړنه له جهله لکه رب دے
که په دا سبب کافری کوند وینه
کنه واړه په مذهب کښې سنی دینه [سوانح خان]

خټک حنفی المذہب اہل سنت والجماعت ہیں۔ بہ استثنائے متذکرہ کے ایک اکوڑخیل خانزادے کے جسے لوگ قادیانی سمجھتے ہیں اور کرک کے چار پانچ ماشی خیل جو عیسائی ہوگئے ہیں لیکن آج کل اکثر کوئٹہ میں رہتے ہیں اور ٹیری کا خان باز محمد خان اکوڑخیل جو سنی تفضیلی ہے۔ خٹک ہیچ ارکانِ دین کے پابند ہیں، ان کی دین داری کی بابت اخوند درویزہ نے اپنے تذکرۃ الابرار والاشرار (ص ۸۵) میں یہ لطیفہ سپرد قلم کیا ہے: "خٹک عورتیں ایک ہاتھ سے چکی کا دستہ گھماتی ہیں اور دوسرا ہاتھ سینے پر رکھا ہوتا ہے اور بیٹھی ہوئیں اشاروں سے سجدہ اور رکوع کرتی ہیں اور اسے نماز سمجھتی ہیں۔ اگرچہ یہ نماز قابلِ قبول نہیں ہے لیکن ترکِ فرائض سے بہتر ہے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد کی صحت کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ علیہ السلام نے فرمایا ہے: حَرَكَةُ الطَّاعَةِ دَلِيلُ الْمَعْرِفَةِ كَحَرَكَةِ الْجِسْمِ دَلِيلُ الْحَيٰوةِ (عبادت کی حرکت پہچان کا ثبوت ہے جیسا کہ جسم کی حرکت زندگی کی۔)

خٹکوں میں آج کل اچھے عالم بھی بہت ہیں اور نیم ملا بھی۔ وہاں کے ایک داڑھی منڈے نیم خواندہ، پرویزی خیالات کے انتقالی قریشی کو وہاں کے لوگ استاد کہتے ہیں۔ ایک دن دوران گفتگو میں کہنے لگا کہ نماز میں کسی سے بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اسلئے میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھتا ہوں۔ ہرچند اسے سمجھایا کہ یہ تو معراج کی رات رسول اللہ کی تحیۃ کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن نہ مانا۔

سبھی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی طرح خٹک بھی دم، تعویذ اور قبروں پر فاتحہ خوانی کے قائل ہیں۔ لیکن بیہودہ توہمات اور ٹونے ٹوٹکے (ٹوٹکے) وغیرہ نہیں ملتے۔

خٹک "وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَة" پر کاربند اور پیری مریدی کے قائل ہیں۔ لیکن مفت خورے رسمی، خاندانی پیروں، فقیروں اور میانوں کا اثر روز بہ روز گھٹ رہا ہے۔ اکثریت طریقۂ عالیہ قادریہ کے پیرو ہیں۔ ایک آدھ نقشبندی بھی پایا جاتا ہے لیکن دیگر طریقوں کے لوگ نہیں ہیں۔

گزیٹیر آف کوہاٹ ڈسٹرکٹ سنہ ۱۸۸۳-۸۴ ص ص ۶۹-۷۰ میں لکھا ہے: "ایک زمانے میں بہت سے خٹک پیر تاریکی [غالباً پیر تاریک' پیر روشان' بایزید' بایزید انصاری] کے مرید تھے۔" راورٹی "نوٹس آن افغانستان ص ۳۸۹ پر رقمطراز ہے: "اکثر کرلانڑی افغان، خصوصاً بنگش، پیر روشان عرف پیر تاریک کے مرید تھے۔" جہاں تک جنوبی (سابق تحصیل ٹیری، حال کرک) کے خٹکوں کا تعلق ہے مندرجہ بالا دونوں بیانات سراسر بے جا ہیں۔ پیر روشان کا اگر کچھ اثر رہا ہے تو چراٹ کے علاقے کے خٹکوں پر۔ کرلانڑیوں میں جو لوگ پیر روشان کے مرید بنے تھے وہ بعض بنگش، افریدی، اورکزئی اور توری تھے جو آج کل شیعہ ہیں۔ ان کے علاوہ اکثر شرقی مثلاً یوسفزئی، مندڑ، خلیل اور مہمند بھی پیر روشان کے مرید تھے۔

پیر روشان اصلاً اسمٰعیلی (سبعی، باطنی) مذہب کا شیعہ تھا۔ بنگشوں، افریدیوں، اورکزیوں اور توریوں میں جو شیعہ آجکل پائے جاتے ہیں وہ بھی پہلے پیر روشان کے پیرو اور اسمٰعیلیہ مذہب سے تھے لیکن اب پنجاب اور ہندوستان کے شیعہ مبلغوں، ذاکروں اور مجتہدوں کی سن سن کر اثنا عشریہ بن رہے ہیں۔

اسمٰعیلی ہونے کے ساتھ ہی، اپنی پیری کی وجہ سے، پیر روشان

وحدت الوجود کا قائل بھی تھا۔ لیکن اس کا وحدت الوجود کا نظریہ اشتراکیت کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ بھی زر، زمین اور زن کو مشترکہ ملکیت سمجھتا تھا۔ وہ اپنے مریدوں کو یہ تلقین کیا کرتا تھا کہ اگر کوئی تمہیں دولت نہ دے تو اسے قتل کر ڈالو۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اناث یہ مثال پھولوں کے ہیں جنہیں ہر کوئی توڑ کر سونگھ سکتا ہے۔ وہ اپنے مریدوں میں سے نر اور مادہ کو کہتا تھا کہ میرے سامنے ایک دوسرے کو گلے سے لگاؤ اور سینے سے چپکاؤ۔ جب وہ ایسا کر چکتے تو اس حالت میں ان سے پوچھتا کہ اس وقت تمہیں کوئی برا خیال تو نہیں آرہا؟ اور ان کا جواب نفی میں پاکر انہیں پاس کے ایک کوٹھے میں جانے اور وہاں ذکر کرنے کو کہتا! اس قسم کے لوٹ مار، قتل و غارت، فجور اور زنا کے نظریوں کی اجازت اور اشاعت کی وجہ سے بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کی مجلسوں میں منڈلاتے رہتے تھے۔

پشتونوں میں اپنا مذہبی اثر اور وقار قائم کر چکنے اور ان پر ایک قسم کی حکومت بنا چکنے کے بعد پیر روشان نے ملحد مغل بادشاہ اکبر سے یہاں کی حکومت حاصل کرنے کی ٹھانی اور مغلیہ فوج کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں اور یوں پشتونوں کے جذبۂ آزادی کی اس روح کو تقویت پہنچائی جو انہیں ازل سے ودیعت اور آج تک بخوبی نمایاں ہے۔

آخوند درویزہؒ صاحب کے "تذکرۃ الابرار و الاشرار" کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پیر روشان کے اکثر مریدوں کو کشف جنوئی حاصل تھا۔ یہ بہت قابل غور بات ہے۔ کیونکہ یہ طریقت میں ایک ادنیٰ ناسوتی لیکن ابتدائی اور لابدی منزل ہے۔ اس منزل میں سالک کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے جنات اس کی دنیاوی مدد کرتے اور اسے غیب کا حال بتلاتے ہیں۔ طریقت میں یہ ایک قسم کی رجعت ہے جس سے جلد نکلنا چاہئے لیکن قابل تعریف اس لئے ہے کہ عالم غیب کی ان ناسوتی مخلوقات کو دیکھ کر سالک کا عالم غیب کی دوسری چیزوں مثلاً ملائکہ، ارواح اور اللہ پر یقین ہو جاتا ہے۔

زیارتیں

"اِذَا تَحَیَّرْتُمْ فِي الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِیْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ" [حدیث شریف]

علاقۂ خٹک کی مشہور زیارتیں مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) ارت بابا :- ان کی زیارت وادئ خوڑہ میں نظام پور کے پاس ہے۔ اس زیارت پر فاتحہ خوانی کرنے سے اللہ تعالیٰ اس روحانی کے طفیل باد اور گنٹھیا وغیرہ کے مریضوں کو شفا دیتا ہے۔

(۲) سند علی :- بیلاب غاشہ کے پہاڑوں کے جنوبی دامن میں مدفون ہے۔ اس پر جانے سے بخار سے چھٹکارا ملتا ہے۔

(۳) شیخ اللہ داد :- محمد عثمان کا بیٹا اور مندوئی خان کا پوتا تھا۔ اصلاً خٹک تھا۔ بولاق کی شاخ مروت سے تھا۔ ان پر خوبصورت پختہ مقبرہ بنا ہوا ہے۔

ان کا گاؤں ان کے دادا کے نام پر مندعلی کلہ مشہور ہے۔ یہ گاؤں میراث میں شیخ اللہ داد کو ملا تھا۔ لیکن بوجہ عبادت گزار ہونے کے گاؤں کو چھوڑ کر اپنے موروثہ رقبہ میں بغرضِ عبادت اپنے لئے فقیروں کی سی ایک جھونپڑی بنا کر وہیں زہد اور ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ ان سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔

اورنگزیب نے ان کی کرامات سُن کر ان کے گاؤں کا رقبہ انہیں جاگیر میں دے دیا تھا۔ "تاریخ کوہاٹ (قلمی) میں آپ کی وفات کا سن غلط طور پر ۱۰۰۰ھ دیا گیا ہے۔ لیکن "مراقبات رحمکار" سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کاکا صاحب کی وفات یعنی ۱۰۹۲ھ کے بعد بھی زندہ تھے۔

محمد افضل خان نے "تاریخ مرصع" میں خان کی زبانی شیخ صاحب کے بیٹے کریم داد کی بابت لکھا ہے۔ "یہ کریمداد مادر زاد [اپاہج] ہے۔ اس کا باپ شیخ اللہ داد ہے۔ میں جب ہندوستان سے قید کے حالات سے واپس آیا تو اس کا باپ وفات ہو چکا تھا۔" کیوں کہ خان وسط جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ میں گرفتار اور ۱۰۷۹ھ میں اپنے وطن آیا تھا۔ اس لئے ثابت

ہوا کہ شیخ صاحب وسط جمادی ۱۱۷۰ھ میں زندہ اور اس تاریخ اور ۱۱۷۹ھ کے درمیان وفات پا چکا تھا۔

غازی احمد شاہ ابدالی بادشاہ نے شیخ صاحب کی خوبیوں کی وجہ سے مندوری کلہ بذریعہ ایک سند ۱۱۷۰ھ میں ان کی اولاد کو جاگیر میں معاف کر دیا تھا۔ ۱۸۷۶ء (تاریخ کوہاٹ کے سن تصنیف کے وقت) تک یہ گاؤں شیخ صاحب کی اولاد کی جاگیر تھی۔ ۱۸۸۹ء میں اس جاگیر کا مالیہ ۳۰۰ روپیہ تھا۔ [جاگیر کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جاگیر کا مالیہ تو جاگیردار وصول کرتا ہے لیکن اس کے عوض جاگیردار حاکم وقت کی کسی قسم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ مثلاً بوقت ضرورت یا جنگ سواروں یا پیادوں کی ایک مقررہ تعداد مہیا کیا کرتا تھا۔ لیکن جو جاگیریں آستانوں کو دی جاتی تھیں وہ اس قسم کی خدمات سے بھی معاف ہوتی تھیں۔]

شیخ اللہ داد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا کریمداد سجادہ نشین بنا۔

(۴) بھائی جی صاحب۔ ان کی زیارت ٹیری ٹوئی کی بالائی وادی میں بھائی جی خیل کلی کے پاس واقع ہے۔

(۵) لنسک بابا۔ انہیں لنسک دیوانہ بھی کہتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی کا نام حسن تھا۔ لنسک بابا ٹیری کے رہنے والے اور ٹیری سے ۲ میل مغرب کو مدفون ہیں۔ ان کی زیارت کے میدان میں گھوڑا دوڑانے سے اناڑی سوار شہسوار بن جاتا ہے۔ محمد افضل خان نے تاریخ مرصع میں خان کی زبانی شیخ صاحب کے جو حالات لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ شیخ ابابکر خوسٹ والے یعنی پیر سباک صاحب کے والد کے ہمعصر تھے اور ٹیری کے ہمندی آپ کے بہت معتقد تھے۔

تحفۃ المشائخ میں لکھا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صاحب کے مریدوں میں سے تھے۔

(۶) غازی بابا۔ ان کی زیارت ٹیری کے شمال میں ایک باغ میں ہے

(۷) شیخ علاء الدین :- ان کی زیارت موضع ٹیری کے قریب گاؤں کے شمال مغرب کو لاتان وادی میں مارنی خیل کے قریب واقع ہے۔

(۸) میا بجی (سکنہ شو بیکی) :- قصۃ المشائخ میں لکھا ہے کہ میا بجی صاحب پیر سباک کے مرید تھے۔ ان سے رخصت ہونے کی اجازت پاکر موضع شو بیکی میں آکر اقامت پذیر ہوئے۔ میا بجی خیل اصل میں مابجی خیل ہے۔ مابجی بنگشوں کا ایک قبیلہ ہے۔ اس قبیلے کا ایک نیک آدمی شو بیکی آیا تھا۔ علاقہ خٹک میں مابجی کثرت استعمال سے میا بجی بن گیا۔ میا بجی کی اولاد نے یہ بے پر کی اڑائی ہے کہ ہم پیر سباک کی اولاد سے ہیں۔

ان کی زیارت اسمٰعیل خیل کے مشرق میں ہے۔ یہاں جانے سے بانجھ عورتیں باردار ہو جاتی ہیں۔

(۹) بیکی صاحب :- ان کی زیارت موضع بہادر خیل کے شمال مغرب میں ہے۔ کراک یعنی سرخ باد (وغیرہ) کی زیارت ہے۔ بنوں سے بھی کئی لوگ وہاں جاتے ہیں۔

(۱۰) سرود بنگہ :- انہیں سراج بابا اور سرود گر ندائی بھی کہتے ہیں۔ آپ کا نام سراج الدین تھا۔ آپ شیخ راجن قتال کی اولاد سے اور بخاری سید ہیں۔ آپ کی زیارت موضع ٹٹی لغرئی سے ۱½ میل کے فاصلے پر لیؤغر الگاڈہ کے کنارے واقع ہے۔ مزار کچا اور عام قبروں سے بوجہ تبرک بہت لمبا بنایا گیا ہے۔ بنوچی، وزیر، مروت اور خٹک وغیرہ آپ کے معتقد ہیں۔ ان کے حالات خدا نے چاہا تو عنقریب شائع کر دئے جائینگے۔

(۱۱) کاکا صاحب - شیخ رحمکار وغیرہ کئی ناموں سے مشہور ہیں۔ زمانۂ حیات ۹۸۱ھ تا سنہ ۱۰۶۴ھ ہے۔ آپ یلس خیل خٹک تھے۔ خوشحال خان کے خاندان اور شیخ بجی اور شیخ فقیر جمیل بیگ وغیرہ کے پیر تھے۔ آپ بزرگ اولیاء میں سے تھے۔ نوشہرے میں زیارت کاکا صاحب میں دفن ہیں۔ ہر علاقے کے پشتون آپکے معتقد ہیں۔ آپ کے متعلق کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

ساز اور ناچ

اپنے سب پشتون بھائیوں کی طرح خٹک بھی ناچ رنگ کے متوالے ہیں۔ ان کا عام ساز ڈھول اور پھوکڑی (سُرنا) ہے جسے ڈوم بجاتے ہیں۔ جنگ کے وقت صرف ڈھول ایک خاص "بیر" سُر میں بجایا جاتا ہے۔ شاذ و نادر کوئی منچلا رباب یا سرینده (دلربا) بھی بجاتا ہے۔ لیکن ان کا مزہ پہلے گراما فون نے اور اب ریڈیو نے کرکرا کر دیا ہے۔

۱۸۸۰ سے کچھ عرصہ پہلے خٹک کے ملاؤں نے ہر قسم کا ساز اور ناچ بند کر دیا تھا۔ لیکن اب یہ شیطانی کام پھر زوروں پر ہیں۔

شادیوں میں اور فصل کی کٹائی کے بعد بہت گانا بجانا اور سفید فام امردنٹوں کا ناچ ہوتا ہے۔ یہ نٹوے ڈومنیوں کی طرح سیاہ خلقے [پشواز] پہنتے ہیں۔ پٹے معمول سے قدرے لمبے اور خوشبودار تیلوں سے معطر رکھتے ہیں۔ آنکھوں میں سرمہ اور ہاتھ پیروں میں مہندی رچائے رکھتے ہیں۔ کانوں میں دلیجے اور گلے میں تعویذ اور ہیرے لٹکائے رہتے ہیں۔ پاؤں میں گھنگرو اور ایک ہاتھ میں رنگدار رومال لئے پھرتے ہیں۔

آج کل بعض نٹوے زنانہ ریشمی رنگدار کپڑے پہن کر ناچتے ہیں اور ویسے ہی دوپٹہ بھی اوڑھتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہاں نہ تو چکلے ہیں اور نہ کنچنیاں۔ اور دوسری یہ کہ کچھ عرصے سے حکومت نے رنڈیوں کا ناچنا منع کر دیا ہے کیونکہ ایسے تماشوں میں لوگ یا تو اپنے دشمن کے گولی مار دیتے ہیں یا لڑائی ہو جانے کی صورت میں بے تحاشا فائروں سے بیگناہ آدمی زخمی ہو جاتے ہیں۔

آجکل نٹوے پرانے پشتونوال ناچ کم اور سینما کنجریوں یا فلمی اداکاراؤں کے ناچوں کی نقلیں زیادہ کرتے ہیں۔ یہ نٹوے کبھی کبھی گاتے بھی ہیں۔

اگلے وقتوں میں جب رنڈی ناچتی تھی تو اسے لنگی اور کلاہ پہناتے تھے۔ یا زمانۂ قریب میں قراقلی۔ آجکل لڑکوں کو زنانہ کپڑے پہنا کر رنڈیوں کا وسواس پورا کرتے ہیں۔ پشاوری انہیں لختئی کہتے ہیں۔
خٹک مجلس کے بھی بہت شائق ہیں۔ مجلس کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ اگر کوئی شاعر کوئی چاربیتہ یا لنڈئی بناتا تو اسے اپنی لشہیر کے لئے کسی بیاہ کے موقعے پر برسرعام سناتا۔ اس کے ساتھ یا ساز بھی ہوتا یا بغیر ساز ہی کے سناتا۔ اب اگر کوئی اور بھی اپنے آپ کو شاعر سمجھتا تو وہیں اس کا جواب دیتا۔ اس فی البدیہہ بیت بازی کا بیان باعث طوالت ہوجائیگا۔
پھر ان مجلسوں نے کبھی رنگ اختیار کرلیا۔ مجلسی کوئی خوش گلو ہوتا جو یا اپنے یا دوسرے کے اشعار سناتا۔ دوسرے کے اشعار سنانے والے کو بھی لوگ شاعر کہتے تھے جیسا کہ آج کل ہر اندھے کو حافظ کہتے ہیں چاہے اسے کلام مجید یاد نہ بھی ہو۔ پھر ایسے مجلسی اور مجلسیوں کو بھی اپنے ساتھ ملاتے۔ پہلے تو صرف زیر پکڑنے کے لئے کسی بلند اور میٹھی آواز والے کو اپنے ساتھ ملاتے تھے۔ لیکن پھر ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے جو خود بھی گا سکتا ——— اور ان کے ساتھ میدان میں باری گزار سکتا۔ ان کے ساتھ سازندے بھی اپنے ہوتے اور یہ لوگ جوڑی کہلاتے کیونکہ ابتداء میں دو ہوتے تھے۔
علاقہ خٹک میں فی زمانہ مجلس تعداد شور ہر ہیں۔ زیادہ دولتمند اور فضول خرچ لوگ بنوں، کوہاٹ اور پشاور سے بھی مجلس بلاتے ہیں۔

پشتونوں میں ناچنے کی عادت بہت پرانی ہے۔ مرد اور عورتیں ویدوں کے زمانے میں بھی ناچتے تھے۔ اس وقت مردوں کے لمبے پٹے (زلفیں) ہوتے تھے جس میں گھی ملتے تھے اور کنگھی کرتے تھے۔ دونوں جنس سر کے بالوں میں خودرو پھول لگاتے تھے۔ یہ لوگ

گروہ در گروہ کھلی فضا میں گاتے اور ناچتے تھے ۔ اس وقت پیشہ ور ناچنے والی عورتیں بھی موجود تھیں ۔ وہ ڈھول کے ساز کے ساتھ ناچتے - اور اسی ڈھول کی آواز نوجوانوں کو میدانِ جنگ میں مستی دلاتی تھی - وہ ناچتے وقت میدان سے ایسی ہی خاک اڑاتے تھے جیسا کہ آج کل گرد اٹھاتے ہیں ۔

پشتونوں میں، علاوہ خٹکوں کے، بنگش، سلیمان خیل، غلزئی، وزیر، محسود اور خوست وال آج دن تک ناچتے ہیں - ناچنے صرف وہی قبیلے ہیں جو خٹ ببے رکھتے ہیں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں - چونکہ ناچ میں بتوں کو بھی اِدھر اُدھر پھینکتے ہیں اس لئے میدانوں کے گلیسرے یہ ناچ نہیں کر سکتے ۔ یہ رنگڑے یا کلسرے اپنے ناچنے کی پیاس رنڈیوں کے ناچ کو دیکھ کر بجھاتے ہیں - یہ رنڈیاں عام طور پر پیشہ بھی کرتی ہیں

خٹکوں کا ناچ جو آجکل ساری دنیا میں "خٹک ناچ" کے نام سے مشہور ہو گیا ہے (اور جس کا ذکر آگے آجائیگا باقی سب پشتونوں کے ناچوں سے یہ امتیازی صورت رکھتا ہے کہ یہ ناچ دو تلواروں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ایک عوامی فوجی ناچ ہے - ہم پہلے پشتونوں کے بعض دیگر قبائل کے ناچوں کا مختصر ذکر کرینگے :-

(۱) تھاربرن نے "بنوں آر اور افغان فرنٹیر" میں بنوچیوں کے جس ناچ کا ذکر کیا ہے اس میں تلوار نہیں ہوتی ۔ وہ بیچ میں ایک ڈنڈا گاڑ دیتے ہیں - اس کے گرد پیادوں کا دائرہ اور ان کے پیچھے سواروں کا حلقہ ہوتا ہے ۔ یہ سب اس ڈنڈے کے گرد ناچتے ہیں ۔ ان کے ساز میں صرف ڈھول ہوتا ہے ۔ اسے بہندور کہتے ہیں ۔

(۲) پیٹرمین نے اپنی کتاب "نبرو سمائیل"، ص ص ۹۶-۱۰۰ میں محسودوں کے جس ناچ کا ذکر کیا ہے اس میں بھی تلوار نہیں ہوتی ہے ۔

(۳) لاٹیمر نے اپنی کتاب "گزیٹر..... آف وزیری پشتو" ضمیمہ ۲
ص ص ۳۲۶ - ۲۷ میں وزیروں کے جس ناچ کا حال لکھا ہے اس میں
ناچنے والوں کے ہاتھوں میں ایک ایک تلوار تو ہوتی ہے لیکن اس میں
تلوار کی وہ حرکتیں نہیں ہوتیں جو اصلی جنگ میں کی جاتی ہیں اور جو
صرف خٹکوں کے ناچ میں نظر آتی ہیں۔ وزیر صرف اتنا کرتے ہیں کہ ساز
کے ساتھ باری باری ایک ہاتھ اوپر اٹھاتے ہیں اور دوسرا نیچے لاتے ہیں۔
"سینٹرل ایشیا" حصہ ۱ جلد ۲ ص ۱۵۳ میں خٹک ناچ کے متعلق بھی ایسا
ہی لکھا گیا ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ اصلی کیفیت اس کتاب میں آگے
لکھ دی گئی ہے۔

وزیروں کا ناچ بھی بلوچیوں کے ناچ کی طرح ہے۔ یہ ناچ عید
کے دن، دن کی روشنی میں اور ایک ستون کے گرد کیا جاتا ہے۔ اس
میں ناچنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک ہوتی ہے جو چھروں، تلواروں
یا بندوقوں سے مسلح ہوتے ہیں۔ سازندے ستون کے پاس کھڑے
ہوتے ہوتے ہیں۔ ان کے گرد بوڑھے آدمی، بعد میں جوان اور سب
سے پیچھے سوار ہوتے ہیں۔ یہ سب بائیں سے دائیں کو ناچتے ہیں۔

خٹکوں کی زبان میں ان کا مخصوص ناچ جنگڑہ کہلاتا ہے۔ یہ
نام پنجابیوں کے بھنگڑہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا جو فصل
کی کٹائی کے بعد غلے کی برداشت کی خوشی میں ناچا جاتا ہے اور
ہندوؤں کی ہولی کے ناچ کی قسم سے ہے۔

خٹکوں کا ناچ نہ تو نصاریٰ اور ہندوؤں کے مذہبی ناچوں کی طرح
ہے جن کے ذریعے ارواح خبیثہ کو خوش کیا جاتا ہے۔ اور نہ ان ناچوں
کی طرح ہے جو شہوت کو بھڑکانے کے لئے ناچے جاتے ہیں۔ بلکہ
یہ ایک قسم کا فوجی ناچ ہے جس میں تلوار کی مختلف قسم کے
گزاروں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ یہ ناچ تیز، اثر انگیز اور عسکری ہوتا
ہے اور ہمیشہ دو تلواروں کے ساتھ، اور عموماً چاندنی رات میں عید

الفطر کے مہینے میں یا جنگ سے پہلے ناچا جاتا ہے تاکہ جوڑ جوڑ کھل جائیں ۔

سیپین (ص ۵۰۴) نے جس ناچ کو خٹکوں کا ناچ لکھا ہے وہ بھی صحیح معنوں میں وہ نہیں ہے کیونکہ اس میں دو تلواروں کی بجائے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں مشعل استعمال ہوا تھا ۔

خٹکوں کا صحیح ناچ یوں ہوتا ہے کہ ایک میدان کے مرکز میں لکڑیوں کی ایک بڑی آگ رات کو روشن کر دیتے ہیں ۔ آگ کے پاس ڈھول اور سرنا والے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے قریب تقریباً پچاس جوان دائرے کی شکل میں ایک دوسرے کے قریب قریب کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ہر جوان کے ہاتھوں میں دو اصلی چمکدار فولادی تلواریں ہوتی ہیں اور گردن یا کمر کے گرد رنگدار رومال باندھا ہوا ہوتا ہے ۔

ادھر سرنائی سرنا پھونکتا ہے، ادھر ڈوم ڈھول پر دستہ مارتا ہے اور ادھر جوان پیروں اور تلواروں کو حرکت میں لاتے ہیں، ہیئوں کو جھٹکا دیتے ہیں اور ناچ کا چکر شروع کر دیتے ہیں ۔ پہلے ان کی حرکت آہستہ اور باوقار ہوتی ہے ۔ لیکن لہو کے گرم ہونے کے ساتھ ساتھ حرکت بھی تیز ہوتی جاتی ہے اور آخر میں یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں ۔ جوں جوں وہ تیز ہوتے جاتے ہیں ساز بھی تیز ہوتا جاتا ہے ۔

ساز کے ساتھ ہی جوانوں کی تلواریں بھی ہر اس سمت میں حرکت کرتی ہیں جس کا تصور کیا جا سکتا ہے ۔ یہ حرکت پھر اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ تلوار پر نظر نہیں جمتی ۔ آگ کے شعلوں میں تلواریں بھی آگ کے دو شعلے نظر آتے ہیں جو ناچنے والوں کے جسموں میں گھستی اور نکلتی دکھائی دیتی ہیں ۔ جسموں اور تلواروں کی ان رونگٹے کھڑے کرنے اور مبہوت بنانے والی حرکتوں کے بیچ میں ناچنے والے ایک قسم کی چیخ

بھی نکالتے ہیں جو نابلدوں کو تو مستی کا ایک نعرہ دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت وہ اپنے ساتھیوں کو حرکت بدلنے کا اشارہ ہوتا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد یہ ناچ بھی ختم ہو جاتا ہے اور ڈھول سرنا بھی اور آگ کے شعلے بھی نہیں رہتے۔

اس ناچ کے بعد ایک اور تیز ناچ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ناچ جوان باری باری ناچتے ہیں۔ اب ان کے جسم ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے ان میں ہڈیاں نہ ہوں اور وہ نہ ملنے کی سرعت سے ناچتے ہیں۔ رقاص ڈھول کے قریب جاتا ہے اور ڈھول پر چھوٹی ضرب لگاتا ہے۔ پھر گھٹنے ٹیک کر دونوں تلواریں اپنے جسم کے گرد ایسا گھماتا ہے گویا آگ کے دو دائرے ہیں۔ یہ ناچ تھوڑی دیر تک رہتا ہے۔

خٹکوں کی زبان میں عورتوں کے ناچ کو بلبلہ کہتے ہیں۔ اس میں آگ، چاندنی، عید یا تلواروں کی قید نہیں ہوتی۔ بلبلہ میں عورتیں دائرے میں ناچتی ہیں۔ ہاتھوں کو مخصوص حرکتیں دیتی ہیں۔ پھر سب آگے کی طرف جھک جاتی ہیں اور سب ایک ساتھ تالی بجاتی ہیں۔ عورتیں بلبلہ کے اثنا میں کبھی کبھی ٹکی (ٹپے) بھی گاتی ہیں۔

۱۸۸۴ء سے کچھ عرصہ پہلے جب ملاؤں نے بھنگڑہ کو بند کر دیا تو بلبلہ کو رہنے دیا کیونکہ اس کے ساتھ ڈھول اور چونکڑی نہیں ہوتے۔ بلبلہ کے وقت بعض باہر بیٹھی یا کھڑی ہوئی عورتیں تنبل بجاتی ہیں جسے بہت سے ملا تو جائز لیکن اخوند درویزہ ناجائز بتلاتا ہے اور اس حدیث کو بھی کافروں کی افتراء بتاتا ہے جو عورتوں کے ناچنے اور تنبل بجانے کے جواز میں پیش کی جاتی ہے۔

بدن کے بہت ہلکے اور پیروں کے بہت چست ہونے کی وجہ سے پہاڑ کے خٹک (خصوصاً مکوڑی) خٹک ناچ کے بہت ماہر ہیں۔ بنگڑہ کے ناچنے والے آج کل بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ اولاً

تو اس لئے کہ ملاؤں نے بھنگڑہ کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اور ثانیاً اور
خاص کر اس لئے کہ قانون اسلحہ 'ایکٹ اا ۱۸۷۸ء' سے (جس کی رو
سے تلوار کا بلا اجازت نامہ لئے اور فیس ادا کئے پھرانا بھی جرم ہے)
بھنگڑہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اب آزاد ہونے پر بھی ہم
چار انچ سے زیادہ لمبا کھلا دار چاقو بھی نہیں رکھ سکتے۔ امید ہے
کہ دنیا کی باقی آزاد قوموں کی طرح ہمارے قانون اسلحہ میں بھی
نرمی رائج کر دی جائیگی۔ قانون اسلحہ بدیشیوں کے دورِ استبداد
کی یادگار ہے جو ایک آزاد قوم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا
خصوصاً مسلمان کے ساتھ جس کا مذہب کہتا ہے کہ اسلحہ مرد کا زیور ہے

آج کل ایسے خوش نصیب کم ہی ہونگے جنہوں نے یہاں کے خٹکوں
کا بھنگڑہ دیکھا ہو۔ جس چیز کو آج کل خٹکیا ناچ کا نام دیا جاتا ہے
وہ بھنگڑہ کے گرد کو بھی نہیں پہنچتی کیونکہ اس میں باقی سب کچھ تو
چھوڑ دو تلواریں بھی شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں

یہ جو آج کل مردوں کو رنگ برنگ کی پشوازیں پہنا کر اور
ان کی ایک کلائی میں سرخ اور دوسری میں سبز رومال باندھ
کر، اور ہر ایک مٹھی میں ایک ایک ٹکھٹکنڑہ (کھڑتال) تھما کر
اور اچھا خاصہ لقائی (مسخرہ) بنا کر ان سے چھن، چھنا، نا۔نا۔چھم
کی تال پر زنانہ حرکتیں کروائی جاتی ہیں اور اسے خٹک ناچ کہا
جاتا ہے۔ یہ بھنگڑہ تو نہیں البتہ بھنگڑہ کی توہین ضرور ہے۔ اور
اسے خٹکوں سے منسوب کرنا خٹکوں کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ
ناچ تو پشتونوں کے "درب اتنڑ" بلبلہ یا دیہڑ کا مقابلہ بھی
نہیں کر سکتا جس میں تالی کا بجانا اور پاؤں کا زمین پر مارنا
اور ڈھول اور سرنا کا ساز بھی ایک عجیب سماں پیدا کرتا ہے۔

عورتیں

رگوید کے زمانے سے پشتونوں میں عورتوں کے مقابلے میں مرد کی قدر زیادہ چلی آ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان مرد سے چلتا ہے۔ رگوید میں لڑکیوں کی پیدائش کی خواہش نہیں ہے۔ اتھروید میں انہیں کوسا گیا ہے اور یجروید میں لکھا ہے کہ جب پیدا ہو جائے تو باہر چھوڑ دو "تاکہ مر جائے"۔

پچھلے زمانے میں آریاؤں میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی قدر اس لئے زیادہ تھی کہ وہ زمانہ جنگوں کا تھا اس لئے مردوں کی قدر زیادہ تھی۔ اور عورت کریہ کرم میں حصہ نہیں لے سکتی تھی...... ان میں عورت اپنی جائداد (استھری دھن) کی مالکہ بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

ابتداء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک سب پشتونوں میں یہ رواج تھا کہ متوفی کی بیوہ اور لڑکیوں کو اس کی جائداد میں تا حیات خود گزارے کا حق تو مانا تھا لیکن مالکانہ حقوق سے محروم رہتی تھیں۔

اب اگرچہ پشتون کم از کم تقریباً ایک ہزار سال سے سلمان ہوئے ہیں لیکن کئی باتوں میں ان کا عمل آج بھی رواج پر ہے۔ سکھوں نے اپنی عملداری کے زمانے میں پیسہ بٹورنے کے لئے یہ رواج بنایا تھا کہ ہر جرم کی پاداش میں جرمانہ وصول کرتے تھے۔ ۱۹۳۵ء سے پہلے انگریز بھی یہاں رواج چلاتے تھے۔ اور جرگوں اور مصالحتی بورڈوں (پنچایتوں) کے ذریعہ رواج آج بھی یہاں مروج ہے۔

انگریزوں نے اینگلو محمڈن لاء کے نام سے جو نیم اسلامی جیسا قانون یہاں رائج کیا تھا اس کا اطلاق میراث وغیرہ پر نہ تھا اور موجودہ قانون شریعت میں بھی بہت سی کمیاں ہیں۔

پشتونوں میں رواج کی مقبولیت کی بڑی بڑی وجوہات یہ ہیں:-

(۱) رواج ان کی سرزمین میں پیدا شدہ اور ان کے مزاج کے

عین مطابق ہے۔ (۲) ہزاروں سالوں سے رواج کے ساتھ مانوس ہیں + (۳) نہ تو پشتون عرصۂ مدید تک کسی خالص شرعی نظام کے تحت رہے ہیں تاکہ شرلیت کے عادی بن جاتے + اور (۴) نہ کبھی تعلیم کے زیور سے کماحقہٗ مزین ہوئے ہیں +

دور دور کے مکانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ہر قبیلے میں شادیاں قبیلے یا کنبے کے اندر ہوتی تھیں + چچازادوں کی شادیاں عام تھیں + خٹک لڑکیاں یہ ٹپہ گاتی ہیں:۔ ترلور د سرو زرو کنگنڑ دہ۔

قدیما! زوڑ شے کے ترلے پہ شرمندہ لو+

بیلیو نے لکھا ہے کہ پشتون ایک دوسرے کے قبیلے میں شادی نہیں کرتے۔ اس نے پشتونوں کے مماثل ہیں نسلی اشتراکیت کے بغیر باقی ہر قسم کی معاشرت ثابت کرنے کی غرض سے ایسا لکھا ہے+ پشتونوں کی اپنے قبیلے اور قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے کی وجہ وہ ہے جو ہم لکھ چکے نہ کہ وہ جو بیلیو نے لکھی ہے + اگر ان کے دو قبیلوں میں باہمی دشمنی نہ ہو تو بجائے اپنے قبیلے کے وہ دوسرے قبیلے میں شادی کرنے کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ آپس کی دوستی اور رشتہ داری بڑھے + اینترا پالوجی ص ص ۱۳۲-۱۳۳ میں لکھا ہے کہ مختصر قبیلے میں تو ایسی شادی ناممکن ہے کہ آپس میں دور کی رشتہ داری بھی نہ ہو لیکن قبائلی عموماً اپنے خاندان سے تو کیا اپنے قبیلے سے بھی باہر شادی کرتے ہیں+

رواجاً عورتوں کو میراث میں حصہ نہ ملنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ متوفی کے اور میراث کی طرح اس کی بیوہ، غیر شادی شدہ بہنیں، لڑکیاں اور یتیم بھانجیاں بھی اس کے نرینہ ورثا کی میراث سمجھی جانے لگیں اور ایسی عورتیں اپنے میراث خوروں کی مرضی کے بغیر شادی بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ اور اگر کرلیتی تو میراث خود اس کے

شوہر سے شرمانہ وصول کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم نے تو ہمیں کچھ چیز نہ سمجھا جو ہماری موروثہ سے ہماری اجازت کے بغیر شادی کر لی۔ اگر وہ شوہر اپنے آپ کو زیادہ طاقتور سمجھنے کی وجہ سے شرمانہ ادا کرنے سے انکار کرتا تو اسے قتل کیا جاتا۔ ایسے شرم سے بچنے کے لئے بیوہ ہماوج سے دیور شادی کر لیا چاہے اس کی اپنی بیوی موجود ہی کیوں نہ ہوتی۔ ایسی شادی کے پس منظر یہ غیرت بھی ہوتی کہ میرے بھائی کی بیوہ غیر مرد کے ساتھ کیسے سوئیگی اور یہ خیال بھی کہ کنبے کی عورت کنبے ہی میں رہ جائے۔

۱۹۸۹ء میں خٹکیانی کے شرمانے کی رقم ۳۰۰ روپیہ ہوا کرتی تھی۔ شرمانے کی رسم تو آج کل نہیں رہی لیکن اس کی بجائے عورتوں پر روپے لینے کی قبیح عادت شروع ہو گئی ہے۔ یہ رقم بیواؤں اور باکروں دونوں پر لی جاتی ہے۔ اور ماضی کے مقابلے میں یہ رسم اور عورتوں کی قیمت اب روز بروز بڑھ رہی ہے۔ عورتیں اس لئے بھی متاعِ ثمن آور ہیں کہ خٹکوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کم ہے اور اس لئے بھی کہ ان سے کنیزوں کی طرح ہر قسم کی خدمت بھی لی جاتی ہے۔ یہ قبیح رسم انگریزوں کے دور میں اس لئے پروان چڑھی کہ انگریز خود بھی جان سٹوارٹ مِل کے زمانے تک اپنی عورتوں کو بیچتے رہتے تھے۔ [ملاحظہ ہو: ہیومن سپیشیز ص ۱۹۰]

حیات افغانی میں عورت کی قیمت سو روپے تک لکھی گئی ہے۔ گذشتہ سو سال میں یہ قیمت تیس گنا تک بڑھ گئی ہے۔

اور قوموں میں باپ اپنی لڑکیوں پر روپیہ لینے کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے پالنے پر ہمارا خرچ اٹھا ہے اور یہ اب ہم سے ایسے وقت میں لیجائی جا رہی ہے جب کہ اس نے اس خرچ کے بدلے میں ہماری کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ یا لڑکی کی ماں کہتی تھی کہ یہ میرا اس کو دودھ پلانے اور پالنے کی رقم ہے۔ ایران میں اسے شیر بہا

(دودھ کی قیمت) کہا جاتا ہے +

آج سے ۳۶۴ (۱۳۸۵-۱۰۲۱ھ) سال پہلے جب پشتو اصولِ زندگی کا زور اور مغلوں کی اپنی خانی تھی۔ مغلوں میں عورتیں بیچنے کی رذالت نہ تھی + اخوند درویزہ صاحب اپنے تذکرۃ الابرار و الاشرار (ص ۹۹) میں لکھتا ہے :"افغانان ..... یعنی افغانوں میں شور و شغب اور الوس میں فتور اور خلل کے دنوں میں سب فقیروں اور غریبوں کو زیر و زبر اور پائمال کر لیتے ہیں اور ان کے اموال ان سے لے لیتے ہیں۔ اور ان کی بیویاں اونچے بیچتے ہیں۔ بلکہ اپنی بیویاں اور اولاد آپس میں بیچتے ہیں۔ اور امن کے دنوں میں بھی اپنی لڑکیوں کو بیچنا اپنا معمول بنایا ہے یہ ہیں اعمال اور احوال افغانوں کے جو میں نے قندہار کی حد سے سوات اور بنیر کی حد تک جو یوسفزیوں کا ملک ہے میں نے دیکھے + لیکن وہ افغان جو دوسری سمتوں میں رہتے ہیں ایسے نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سمتوں کا بادشاہ مسلمان ہے +

[تحفۃ الاولیاء مصنفہ قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاوری مطبوعہ مفید عام پریس لاہور ۱۳۲۱ھ ص ۱۰-۱۱ میں اخوند پنجو صاحب کے یوسفزیوں کے علاقے سے ہجرت کرنے کا سبب یہ لکھا ہے :" ان دنوں یوسفزئی کے اولوس بالکل باغی تھے۔ کیونکہ وہ مغلوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور بابر اور ہمایوں کے دست پروردہ تھے اور ان دنوں جب شیر شاہ افغان سوری ہمایوں کو ہند سے نکال کر خود غلبہ پاکر بادشاہ بنا تھا اور اولوس یوسفزی کا سردار جس کا نام گجو خان تھا شیر شاہ سے باغی تھا اس لئے آپ (اخوند پنجو) ۹۵۸ھ میں چودہ سال کی عمر میں اسلام شاہ کے عہد سلطنت میں یوسفزئی سے نکل گئے + "]

معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں زنان فروشی کی مذموم اور غیر شرعی عادت (جس کے یوسفزیوں میں عام ہونے کی منت خان نے بھی

اپنے "سوات نامہ" میں کی ہے) خٹکوں کے گوانڈیوں سے ان میں بھی سرایت کر گئی۔ یہ عادت جہاں ایک طرف کو بڑھی ہے وہاں دوسری طرف اس کا پاک بھی کم سمجھا جانے لگا ہے۔ مُلّا اس بارے میں چُپ سادھے بیٹھے ہیں کیونکہ جب وہ خود اپنی لڑکیاں وغیرہ بیچتے ہیں تو کسی دوسرے کو ایسا کرنے سے کیوں کر منع کرینگے؟ اب بعض مکار عورتوں کی قیمت کو ان کے حق مہر کا نام دینے کا حیلہ تراش رہے ہیں۔ لیکن اللہ تو دلوں کا مالک ہے۔

عورت جتنی زیادہ اونچی چوڑی اور سفید فام ہو اتنی ہی زیادہ دام پاتی ہے۔ آج سے سو سال پہلے عورت ۱۰۰ سے لیکر ۴۰۰ روپے تک بکتی تھی۔ رگ وید کے زمانے میں تجارت بذریعہ تبادلہ ہوا کرتی تھی۔ قیمت مقرر کرنے کے لئے معیاری شئے گائے تھی۔ غریب عورتیں آج سے کچھ عرصہ پہلے بھی ایک گائے یا دو گدھوں یا چار بکریوں کے عوض بکی ہیں۔ آج کل عورت کی عام قیمت ایک ہزار روپیہ ہے لیکن غیر معمولی حسینائیں تین یا چار ہزار روپے تک بھی بکتی ہیں۔ سانولی اور دبیلے قد کی عورت پانسو میں بھی مل جاتی ہے۔ جو لڑکی اپنوں میں بیاہی جاتی ہے اس کے چار پانچ سو روپے لئے جاتے ہیں۔ لیکن آپس میں تبادلے بھی کئے جاتے ہیں۔

خٹک عموماً ایک بیوی رکھتے ہیں۔ بعض کی دو بھی ہوتی ہیں۔ تین بیویاں بہت ہی کم اور چار شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں۔

کم آباد علاقوں میں باہر کا کام کاج کرنے والی عورتوں کو نامحرموں سے ملنے کے بہت سے موقعے ملتے ہیں اور ایسی ملاقاتوں سے برے نتائج نکلنے کے بہت سے موقعے ہوتے ہیں۔ خٹک اپنی بیوی وغیرہ کی ہر وقت چوکیداری نہیں کر سکتا۔ اس لئے بدچلنی کی سزا مرد یا عورت یا دونوں کی موت مقرر کی گئی ہے۔

قدرتی ماحول میں بود و باش کی وجہ سے خٹکوں کے عشق میں

ابھی تک قدرتی رنگ پایا جاتا ہے۔ لڑکا اور لڑکی آپس کی پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے سے شادی شدہ ہونے کا پوچھتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی شادی شدہ ہو تو پھر ایک دوسرے سے ملنے کے لئے کوشش نہیں کی جاتی۔ بصورت دیگر مقناطیس تو لوہے کو کھینچتا ہی ہے +

خٹک عورتوں کی عزت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کنواری لڑکی سے بدچلنی کرنے والے کو موت کی گھاٹ اتارے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بیاہتی سے زنا کی صورت میں مرد اور عورت دونوں کو قتل کرتے ہیں۔ اگر عورت کو قتل نہ کر سکتا ہو یا خوف خدا سے نہ کرنا چاہتا ہو تو اسے عموماً غیر سمپائی ظاہر کر کے علاقہ پنجاب میں فروخت کر دیتے ہیں جہاں وہ ہزار یا بارہ سو روپے سے کم میں نہیں بکتی + اگر زانی خود زانیہ کا طلبگار ہو تو بارہ سو روپیہ شرملنے کے عوض اس کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی ہے + [مقتول کے قصاص کی بھی یہی رقم مقرر ہے]

عورتوں کے شرملنے کی رقم فریقین کے حیثیت کے مطابق نہیں بڑھتی یا گھٹتی کیونکہ خٹک معاشرے میں نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت سے کم ہے اور نہ مرد مرد سے۔ لیکن بعض اوقات گاؤں کے معتبر بوڑھے یا مطلقہ کا شرمانہ کم مقرر کر دیتے ہیں + پہلے زمانے میں یہ رواج تھا کہ شرملنے یا نیک بخی راضینامے میں زانی کے خاندان کی ایک یا دو بالغ کنواریاں منتیث یا مقتول کے رشتہ داروں کے بیاہ دیتے تھے، اس رسم کو بعض قبیلوں میں سوڑے کہتے ہیں +

بنگشوں، افریدیوں اور اورکزیوں وغیرہ کی طرح خٹک عورتیں بھی پردہ نہیں کرتی ہیں۔ لیکن اب برقعے کا غیر اسلامی اور غیر معاشرتی رواج ان میں بھی نمودار ہو رہا ہے +

ذرائع رسل اور رسائل کے بڑھنے اور بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ اب بعض سالار خٹکے (خٹک عورتیں) بھی برقعہ اوڑھ کر سفر کرنے لگی ہیں۔

لیکن خٹکوں کے معاشرے کا انحصار موجودہ زمینداری پر ہونے ہوئے پردے کی عمومیت میں بہت وقت لگ جائیگا کیونکہ خٹک زمینداری کے کام میں مردوں کا بہت ہاتھ بٹاتی ہیں۔ لیکن اگر پردے کا رواج عام ہو جائے تو اس کا ایک اچھا نتیجہ تو لامحالہ یہ نکلیگا کہ عورتوں کی قیمتیں گر جائینگی اور بلا دام یا تھا دے کی شادیاں بڑھ جائینگی کیونکہ پردہ کرنے کی صورت میں وہ اپنے خاوندوں کے لئے اس قدر مفید اور نفع آور نہیں ثابت ہو سکینگی جتنی کہ اب ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں مثال شینکوں میں ملتی ہے جہاں بہت زیادہ پردے کی وجہ سے نہایت جمیل دوشیزائیں بھی دو دو سو روپے میں بکتی ہیں۔ ایک ہی قبیلے میں پردہ کرنے اور نہ کرنے والیوں کے داموں کے فرقوں کی بہترین مثال مہمندوں میں ملتی ہے جہاں میدان کے مہمندوں کی پردہ کرنے والی لڑکیاں تین یا چار سو میں اور پہاڑ کے مہمندوں کی پردہ نہ کرنے والیاں ایک ہزار میں بکتی ہیں۔ زیادہ دام کی پہاڑنیں قسطوں پر بھی بکتی ہیں۔

ہر جگہ کے پشتونوں کی طرح گھر کے کام کاج کے علاوہ خٹکنے اپنے مردوں کو زمینداری کے ہر قسم کے کام میں مدد بھی دیتی ہیں۔ اور جنگل سے لکڑیاں اور گھاس بھی کاٹ کر لاتی ہیں۔ آج سے تقریباً ۳۶۴ سال پہلے بھی پشاور کے علاقے کی خٹک عورتوں کا تقریباً یہی حال تھا جو کہ آج ہے جیسا کہ اخوند درویزہ نے چمکنی والوں کے حال میں اپنے "تذکرۃ الابرار و الاشرار ص ۸۷ میں لکھا ہے: "ان چمکنی لوگوں کے اکثر قبیلے جو سپین غر میں رہتے ہیں کفار کوہی کہلاتے ہیں۔ ان کی خوراک اور پوشاک جو اور اون ہیں۔ بلکہ ان کی اکثر عورتیں ننگے سر ننگے پیر گلے میں چند چیتھڑے لٹکائے پھرتی رہتی ہیں۔ جنگلوں کو جاتی ہیں۔ لکڑیاں اور گھاس لاتی ہیں اور مویشی چراتی ہیں۔ چنانچہ خٹک ملوں کا روزگار بھی ایسا ہی ہے۔

ابتدائی قبیلوں کی طرح، پانی بھر کر لانے کا سخت تھکانے والا اور بے کیف کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے جس میں بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ اس سے دوسرے درجے پر بیرحمانہ کام جو عورتوں سے لیا جاتا ہے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ہے۔

بیوی سے کسی قسم کا اقتصادی کام لینا سُنیوں کے فقہے کی رو سے جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کے اس کو اپنے بچے کو چھاتی سے دودھ پلانے کو بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ بچوں کا پالنا باپ کے ذمے ہے نہ کہ ماں کے۔ اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے تو باپ کو اپنے بچوں کیلئے دایہ رکھنی ہوگی۔ شریعت کی رو سے خاوند اپنی بیوی کی خدمت کے لئے دو خادم رکھیگا۔ اگر دو کے رکھنے کی توفیق نہ رکھتا ہو تو ایک رکھ کر دیگا۔ اور اگر ایک بھی نہ رکھ سکے تو خود بیوی کی ہر قسم کی خدمت کریگا۔ کھانا بھی اسے پکا پکایا دیا کریگا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ کی تو یہی تعلیم ہے۔ لیکن کیا آپ نے کبھی کسی مُلا یا واعظ کو یہ پرچار کرتے ہوئے سنا ہے؟

اگر مردوں میں اچانک مکہ، تھپڑ یا کرچھو کی لڑائی چھوٹ پڑے اور کوئی زخمی ہو جائے تو فریقین کی عورتیں بھی آپس میں گتھ جاتی ہیں اور ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورتیں لڑتی ہیں۔

اگر بندوقوں کی لڑائی شروع ہو جائے تو عورتیں رسد رسانی کا کام کرتی ہیں اور دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے گھروں سے اپنے اپنے مردوں کے لئے کارتوسوں کے زائد ذخیرے، پینے کے لئے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لئے ٹھنڈی (باسی) روٹیاں لاتی ہیں۔ اس آمد و رفت میں کبھی کبھی کسی عورت کے بلا ارادہ گولی بھی لگ جاتی ہے یا مر بھی جاتی ہے ورنہ مرد کسی حالت میں بھی عورت پر وار نہیں کرتا۔

جو لڑکیاں نیک کی صورت میں دی جاتی ہیں، یا کسی بدشکل یا دائم المریض یا بڈھے کے ہاتھوں بیچ دی جاتی ہیں وہ عموماً تو

پشتو کی وجہ سے گزارہ کرتی ہیں لیکن بعض بعض جو یا تو بہت زیادہ ستائی جاتی ہوں یا عقل کی کچی ہوں یا ویسے ہی، بدقسمتی کا شکار ہو چکی ہوں وہ کسی یار کے ساتھ نکل بھی جاتی ہیں۔ ایسے بھاگنے کا نتیجہ عموماً بھگانے والے کی موت ہوتی ہے۔ اور ایک قتل کا نتیجہ دوسرا قتل ہوتا ہے اور یوں قتلوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اپنی ایسی خلاف مرضی شادی کے متعلق لڑکیاں یہ گلہ کرتی ہیں:-

کہ ئے دکوسے یار نہ ہم ورکہ۔ کنڈی ورخم دلوشہ ننگ د بدؤمہ

سیٹلمینٹ رپورٹ آف کوہاٹ ص ۷۸ میں بھاگنے کے عنوان کے نیچے لکھا ہے: "خصوصاً خٹکوں کے جنوبی ملک میں عورتوں کا یہ عام رواج ہے کہ اپنی زندگی میں ایک بار بھاگتی ہیں"۔ یہ الفاظ اس قوم کے افراد نے لکھے ہیں جس میں کوئی لڑکی بارہ سال کے عمر کے بعد باکرہ نہیں رہتی اور جس میں سال کے بارہ لاکھ حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ انگریز یارکوں سے اس لئے بھی کٹتے تھے کہ ایک تو وہ انگریزوں کے بہی خواہ یعنی نواب صاحب سے باغی تھے اور دوسرے وہ ۱۸۹۱ء تک انگریزوں کے ساتھ برسرپیکار تھے۔

یہ بھاگنے بھگانے کے معاملے تو ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں لیکن جہاں بعض اور جگہ حکمت عملی سے کام لیا جاتا ہے اور معاملہ تشہیر نہیں پاتا وہاں یارک ایسے معاملوں کو جانے نہیں دیتے اور فوراً اقدام قتل کر لیتے ہیں اور اسلئے عوام کی ظاہر بین آنکھوں کو یہاں اس قسم کے سب واردات نظر آ جانے کی وجہ سے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

خٹکوں میں طلاق بہست کے برابر ہے۔ طلاق لینا اور دینا معیوب سمجھے جاتے ہیں۔ اگر خاوند اور بیوی میں ناچاقی آ بھی جائے تو شریعت کے حکم کے مطابق ہر دو کے بڑے بوڑھے ان کی صلح صفائی کر دیتے ہیں۔ طلاقوں کی کمی کی دوسری وجہ دیوانی عدالتوں کی

کمی، عورتوں کی حکومت اور عورتوں کا زر خرید ہونا ہے۔

خٹکوں میں لڑکے لڑکی کی منگنی اور بیاہ عام طور پر ان کا سنِ بلوغ کو پہنچ چکنے کے بعد کئے جاتے ہیں۔ شادی کے وقت عموماً عورت پندرہ اور مرد بیس برس کا ہوتا ہے۔ نکاح صرف ایک مرتبہ اور خاوند کے گھر باندھا جاتا ہے۔

خٹکے بغیر تعلیم اور ہنر کی ہیں۔ چنگیریوں کے علاوہ کچھ بنانا نہیں جانتیں۔ کھانوں میں خمیری روٹی، دال اور ساگ کے علاوہ کچھ نہیں پکا سکتیں۔ اگر ایک آدھ سلائی کی مشین پر کپڑے سینا سیکھ لے تو اس عورت کی قیمتِ فروخت مہنگی ہو جاتی ہے۔

تھل کی عورتیں کرک کی ماشی خیل عورتوں کو اور ماشی خیلیں درملوک کی عورتوں کو خوبصورت بتلاتی ہیں۔ سابق الذکر دو ٹکہ کرتی ہیں: دا فلانکئے خان م وادہ نہ کی۔

صبا م نیت دہ درملوکو تہ بہ ځمہ

[فلانکی خان کی بجائے مائیں اور بہنیں وغیرہ اپنے بیٹے یا بھائی وغیرہ کا نام لیتی ہیں۔]

یہ تو رہا لڑکیوں اور لڑکوں کا حال لیکن وہ تقویٰ شکن حسن جس کی بابت مجذوب عبدالرحمٰن مہمند نے کہا ہے:

پہ حلو حلوم زړو وړی نہ یوشیگم۔ افریدئی دہ کہ خٹکہ۔ الغیاث!

مہمندوں کی پڑوسی خٹک عورتوں کی بابت ہے۔

مندرجہ بالا شعر سے اتنا اور ثابت ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے علاقہ پشاور کی خٹک اور افریدی عورتوں کے قد و قامت، رنگ روپ، پوشاک اور لباس بہت زیادہ باہم مشابہ تھے۔ لیکن عبدالرحمٰن کا زہد و تقویٰ اور یہ شعر؟ ——

آخر بیٹی خان کو بھی اپنے قبیلے کی دیویوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتے سن لیجئے:۔

دخٹکو ځونہ واڑہ خوبنے دی۔ خو یوا نے اکوڑخیلے دی میرمنے۔

میلے اور تفریح

۱۸۸۳ء سے پہلے خٹکوں کے علاقے میں تجارتی میلے نہیں لگا کرتے تھے اور زیارت کاکا صاحب کے علاوہ عام مذہبی اجتماعات بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔ آج کل شمی لغری، لنڈکمر، ڈم کلہ، کرک، تیمر، لاچی اٹک، خیرآباد وغیرہ میں ہفتہ وار تجارتی میلے لگا کرتے ہیں۔ ان میلوں میں قریبی دیہات کے لوگ اپنی مقامی پیداوار مثلاً مرغیاں انڈے، بکریاں، بھیڑیں، گدھے، گائیں، کھالیں وغیرہ لا کر بیچتے ہیں۔ میلوں میں موسم کے مطابق شربت، چائے، کباب، روٹی وغیرہ کی دکانیں بھی لگ جاتی ہیں۔ ان میلوں میں کپڑے اور منیاری وغیرہ کا سامان بھی بکتا ہے اور بلوچیوں کی طرح خٹکوں کا بھی یہ غلط خیال ہے کہ ان میلوں میں بازار سے ارزاں مال ملتا ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ مال بازار سے ہی تو لایا جاتا ہے جس پر لانے لیجانے کا خرچ بھی لگ جاتا ہے۔

خٹک ایک زندہ دل قوم ہے لیکن بوجہ افلاس تفریح کا سامان مثلاً سینما، ناٹک، کلب، عوامی باغات وغیرہ سے محروم ہیں۔ ان کی تفریح کا ذریعہ لے دے کر ساز اور ناچ رہ گیا ہے۔ جنوبی خٹک اینڈے (دنتی) اور نشانہ بازی سے بھی دل بہلاتے ہیں۔

خاص مواقع پر نیزہ بازی کا شوق بھی کرتے ہیں۔ اچھے سوار تلوار سے چیلی بھی لیجاتے ہیں۔ لیکن موٹروں، بسوں، اور بائیسکلوں کے رواج نے گھوڑے پالنے یا رکھنے اور اس کے ساتھ ہی نیزہ بازی اور شہسواری کا تقریباً خاتمہ ہی کر دیا ہے۔

آج سے ایک سو سال پہلے کھاتے پیتے لوگ باز، چرغ یا بندوق کے ذریعے اور غریب لوگ باشہ، شاہین (شبئین) شکرہ اور کتوں سے شکار کھیلا کرتے تھے۔ لیکن بندوقوں کے بڑھ جانے سے شکاری پرندوں اور تازی کتوں سے شکار کھیلنا تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

شکاری پرندوں میں چھُرہ بہت کامیاب شکاری ہے۔ کیونکہ یہ شکار کا تعاقب نہیں کرتا بلکہ ایک جھاڑی سے دوسری پر بیٹھ کر شکار کو بچ نکلنے کا موقعہ نہیں دیتا۔

انسانی آبادی اور بندوقوں کے استعمال کے بڑھ جانے سے خشکلزینے میں شکار کم ہوگیا ہے۔ خرگوش تقریباً فنا ہوچکے ہیں۔ کالے تیتر نہایت ہی کم ہیں۔ تیتر، چکور اور سیسیاں بھی کم ہو رہے ہیں۔ ڈبرے بھی اب نہیں ملتے۔ لیکن اب حکومت اس طرف دھیان دینے لگی ہے۔

شکر درہ میں خومر شھنڈ میں مرغابیاں بھی مل جاتی ہیں۔ بعض لوگ بجائے شکاری پرندوں اور غلارے وغیرہ کے کونجوں کا شکار سیبہ، تیتروں کا شکار جال، اور رسی وغیرہ کا شکار دام وغیرہ سے بھی کرتے ہیں۔

پہاڑیوں میں گیدڑ، لومڑی اور ایک آدھ لگڑبگڑ (اشوبران) یا چیتا (پڑانگ) بھی نظر آجاتا ہے۔

خوراک

گینڈہ خو پہ خشویا مڑہ شئی۔

آریہ قوموں میں رگ وید کے زمانے ہی سے گوشت کھانے کی عادت کم ہے۔ وہ صرف تہوار کے دنوں میں جب کہ وہ جانوروں کی قربانی دیا کرتے تھے گوشت کھایا کرتے تھے۔ ان میں گائے کی قربانی سب سے بڑھیا مانی جاتی تھی۔ بعد میں انہوں نے بدھ مذہب والوں کے لحاظ سے گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اور سکھوں نے جن کے مذہب میں گائے کا گوشت کھانا جائز ہے ہندؤں کے پاس خاطر گائے کا گوشت کھانا ترک کردیا۔ یوں انسان نے انسان کو خوش کرنے کے لئے اپنا مذہب تبدیل کردیا۔ لیکن جب

ہندؤں کا دوبارہ عروج شروع ہوا تو انہوں نے جی کھول کر بدھوں کو کاٹا۔

پشتون مختلف قسم کی آب و ہوا میں رہتے ہیں۔ جہاں برف زیادہ پڑتی ہے اور سردی زیادہ ہوتی ہے (مثلاً ترکی افغانستان میں) وہاں کے لوگ گوشت (خصوصاً دُنبے کا گوشت) زیادہ کھاتے ہیں۔ گرم علاقوں کے رہنے والے گوشت کم کھاتے ہیں۔ لیکن مقابلتاً گرم علاقوں کے خٹکوں کی گوشت کم کھانے کی وجہ ان کی غربت اور قصابوں اور ہوٹلوں کی کمی ہے۔

خٹکوں کی قومی خوراک دودھ میں خمیری روٹی ملا کر اوپر سے گھی اور شکر ڈال کر کھانا ہے۔ قلیل مقدار میں دالیں اور ساگیں یا سبزیاں بھی استعمال کرتے ہیں۔ حلوے کے بہت شوقین ہیں۔ ان کی چھوٹی مہمان نوازی مرغی اور بڑی مہمان نوازی دنبے کا گوشت کھلانا ہے۔

لغن (گندم کی روٹی) روشہ (جو کی روٹی) (گڈبے (گندم اور چنے کے آٹے کی ملی ہوئی روٹی) پیاسہ (گندم کے آٹے یا بیسن کی لئی کی روٹی) بھی پیاز اور گڑ وغیرہ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ شکار یا مسافری کے دنوں کے علاوہ کوک نہیں کھاتے۔ لسی چاہ سے پیتے ہیں۔ چائے صبح اور ظہر کے وقت پینے لگے ہیں۔

روٹی دو وقت کھاتے ہیں۔ دن کی روٹی دوپہر سے دو گھنٹے پہلے یعنی تنکئی غرمے کے وقت اور رات کی روٹی شام کی نماز ادا کر چکنے کے بعد تناول کرتے ہیں۔

گھر

علاقہ خٹک میں آج بھی کئی گھر زمانہ قبل از تاریخ کے طرز پر بنے ہوئے ملتے ہیں۔ غربت کی وجہ سے آج تک کوئی بھی جدید نمونے کا مکان نہیں بنا پایا۔ اکثر مکانات آج بھی زمانہ قبل از تاریخ کی طرح بنائے جاتے ہیں۔

گزیٹیر آف دی کوہاٹ دسٹرکٹ ص ۶۰ میں لکھا ہے: "ایک عام زمیندار کے گھر میں صرف ایک کوٹھا ہوتا ہے جو ۲۵ فٹ لمبا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہوتا ہے۔ اس میں ایک طرف چوپائے ہوتے ہیں (یا کبھی چوپایوں کے لئے باہر ایک شیڈ ہوتا ہے)۔ دوسرے کونے میں غلہ رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اور درمیان کا حصہ گھر والے استعمال کرتے ہیں۔ کھڑکیاں نہیں ہوتیں۔ دروازہ صرف ایک اور دھواں نکلنے کے لئے چھت میں ایک سوراخ ہوتا ہے۔"

ایک کوٹھے کی بابت تو یہ نقشہ تقریباً صحیح ہے اگرچہ اس میں گھر کے بعض ضروری سامان مثلاً چکی، گھڑے اور ہل وغیرہ کا ذکر نہیں ہے لیکن ایک گھر کے متعلق یہ بیان قطعاً غلط ہے۔

خٹکوں کے شمالی گھر جو آج بھی کئی گاؤں میں پائے جاتے ہیں لیکن جن کی تعداد خانگی تقسیموں کی وجہ سے روز بہ روز گھٹ رہی ہے یہ ہے: ایک بڑے احاطے میں جسے بیل کہتے ہیں اصل مالکان کے مردوں کی تعداد کے مطابق کوٹھے (میلے) ہوتے ہیں۔ یہ گھر ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک کنبے کی مشترکہ ملکیت ہوتی ہے اور ہر بھائی یا ترلور کا اپنا اپنا میلہ ہوتا ہے جس میں وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ سب میلوں کا ایک مشترکہ صحن ہوتا ہے اور میلوں کے باہر چار دیواری ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی۔ چار دیواری اور میلے مٹی اور پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر میلے کا صرف ایک چھپڑی کا دروازہ ہوتا ہے۔ میلے میں کھڑکیاں

جنگلی جانوروں اور دشمنوں کے خوف سے نہیں بناتے۔ گھر کا سامان اتنا مختصر ہوتا ہے کہ الماریوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ بہت ہوا تو چھوٹا موٹا سامان رکھنے کے لئے دیواروں میں طاقچے بنا لئے یا چند کھونٹیاں ٹھوک دیں۔ سردیوں میں کوٹھے کے بیچ میں لکڑیاں جلا کر تاپتے بھی ہیں اور اسی پر پکاتے بھی ہیں اس لئے انگیٹھی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ روشندانوں کی حاجت اس لئے نہیں پڑتی کہ گھر والے تو عموماً کام کاج کے سلسلے میں دن بھر گھر سے غائب رہتے ہیں۔ گرمیوں میں عورتیں صحن میں اور مرد عموماً چوک میں سوتے ہیں اور سردیوں میں رات کو روشندان کھلے رکھنے کا خیال تو خیر دور کی بات ہے۔ مرد چونکہ کنویں، تالاب، چشمے یا نہر کے کنارے نہاتے ہیں یا صحن کے ایک کونے میں ایک چہار چوبی بنائی ہوتی ہے جس میں مرد اور عورتیں صبح سویرے کوزوں کے پانی سے نہاتے ہیں۔ گھر میں پاخانہ نہیں ہوتا کیونکہ عورتیں اور مرد علی الصباح کھیتوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ بوقتِ فرصت عورتیں گھر میں بیٹھ کر گپیں ہانکتی ہیں اور مرد چوک میں۔ چوک کا رواج بہت پرانے وقتوں کا ہے۔

ختکوں کے گھر کا حال تو آپ سن چکے۔ اب سر پرسی سائیکس کو "تاریخ افغانستان" جلد I ص ۱۹ میں سنئے: "زمانہ تاریخ سے پہلے کا ایک گاؤں جو پرسیپولس میں دریافت ہوا ہے .... ہرزفیلڈ نے اس زرخیز میدان میں ایک چشمے کے پاس کھودا تھا۔ یہ گاؤں کوٹھوں اور صحنوں کا ایک جھرمٹ تھا نہ کہ علاوہ علاوہ گھروں کا۔ یہ نمونہ (جو ان سب کچھ سے مختلف ہے جو یورپ میں معلوم ہوئے ہیں) یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ گروہ کنبوں میں بنا تھا نہ کہ جدا جدا گھروں میں۔" اور گھروں کی اس قسم کی ساخت سے یہ نتیجہ نکالا ہے: "اس سے خاندان کا ایک ایک بیوی کے کرنے یا

بہت سی بیویاں کرنے کا تصور ثابت نہیں ہوتا بلکہ جماعتی شادیوں اور ایک عورت کے کئی خاوند کرنے کا رواج ثابت ہوتا ہے۔"

استفراخ بالا میں جماعتی شادیاں (یعنی کئی مردوں کا کئی مشترکہ بیویوں کے ساتھ شادی کرنا) یورپ کی بابت بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ علم الانسانیات کے آج کل کے عالم کہتے ہیں کہ ان میں شادی کا یہ رواج نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو اینترا پالوجی ص ۱۳۲)

اب نہ تو خشکوں کے موجودہ گھر زمانہ قبل از تاریخ کے ہیں اور نہ ان میں جماعتی شادیاں ہی ثابت ہیں اور نہ ہی یہ علٰحدہ علٰحدہ کوٹھے جدا جدا بیوی اور اس سے پیدا شدہ اولاد ہی کے لئے ہو سکتے ہیں کیونکہ خشکوں کے وطن اور معاشرے میں کثیر الازدواجی ممنوعات میں سے ہے۔ لازماً ان کے مشترکہ گھر میں ایسے علٰحدہ علٰحدہ کوٹھوں کا ہونا ہر جائی یا تر لورسکے کنبے (خاوند، بیوی اور بچوں) کی رہائش کے لئے بنائے جاتے ہیں خصوصاً اس لئے بھی کہ ان کوٹھوں کے علٰحدہ علٰحدہ صحن نہیں ہوتے۔

چیڑی کے دروازے بھی زمانہ ما قبل تاریخ کی یادگار ہیں۔ ان کی ساخت یوں ہوتی ہے کہ ایک پٹ کے دونوں (عموداً ایک بانہ کے) سروں میں کیلیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اوپر کی کیل دیوار میں بنے ہوئے سوراخ میں چلی جاتی ہے اور نچلی پتھر یا لکڑی کے ایک سوراخ دار تختی میں جسے خرگئی کہتے ہیں۔ پٹ ان سوراخوں میں گھومتا ہے۔ اس قسم کے دروازے کی بابت بھی پیرسی (جلد I ص (۲) کو سینٹے: "شان [کھوروں] کی لکڑیاں دروازے بنانے کے کام آتی تھیں جو پتھر کے سوراخ میں گھومتے تھے۔ جن کے نمونے دو لیے نے اُر کے طوفان (طوفانِ نوح] سے پہلے کے طبق میں پائے ہیں۔"

زرگی میں ہمارے پشتو کے وقت سے سینکڑوں سال کے پرانے آبائی مکان میں چار پیلے تھے۔ جن میں سے دو پیلے ہمارے بنوں

چلے آنے کے بعد اب حال ہی میں پہاڑے ترا وروں نے بیچے ہیں۔
اس کتاب کے شروع کرتے وقت میں کرک میں ایک ایسے گھر میں اقامت پذیر تھا جس میں ایک کوٹھا تھا جسے چیڑی کا دروازہ لگا تھا اور سنہ ۱۹۵۶ء میں بنایا گیا تھا!

پیشے

ضلع کوہاٹ میں خٹکوں کے پہاڑوں میں سونا مکھی، گندھک، ابرک، سنگِ جراحت، سیلیکا، کچا لوہا، شادنج سدی، گاچی مٹی، بیلنگ کلے، چونے کا پتھر اور نمک وغیرہ بہ افراط پائے جاتے ہیں۔ لیکن سوائے نمک کے باقی چیزوں سے استفادہ نہیں کیا جاتا۔
خٹکوں کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ زراعت ہے۔
بہ استثنائے حلقہ لیوٹنرہ تحصیل ٹیری کے بعض زمینداروں کو نواب صاحب کی جاگیر میں سے، نمک کی آمدن میں سے تقریباً ۰۰۰، ۴۰ ہزار روپیہ حکومت ان لوگوں کے حصے کے طور پر اور کانوں کی حفاظت اور کانوں تک جانے والی سڑکوں کی نگہداشت کے عوض دیتی ہے۔
بعض لوگ نمک کی کانوں میں مزدوری بھی کرتے ہیں۔
انگریزوں کی یہ پالیسی تھی کہ اس علاقے کو کسی قسم کی ترقی نہ دی جائے تاکہ یہ مضبوط اور نڈر لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے لئے مجبور رہیں چنانچہ آج بھی آبادی کے دسویں حصے کے صحتمند نوجوان فوج، ملیشیا، بارڈر پولیس اور شاہی پولیس میں نوکریاں کر رہے ہیں۔ پشت در پشت کی عسکری ملازمت نے ان میں تنظیم کی صفت پیدا کر دی ہے جس نے ان کی قومی بہادری سے مل کر ان کے لئے فوج میں عزت کا مقام دیا ہے۔
غربت کی وجہ سے خٹک نہ تو جلد بیوی خرید سکتے ہیں اور

نہ بڑھ سکتے ہیں اس لئے آج سے کچھ عرصہ پہلے تک تو ان کی زمینداری
یہ ان کے امدادی آمدنی کے ان کے گزارے کے لئے کافی تھی۔ اور
لوگ بنجر اراضیات کو آباد نہیں کرتے تھے لیکن اب تقریباً بیس
برس سے الگڈوں کے کنارے اور پہاڑوں کے پہلوؤں پر بھی کاشت
کرنے لگے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب انہیں جدید قسم کی
زراعت کی ضرورت ہے۔

ویسے تو خٹک زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں ملتے ہیں لیکن
سول سروس میں ان کی نمائندگی قابل افسوس حد تک کم ہے
اور تقریباً یہی حال انجنیری اور ڈاکٹری وغیرہ کا ہے۔ امید ہے کہ
ہماری حکومت خٹکوں کو سائنس کی تعلیم دلانے کے لئے مناسب
بندوبست کرے گی۔

۱۹۴۷ء میں شرنارتھیوں کے چلے جانے کے بعد تجارت میں جو
خلا پیدا ہوئی تھی وہ خٹک اپنی غربت کی وجہ سے ابھی تک پر نہیں
کر پائے اور نہ سرمائے کی کمی کی وجہ سے تجارت وغیرہ میں نمایاں
ترقی کر سکے ہیں۔ جو دکانیں ہیں ان میں بھی سامان کم اور سستے
قسم کا ہوتا ہے۔

خٹک معاشرے میں یہ نمایاں تبدیلی آئی ہے کہ ذرائع آمد و
رفت کے بڑھ جانے کی وجہ سے اب خٹک اپنے ساتھ گوڈی میں
آٹا نہیں لئے پھرتے۔ اسی طرح پانی کے تُنگی بھی اب کم نظر آتے ہیں۔
خٹک اپنی چھوٹی چھوٹی قیمتی اشیا بھی گوٹھ میں چھپا کر رکھتے تھے۔
اسی لئے تو خان نے کہا ہے :"د مرزا دیوان ئې او منډه په گوډی۔
سغره ئې انزانی، خویشکی، زمند کړو۔"

مشرقی خٹکوں کے معاشرے میں گدھا بھی ایک اہم مقام رکھتا
تھا جس پر لکڑیاں وغیرہ لا کر کچھ کما لیتے تھے۔ اسی لئے ان کا محاورہ
ہے "چہ خر او لرگی - تبغنہ یہ باندے کی۔" مغربی خٹکوں میں گدھے
کی جگہ بیل استعمال ہونے لگا اور اب بیل کے ساتھ اونٹ بھی شامل ہو گیا ہے۔

لوگہ

لوگہ پشتو کے لفظ لوگئے بمعنی دھواں کی تحریف شدہ ہندی صورت ہے جو خوانین ٹیری کے ہندو دیوان اصطلاحاً گھر کے معنی میں استعمال کرتے تھے کیونکہ جس گھر میں دھواں ہوتا تھا یعنی روٹی پکتی تھی اس سے ملنگ (مالیہ) لیا کرتے تھے۔

لوگہ کے لئے پشتو کا صحیح لفظ اور بل (اور = آگ + بل = روشن) ہے۔ لوگہ ایک پرانا آئین ہے جس کا وجود رگوید میں موجود ہے۔ اس وقت سیاسی اتحاد نہ تھا - قبیلوں کی وحدت ہی سب کچھ تھی۔ اور قبیلوں کی تنظیم بہت حد تک ایسی ہی تھی جیسے کہ آج کل کے پشتونوں کی۔ قبیلہ (جَنَہ) میں ضلع کی طرح آبادیوں کا ایک مجموعہ (وِس) ہوتا تھا جس میں کئی گاؤں (گوامہ) شامل ہوتے تھے۔ گاؤں کے گھروں میں ہر گاؤں کی اپنی خانگی آگ ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت باقاعدہ ملنگ نہ ہوتے تھے - لوگ حفاظت کے بدلے میں راجہ کی اطاعت کیا کرتے تھے اور اسے اپنی خوشی سے تحفے دیا کرتے تھے۔

پشتونوں میں اور بل کی ابتداء ویش (تقسیم) کے وقتوں سے ہوئی ہے - جبکہ پشتونوں میں ان کی جمہوریت پسند طبیعت اور اسلامی مساوات کے مطابق یہ رواج تھا کہ ایک قوم کی زمین قبیلوں میں، قبیلوں کی خاندانوں میں اور خاندانوں کی آدمیوں میں بانٹ دی جاتی تھی۔ ان میں پہلے یہ رواج تھا کہ جب کوئی جوان شادی کر لیتا تو اس کا علیٰحدہ اور بل بن جاتا تھا اور وہ گاؤں کی زمین میں اپنا حصہ لینے کا حقدار بن جاتا تھا چاہے وہ اپنے باپ کے ساتھ اکٹھا رہتا یا علیٰحدہ مکان میں۔ اگر وہ یہ چاہتا کہ از سر نو ویش کی جائے تو کندی کے معتبر اس کے خاندان کی زمین دوبارہ بانٹ کر اس کا حصہ اسے علیٰحدہ کر دیتے تھے۔

زمین کے ساتھ ہی اس کی ذمہ داریاں بھی علحدہ ہو جاتی تھیں اور بغرض مالیہ وہ اپنے حصہ اراضی کا مالیہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا جو اس کے گھر پر جس سے لازماً دھواں (لوگہ) نکلتا ہے تشخیص کیا جاتا تھا - اور مالیے کا حساب یوں رکھا جاتا تھا کہ اس طرف یا پتی میں اتنے لوگہ یعنی مالگزار ہیں ۔

یہ آئے دن کی از سر نو تقسیم کا معاملہ اتنا پریشان کن تھا کہ بعد میں ایک مدت مقرر کی گئی کہ اتنے (۵ یا ۱۰ یا ۱۵) سال سے پہلے زمینوں کی از سر نو تقسیم نہیں کی جائیگی ۔ یہ مدت آبی اور بارانی زمینوں کے لئے یکساں نہیں ہوتی تھی ۔ بارانی زمینوں کی تقسیم کی مدت عموماً پندرہ سال ہوتی تھی ۔

ولیش کے وقت نادار، لاولد، گاؤں سے مفرور اور غیر حاضروں کی زمینیں دوسرے مالکانِ لوگہ پر حسب رسد تقسیم کردی جاتی تھیں اور جس کا حصہ ایزاد ہونا ہوتا تھا اس کا حصہ دیگر مالکان کے حصوں سے وضع ہو کر اس کے نام لوگہ قائم کیا جاتا تھا ۔ اس لئے پیمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا تھا ۔ غیر شادی شدہ کو لوگہ نہ ملتا چاہیے وہ علحدہ ہی کیوں نہ رہتا ہوتا ۔

ولیش کا نتیجہ یہ نکلا کہ خیلوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے زمیندار بن گئے جو اپنی زمینیں خود بویا کرتے تھے ۔ اِن میں سوائے اُن کے بڑی بڑی املاک نہ تھیں جو حاکمانِ وقت کسی کو خدمت کے صلے میں دے دیتے یا کوئی بدامنی کے دنوں میں زبردستی چھین لیتا - آج بھی یہی حالت ہے کہ تقریباً ہر خیل زمیندار ہے - ایسی خود کاشت زمینداری کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ نہ تو یہاں ادنیٰ مالکان ہیں اور نہ پنجاب کی طرح بہت سے کمینوں کی خدمت کی ضرورت پڑتی ہے ۔

قدیم بندوبست سے پہلے (سرسری بندوبست کے وقت) خیلوں

نے اپنی زمینیں آپس میں بانٹی تھیں + قبضہ زمینوں میں حقوق
کی بنا پر، اور مالیہ کی ادائیگی کی ذمہ داری کا اندازہ قبضے پر قائم
کیا گیا + لوگہ کی صورت میں [مثلاً تپہ بارک میں] ملک تینوں حدود
کے موضعوں میں جو کہ مخصوص مالیہ ادا کرتے تھے [مثلاً تپہ
سینی اور تپہ خورم میں] نہ تھا تقسیم + اور نہ ہی مالیہ سال
کے آمدن کے مطابق تشخیص ہوا تھا +

چونکہ ویش کے وقت زمینوں کی اچھی اور بری حیثیت کو مد
نظر رکھا جاتا تھا۔ اس لئے ایک خاندان کی زمینیں بڑے بڑے قطعوں
میں اور یا ایک گاؤں کے مختلف ونڈوں (حصوں) یا مختلف گاؤں
میں بٹی ہوئی بکھری ہوئی تھیں + اور چونکہ مالکان اپنی اپنی
زمینوں میں بانڈہ جات (چھوٹے چھوٹے گاؤں) یا اکثر ایک ایک
گھر بنائے ہوئے ہوتے تھے اس لئے ایک خاص لوگہ سے لیا جانے
والا مالیہ دور دور کے گاؤں کے رہنے والوں سے جمع کیا جاتا تھا +

لوگہ کا جمع کرنا بہت مشکل کام تھا جو خان ڈیری کے کارداروں
(اجارہ داروں) کے بس کا کام نہ تھا اور اکثر لوگے ان سے ویسے
ہی رہ جاتے تھے لیکن جو وصول ہو جاتے ان سے بھی انہیں بہت
نفع حاصل ہو جاتا۔ مثلاً پہلے خونزہ ۱۰۰۰ لوگہ تھا جو ہر ایک لوگہ
۱۵ روپیہ فصل یا ۳۰ روپیہ سالانہ ادا کرتا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں یہ رقم
بڑھا کر ۲۶ روپیہ درانی فی فصل کر دی گئی + ۱۸۸۴ء میں ان ۱۰۰۰ میں
سے صرف ۴۸۳ لوگہ خان کے کارداروں کو مالیہ دیتے تھے۔ لیکن اس
سے بھی کاردار کو بہت فائدہ تھا۔ کیونکہ اس نے تپہ خونزہ ۱۸۸۵ء
میں خان سے ۱۳،۷۲۹ روپیہ اجارہ پر لیا تھا + ۴۸۳ لوگہ سے ۲۶ روپیہ
درانی کے حساب سے وہ (۴۸۳ × ۲۶ =) ۱۲۵۵۸ فصلانہ یعنی
۲۵،۱۱۶ روپے سالانہ لیا کرتا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ۲،۸۴۳
روپے کے برابر تھے۔ یعنی صرف خونزہ میں کاردار کو (۲۵۱۱۶-۱۳۷۲۹=)

۳۸۷ہزار/ دلالی روپے سالانہ بچتے تھے!

مالیہ ادا کرنے والی چھوٹی جماعتیں موضع سے قدرے مشابہت رکھتی تھیں اور قبیلے کی شاخوں کے ناموں سے مشہور تھیں۔ اور اگرچہ کاغذات مال میں لکھا ہوا ہوتا تھا کہ فلاں شاخ کے ذمے اتنے لوگ ہیں لیکن درحقیقت زمین کا صرف تھوڑا حصہ ہی اس شاخ کے بڑے گاؤں کے گرد و نواح میں واقع ہوتا۔ باقی زمین کا بڑا حصہ دور دور کے گاؤں کی زمینوں کے ساتھ ملا جلا واقع ہوتا۔

انگریزوں کی آمد سے بہت پہلے ہی قبیلوں کی ذاتی زمینوں کا مشترکہ قبضہ منہدم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ انفرادی قبضے نے پکڑ لی تھی۔ کیونکہ جب ایک قبیلہ کسی جگہ میں مستحکم ہو جاتا ہے تو اسے مشترکہ ملکیت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

زرعی زمین کی افراط کی وجہ سے خلقوں کو مشترکہ ملکیت اور وقتاً فوقتاً ویش کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی۔ نوجوان اپنے آبائی گاؤں چھوڑ کر غیر آباد زمینوں پر اپنے لئے مکان بنا لیتے تھے۔ خان کی سہولیت اس میں تھی کہ بجائے زمین کے زمین والے یعنی گھر یا لوگ پر مالیہ لگا لے۔ جس زمین پر کوئی قبضہ کر لیتا وہ اس کی ملکیت سمجھی جاتی۔ اور اس کے حقوق قبضے کے مطابق گنے جاتے نہ کہ اس کے جدی حصے کے مطابق۔ قبضے سے حاصل کی ہوئی ایسی زمینیں میعادی تقسیم سے مستثنیٰ رہتیں۔ ایسی زمینوں کی جدی حصے کے ساتھ کچھ مطابقت نہ ہوتی۔ لیکن پیمائش کے نہ ہونے کی وجہ سے مالیہ گاؤں میں جدی حصے کے مطابق لیا جاتا تھا۔ یہ حالت باڑک اور دوہ تپوں میں زیادہ اور سیبی اور خوم تپوں میں نسبتاً کم تھی کیونکہ ان میں رواجی یا مشترکہ املاک کی بجائے ذاتی املاک کی تعداد زیادہ ہے۔

بندوبست ۱۸۹۶ء کے وقت نواب سر خواجہ محمد خان نے یہ

غلط اور بے بنیاد دعویٰ کیا تھا: "میرے اجداد نے تحصیل ٹیری کی زمین وہاں کے قدیمی باشندوں سے زبردستی حاصل کی تھی۔ میں زمینوں کا مالک ہوں اور سب بارک میرے مزارعہ ہیں۔"

اس دعوے کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے۔ تحصیل ٹیری کی زمین میں سب سے پہلے لفتی اور بارک بالائی خونرہ پر قابض تھے۔ اس کے بعد اکوڑ خیلوں کے اجداد آئے اور کرلوغہ کے پاس کی زمین پر قابض ہوگئے۔ اس وقت ان کی اتنی حیثیت نہ تھی جتنی کہ انہوں نے بعد میں حاصل کرلی۔ خود اکو ملک جالی کے ہاتھوں تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہوچکا تھا جیسا کہ آپ اکوڑ خیلوں کے حال میں پہلے بھی پڑھ چکے ہیں اور آئندہ صفحات میں بھی پڑھ لینگے اور جن وجوہات کی بنا پر اکوڑہ کی اولاد نے باقی خٹکوں کی ہمدردیاں حاصل کیں اور رفتہ رفتہ ان کے خان بن بیٹھے اس کی تفصیلات بھی آپ اس کتاب میں آگے ملاحظہ فرمائینگے۔

اکوڑ خیلوں کی اہمیت ضلع پشاور میں اکبر بادشاہ کے زمانے (۱۵۸۱ء) سے شروع ہوئی اور دن بدن بڑھتی گئی تھی کہ خوشحال خان I اور محمد افضل خان I کے زمانوں میں ان کی حیثیت قرون وسطیٰ کے بعض حاکموں جیسی بن گئی تھی اور وہ ویسے ہی لگان لگایا کرتے تھے۔ اور محمد افضل خان I تو لوگوں کو خلعت بھی دیا کرتا تھا۔ یہ رواج خواجہ محمد خان کے وقت میں بھی جاری تھا لیکن اس کے وقت خلعت کی بجائے ایک قمیص اور ایک شلوار دی جاتی تھی اور ان لٹھے کا جوڑا پانے والوں کو خان کے دربار میں الٹی چارپائی پر بیٹھنا پڑتا تھا۔

جس وقت نواب صاحب بالقابہ نے متذکرہ بالا دعویٰ کیا تھا اس وقت ایک طرف تو انگریز اس کی خانی کو ختم کرنے کی فکر میں تھے اور دوسری طرف ایک ایسے وفادار مددگار کا یکبارگی

خاتمہ بھی اپنے لئے فائدہ مند نہیں سمجھتے تھے + اس لئے انہوں نے اس کا دعویٰ بجنسہٖ تو نہ مانا لیکن اسقدر تسلیم کرلیا کہ بارکوں پر اس کا یا اس کے باپ دادا کا کچھ غیر معمولی اثر ضرور رہا ہے۔ اس لئے علاوہ چند اور رعایتوں کے اس کے ساتھ یہ رعایت بھی کی کہ اسے تحصیل ٹیری کی زمینوں کا مالک اعلیٰ (تعلقدار) تسلیم کرلیا + اور زمینوں کے مالیے میں اس کی چھ پیسہ فی روپیہ یعنی ۹⅜ فیصدی تعلقداری بھی بڑھا دی + ایسا اس لئے ہوا کہ اگرچہ بارک شروع ہی سے اپنی زمینیں نواب کی اجازت کے بغیر ہی بیع اور رہن کر سکتے تھے - لیکن ان کی ملکیت یہ رنگ اختیار کرچکی تھی کہ وہ نواب کو مالیہ اور کچھ اور مواجبات اور فوجی وود بھی دیا کرتے تھے + امید ہے کہ آئندہ بندوبست میں تعلقداری کے اس بے وقت رقم کا بھی خاتمہ کردیا جائیگا۔

بندوبستیں

راورٹی اپنی کتاب "سیلیکشنز" ص ۱۴۸ میں لکھتا ہے "خوشحال خان I کے وقت تک خٹکوں کے وطن کے حدود اچھی طرح نہ تھے متعین - یعنی ہر قبیلے کی ہر شاخ کی زمینیں نہ تھیں مقرر + اس لئے تمام زمینوں کی مساحت کی، حدود مقرر کئے اور ایک کتاب میں درج کئے - اور ہر آدمی کے خاندان کے منفصسوں کی تعداد کے مطابق اتنی ہی زمین کاشت کے لئے ان کے نام کر دی + اس بندوبست پر ابھی تک عمل ہوتا ہے - اور جہاں تک مجھے علم ہے اس سے ابھی تک کوئی انحراف نہیں ہوا - اور پتھر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں جو مختلف حدود ظاہر کرنے کے لئے بنائی گئی تھیں ابھی تک موجود ہیں +

درانیوں اور سکھوں کے وقت میں خٹکوں کے علاقے میں

کسی قسم کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔ انگریزوں نے ضلع پشاور کے خٹکوں کے علاقے کا بندوبست تو ضلعے کے باقی علاقوں کے ساتھ ہی ۱۸۷۰ء میں کر لیا۔ لیکن ۱۸۸۴ء میں ضلع کوہاٹ کے بندوبست کے وقت خٹکوں کے علاقے کو مستثناء رکھا۔

جنگِ افغانستان ۱۸۷۸ء کے دوران خٹکوں کے خان خواجہ محمد خان نے ۱۵۰۰ خٹکوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ بیگار پر (بلا اُجرت) وادئ کرم کے سڑک کے بننے کے کام میں انگریزوں کو بطورِ بدرقہ اور مزدور مدد دیں اور اُن کے کئی اونٹ بھی بیگار میں پکڑے تھے

تقریباً دو سال تک مختلف قسم کی مصیبتیں جھیلنے اور کئی خٹکوں اور اونٹوں کے مرنے اور بیمار پڑنے کے بعد مارچ ۱۸۸۰ء میں بارکوں کی ایک بڑی تعداد جو تل میں متعین تھی اپنے گھروں کو واپس بھاگ آئی۔ اور بارک بہ استثنائے درلیش خیل اپنی ناسمجھی اور انگریزوں کے خفیہ پراپیگنڈے کی وجہ سے بجائے انگریزوں سے بگڑنے کے اپنے خان سے باغی ہو گئے۔ یعنی دیوار نے کیل کو تو دیکھا کہ اسے چھید رہا ہے لیکن اس ہتھوڑ کو نہ دیکھ سکا جو کیل کا سر کوٹ رہا تھا۔ اور علت اور معمول کو ایک ہی سمجھ کر جون اور جولائی ۱۸۸۰ء میں فوجداری اور دیوانی احکام ماننے سے انکاری رہے اور ٹیری توئی کے جنوبی حصے میں ضلع کے جو قیدی تھے انہیں زبردستی چھڑا لائے۔ اگست ۱۸۸۰ء میں انگریزوں نے بارکوں کے علاقے کے وسط میں اپنی فوجیں بھیج دیں۔ یہ جنگ بہت حد تک تو فوجی طاقت کے ذریعے اگست ۱۸۸۰ء میں ختم ہو گئی اور بارک مطیع ہو گئے لیکن لیٹوغر کے لوگوں نے مزید ایک سال تک مقابلہ جاری رکھا۔

خان کے بیگار سے نالاں لوگوں کے کانوں میں انگریزوں کے

کارندے یہ ڈالتے رہے کہ ان سب مصائب کا واحد علاج بندوبست
ہے۔ اید سادہ لوح بارک بہ استثنائے شاخ درپش خیل (سرکی) بندوبست
کا جوا اپنے گلے میں ڈالنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اکتوبر ۱۸۹۳ء میں
بندوبست کا اعلان ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں ٹکر نے بندوبست کی رپورٹ
پیش کی جس پر ۱۸۹۶ء میں منظوری کا حکم صادر ہوا۔

درپش خیلوں کا علاقہ ۱۸۸۷ء کے بندوبست سے اس لئے
بچا رہا کہ انہوں نے خٹکوں کے جنگ میں حصہ بھی نہیں لیا
تھا اور ان پر خان نے لگان بھی کم لگایا تھا جو وہ خوشی سے
ادا کرتے تھے۔ اس لئے خان ان سے اور وہ خان سے خوش تھے

موضع ٹیری وغیرہ کا بندوبست ۹۴-۱۸۹۳ء میں ہوا۔

ضلع کوہاٹ کا دوسرا بندوبست ۱۹۰۵ء میں ہوا تھا۔ اس
کے بعد آج تک کوئی بندوبست نہیں ہوا جس کی وجہ سے کاغذات
مال اس قدر گندے اور پیچیدہ ہوگئے ہیں کہ بوقت ضرورت آدمی
کو اپنے حقوق ڈھونڈنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ امید ہے کہ حکومت
جلد بندوبست کا بندوبست کریگی۔

فرنگیوں سے پہلے تپہ بارک میں ملک کا بندوبست پشتونوالے
طریقے پر کیا جاتا تھا جو مختصر اور انگریزوں کے طریقے سے بالکل
مختلف تھا۔ اس وقت خان "ملنگ" کے علاوہ کئی متفرق مواجبات
بھی لیا کرتا تھا جو خانی کے لواحقات سمجھے جاتے تھے اور جن میں
بعض مضحکہ خیز بھی تھے مثلاً تھل کے لوگوں سے خان کے گھوڑوں
کے لئے رسیاں بٹنے کے لئے بکریوں کے بالوں کی ایک مقررہ مقدار
لی جاتی تھی!

بندوبست کے وقت ایسے مواجبات میں سے ۱۳ کی تحقیقات کی
گئی جن میں سے ۱۰ بند اور ۳ یعنی نیرنی (مال چراگی کی اجرت) کلپاڑی
(لیوغز سے عیسیٰ خیل کی پھٹکری کے کارخانوں میں جلانے کے لئے

لکڑیاں کاٹنے کی اجرت) اور بوٹا (غیر زراعت پیشہ لوگوں سے اجرت) رہنے دئے گئے۔

بندوبست جدید کے بعد لوگوں کے عام اخراجات پر یہ ۳ بھی بند کر دئے گئے۔

نشے

خشک شراب نوشی، بھنگ نوشی اور افیون خوری نہیں کرتے۔ بعض حقہ پیتے ہیں اور ناک اور منہ کی نسوار استعمال کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں چلم کشی کی عادت بہت عام تھی لیکن ۱۸۸۳ء سے کچھ عرصہ پہلے قادریہ طریقہ کے ملاؤں نے زیر سرکردگی ملا صاحب شٹھی لغری اس بارے میں سخت کوشش کی۔ ضلع کوہاٹ میں خٹکوں کے گاؤں گاؤں پھرے، چلموں کو توڑا اور لوگوں کو وعظ فرمائے۔ نتیجتہً باقی خٹکوں میں تو یہ عادت بند ہوگئی لیکن خان کا خاندان نہ تو ملاؤں کی بات سنتا تھا اور نہ ملاؤں کا ان پر کچھ بس چلتا تھا اس لئے ان میں چلم نوشی بدستور چلتی رہی۔

[شرع میں تمباکو نوشی کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ تمباکو کی تجارت جائز ہے۔ اس کی حرمت میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن اکثریت کے ہاں مکروہ تحریمی ہے۔ صوفی اسے گناہ صغیرہ کہتے ہیں۔]

لیکن چلم نوشی کی عادت چلی جانے کے بعد بھی تمباکو کے استعمال کی عادت جاری رہی۔ اور اب بجائے حقے میں پینے کے اسے منہ میں ڈالنے کی لاگ بڑھ گئی۔ منہ کی نسوار کو خٹکوں کے لہجے میں کیپ یعنی نشہ کہتے ہیں۔ کیپ کی عادت آجکل بھی کافی ہے اور چلم نوشی کی عادت اب پھر بڑھ رہی ہے اگرچہ آج کل بھی کئی گاؤں میں چلم بمشکل ہی ملتی ہے

زمانۂ حال میں ناک کی نسوار بہت استعمال ہونے لگی ہے

جس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصے سے اس علاقے میں نام نہاد شیخ اور خلیفے حشرات الارض کی طرح بڑھ گئے ہیں جو اعلانیہ ناک کی نسوار کرتے ہیں اور نسوار اور ناک کے فضلے سے لتھڑے ہوئے ہاتھ اور رومال لئے پھرتے ہیں جن سے نفاست پسند طبائع کو ان سے اور ان کے طریقے سے گھن آتی ہے - حد یہ کہ یہ لوگ نہایت بے شرمی کے ساتھ ناک کی نسوار کے فائدے بھی بیان کرتے ہیں - اسے روشن دماغ کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نزلہ اور زکام کے لئے مفید ہے جیسے یہ شیب گرمی اور سردی میں نزلے اور زکام سے مرے جا رہے ہوں - یہ جہلا یہ نہیں جانتے کہ بدبودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور نسوار کے رسیوں کے پاس نہ نوجنات آتے ہیں اور نہ فرشتے - اسی لئے طریقت میں ان اشیاء کا استعمال ممنوع ہے - لیکن ان باتوں کو کھڑے ہو کر ڈھیلا استعمال کرنے والے کیا سمجھیں - اور جب علماء کہلانے والے خود ہی نسوار وغیرہ کی قسم کے عیوب میں گرفتار ہوں تو عوام کو کون سمجھائیگا ؟

شمار

محمد افضل خان خٹک نے تاریخ مرصع میں نزی اور بولانی بنوں کے ۸٫۷۵۰ گھروں کی تفصیل حسب ذیل دی ہے :-

نزی (جملہ ۸٫۶۰ ۵ گھر)

حسن خیل ۳۰۰، فتح خیل ۲۵۰، جیبنی ۴۰۰، اوریا خیل ۳۰۰، تخلو زئی ۱۵۰، ڈونگرزئی ۵۰، ایسوڈی اور نفری ۵۰۰، امندزی ۲۵۰، میری کی اولاد کلی زئی ۲۰۰۰، امن زی ۱۰۰۰، بیزنبر ۱۰۰، ڈنڑ ۵۰، خورم ۱۰۰، ادریس خیل ۱۰۰، رچڑ ۶۰، امبرو ۵۰، اسمٰعیل خیل ۲۰۰ +

بولاق (جملہ ۸۹۰، ۲ گھر)

محمونی ۱۸۰، ہوتی ۶۰، خواجہ جبل ۴۰، اخوخیل ۴۰، غوری زی ۳۰۰، دُر ملک ۲۰۰، مندی ۹۰، موشنک ۳۰۰، خورم ۲۰۰، ساغری ۱۰۰، سینی ۴۰۰، مخلکی ۲۰۰، ننددک ۱۰۰۔

مندرجہ بالا شمار کی رو سے اس وقت تیری میں ۱۷ ٹپے اور بولاق میں ۱۳ ٹپے شامل تھے۔

اگر عام حساب کی رو سے ایک گھر میں ۵ افراد گنے جائیں تو اس وقت خٹکوں کی کل تعداد (۵×۸۱۷۵=) ۴۰،۸۷۵ تھی۔

انگریزوں کے آنے کے وقت ۱۸۴۹ء میں خٹکوں کی آبادی کا اندازہ ۶۰،۰۰۰ نفر لگایا گیا تھا۔ ۱۸۶۸ء کی مردم شماری کے وقت ان کی تعداد ۷۲،۷۲۳ تھی۔ جن میں سے ۵۶،۲۶۰ ضلع کوہاٹ میں، ۴۰۰،۱۱ ضلع بنوں میں (جب کہ اس وقت میانوالی بھی ضلع بنوں میں شامل تھی) اور ۴،۷۳۵ ضلع پشاور میں تھے۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے صوبہ شمال مغربی سرحد میں خٹکوں کی تعداد ۲،۰۰،۰۰۰ تھی اور آج اس سے بھی بہت زیادہ ہے۔

آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ خورم ٹپہ تیری میں بھی ہیں اور ٹپہ بولاق میں بھی۔ ٹپہ تیری میں جو چینی لکھے گئے ہیں وہ تاریخ مرصع کے ایک نسخے میں چینی لکھے ہوئے ہیں۔ بعض انگریزوں نے اسے چینی پڑھا ہے۔ آج کل یہ لوگ اپنے آپ کو چینی (بروزن سینی) کہتے ہیں۔

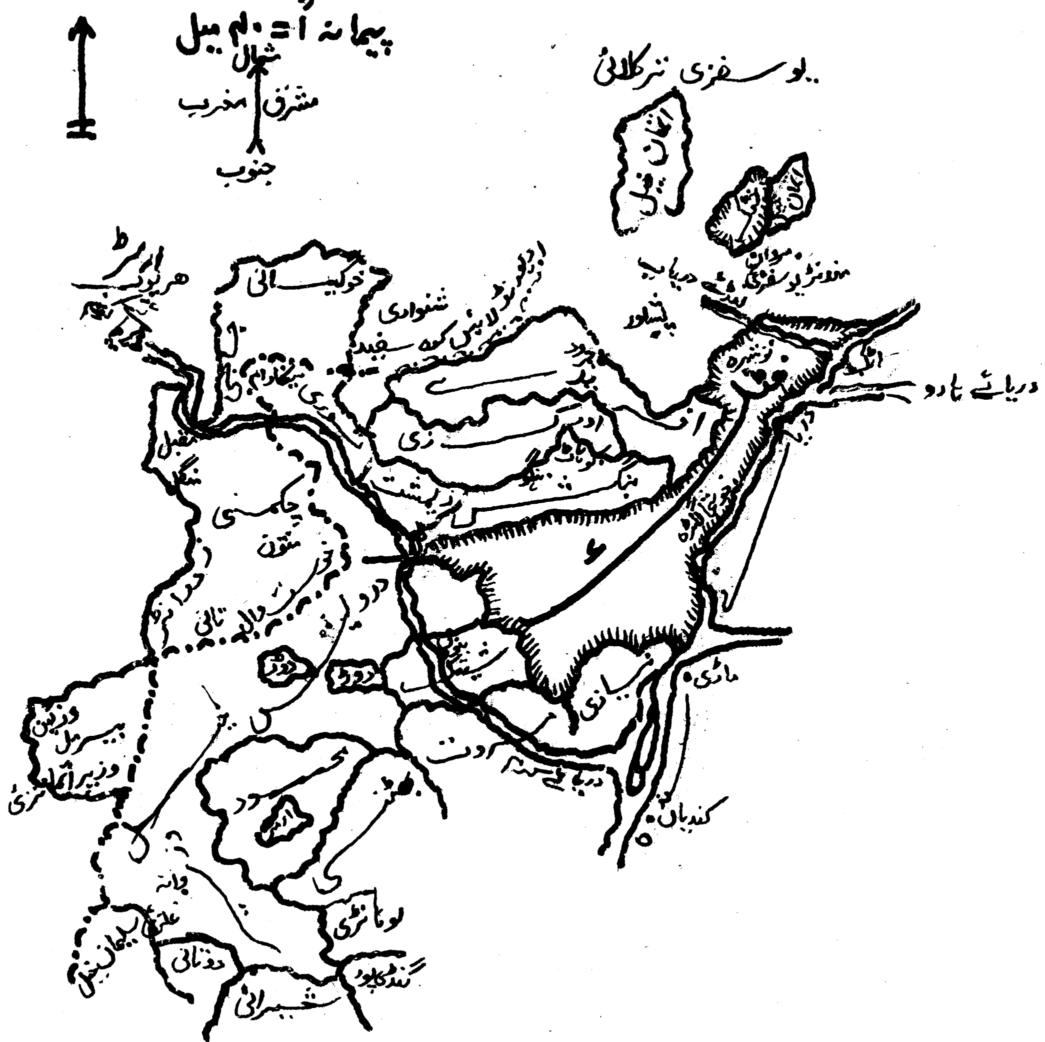
* * *

لنڈے دریاب



پشاور کے خشکوں کی زندگی میں لنڈے دریاب ایک اہم مقام رکھتا ہے کیونکہ ان کے کئی اہم اور تاریخی گاؤں اسی دریا کے کنارے واقع ہیں کابل سے آنے کی وجہ سے اسے دریائے کابل بھی کہتے ہیں۔ وادئ پشاور کے پاس پہنچ کر اس دریا کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں: اوپر کی شاخ کو سردریاب یا ادیزئی کہتے ہیں۔ یہ شاخ چھوٹی ہے۔ اس سے نیچے کی بڑی شاخ کو ناگمان کہتے ہیں کیونکہ آدمی کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ آجاتا ہے اور بہت سا نقصان کر لیتا ہے۔ ناگمان سے پھر ایک شاخ نکلتی ہے جسے شاہ عالم کہتے ہیں۔ یہ شاخ پھر ناگمان میں گر جاتی ہے۔ اور پھر ناگمان ادیزئی میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہاں سے بعد یہ دریاب لنڈے دریاب کہلاتا ہے۔ دریائے بڈنی جس کے کنارے پشاور کا پرانا شہر آباد تھا اب محض ایک نہر رہ گئی ہے جو شاہ عالم میں گرتی ہے۔ باڑہ بھی اسی دریا میں گرتا ہے۔

اس نقشے میں پشتونوں کی بڑی قسمت کرلانڑی کا موجودہ وطن دکھایا گیا ہے۔ اس میں خٹکوں کی صرف دو بڑی آبادیاں دکھائی گئی ہیں۔



اس میں وہ فرضی خط بھی دکھایا گیا ہے جسے ڈیورنڈ لائن کہتے ہیں اور جو انگریزوں اور حکومت افغانستان کے زیر اثر قبائلی علاقوں کو ممیز کرنے کے لئے فرض کیا گیا تھا لیکن کئی جگہ سے یہ خط غیر متعین ہے۔

ضلع پشاور
پیمانہ ۱" = ۲۰ میل
شمال
جنوب
مشرق
مغرب
تحصیل کوہاٹ
کوز میرانزئی
پر میرانزئی
ٹیری
ضلع میانوالی
ضلع بنوں
درہ
ٹل

حصۂ چہارم

(قبیلے، شاخیں اور وصلی)

تاریخِ خٹک

خٹک عقاب

نصرتی

نصرت خان

لندہ [خیل] + اسوڑی گگی

بدین (اسماعیلزئی)
سمبولہ سوری عثانی
(اسماعیل)
واصبد سلطان دوران جلال خان
(کنشیدخیل) (داورخیل) (جلی خیل)
شاری
دد خان نوجاش دلشکور اسمٰعیل منگی
پیرگل اشرف اللہ داد ملنگ ہاشم منبک
شنودو گلعلو بشر گوہر بھاؤ لوز اللہ لوز
(شنودخیل) (بشرخیل) (فقیرخیل) (اسمٰعیل خیل)

نصرتی اپنے مورثِ اعلیٰ نصرت خان کے نام پر نصرتی مشہور ہوئے ہیں۔

شل حقیقت موضع ٹھی نصرتی ۱۹۲۶-۲۷ کے بنتے وقت نصرتیوں نے بیان دیا تھا کہ نصرت خان بارک کے نکرداد کا حقیقی پوتا تھا۔ یہ بیان پشتونوال حساب سے بھی صحیح نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ موجودہ شجروں کی رو سے بارک کے نکرداد کا نام تری ہے۔ اور نصرت خان تری کے بھائی تترکی کا پوتا لکھا ہوا ہے۔ البتہ اگر بارک کے نکرداد سے اس کا ناسکہ نکرداد مطلب لیا جائے تو معاملہ صاف ہوجاتا ہے۔ لیکن اب دقت یہ رہ جاتی ہے کہ نصرت خان کے موجودہ شجرے میں دس پشتوں کی کمی ہے جیسا کہ آپ ابھی ملاحظہ فرمائینگے اور درحقیقت وہ تترکی کا پوتا نہیں ہے بلکہ بہت پیچھے کی پشت کی اولاد میں سے ہے۔ یعنی بکے حساب سے نصرت خان الیسو کا (جس کا نام بعض کتابوں مثلاً حیات افغانی میں ایسٹوری اور تاریخ خورشید جہان میں ایسنوٹی بھی لکھا ہوا ہے اور جس کا صحیح نام ظاہراً عیسیٰ تھا کیونکہ اس کے بھائی کا نام بھی ایک پیغمبر کے نام پر یوسف ہے) بیٹا نہ تھا بلکہ اس کے دوری پوتوں میں سے تھا۔ کیونکہ حیاتِ افغانی میں بعض قبیلوں

کے شجروں میں کل ۲۵ پشتیں درج ہیں + حیات افغانی سنہ ۱۸۶۵ء
میں اور شل خفیت موضع شمنی لفرنی سنہ ۸۷-۱۸۸۶ء میں لکھی گئی ہے
اب اگر ان دونوں کا زمانہ ایک مان لیں تو چاہئے کہ لفرنیوں
کے شجرے کی آخری پشت کا شمارہ بھی ۲۵ ہو۔ لیکن اگر ہم اس
۲۵ سے اوپر گنیں تو لفرت خان کا شمارہ (۲۵-۹=) ۱۷ آتا ہے۔
اور چونکہ وہاں تترکی کے بیٹے الیسو کا شمارہ ۶ ہے اس لئے ثابت
ہوا کہ الیسو اور لفرت خان کے درمیان (۱۷-۶=) ۱۰ پشتیں گم یعنی
۷ تا ۱۶ گم ہیں۔ اور اگر ہمارے پہلے قائم کردہ شماروں کے مطابق
گنیں تو پشت ۲۸ تا ۳۷ گم ہیں۔ اور ان کا شجرہ یوں ہوا۔

تترکی ع۵ ۲۶
ع۶ الیسو (عیسیٰ) یوسف ع۲۷
ع۷ تا ۱۶ دس پشت گم ہیں ۲۸ تا ۳۷
ع۱۷ لفرت خان وغیرہ ۳۸

پرانی قلمی کتابوں میں لفرت خان کے باپ کا نام تاریخ مرصع
وغیرہ میں الیسو لکھا ہوا ہے + ایشوری اور ایشوڑی لجد کی کتابوں
کی غلطیاں ہیں +

لفرت خان کے دو بھائی اور بھی تھے جن میں سے ایک کا نام
ہمند اور دوسرے کا تترکئے تھا۔ ان کی اولاد علی الترتیب ہمندی
اور تترکی کہلاتی ہے + حیات افغانی وغیرہ میں جو لفرنی کے باقی
بھائیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں وہ یا تو لفرت خان کی اولاد
کے بگڑے ہوئے نام ہیں یا لکھنے والوں کی لاعلمی کی دلیل ہیں۔
آجکل لفرنی خشکوں سے تھل اور شین غر کے دامن میں، تترکی
دہ (ڈیری) میں اور ہمندی خوڑہ اور زیڑہ میں آباد ہیں۔
بہت عرصے یعنی آج سے بارہ پشت یا تقریباً ۳۶۰ سال پہلے

کی بات ہے کہ ان تینوں بھائیوں کی اولاد جو بڑے بھائی کے نام پر مجموعی طور پر لفرنی کہلاتے تھے۔ ڈیلی بیلہ سے مشرق کی طرف منہان الگدّہ کے کنارے قابض تھے اور بارک I کے دادا میری کی اولاد ان کے پاس ہی بُرہ خُونترہ میں ڈم کلی میں رہتے تھے۔ شل خفیف میں بیان دیتے وقت لفرنیوں نے بارک I کا ذکر کیا ہے لیکن وہ بہت بعد کے زمانے کا آدمی ہے۔ تاریخ مرصع میں لفرنیوں کے ساتھ میری خیلوں کا ذکر آیا ہے۔ میری بارک I کا دادا تھا۔ پشتوں کے لحاظ سے بھی بارک I کا زمانہ لفرن خان سے بہت بعد کا ہے۔ اگر لفرنیوں کے دس گمشدہ پشتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو میری اور لفرن خان دونوں کا شمارہ ۲۸ آتا ہے۔

ایک مرتبہ لفرنیوں کی (جو تعداد میں کم تھے) کسی بات پر بارکوں سے (جو تعداد میں زیادہ تھے) لڑائی ہو پڑی۔ لفرنی اپنی کم تعداد کی وجہ سے مغلوب ہوئے۔ اور اپنا ٹھکانہ چھوڑ کر بیوغر کی طرف بڑھے اور رقبہ موسومہ بہ مہند والہ (مہند والہ، احمد والہ) میں جو اب سراج خیل میں ہے اتر پڑے اور کچھ عرصے تک وہاں قابض رہے۔

ازاں بعد لفرنی اور ننرکی وہاں سے چل کر آزنی کلہ میں (جو اب لنڈ کمر کے رقبے میں ہے اور اس وقت قوم مروّت کے قبضے میں اور ایک ویران جنگل تھا) جا بسے۔ مہمندی اپنی جگہ پر رہے۔ ۱۸۹۶-۸۷ء میں موضع احمد والہ خاص میں (جس کا اصلی نام مہند والہ ہے اور جسے پرانے بندوبست کے وقت لفرنیوں نے مہند والہ یاد کیا ہے) اوشنو کی شاخ حیدر خان خیل اور دلیس سر کے میں لنڈ آباد تھے اور انہوں نے بندوبست قدیم کے وقت یہ بیان دیا تھا: "لنڈوں اور اوشدوں مالکوں نے بیان کیا کہ اس گاؤں میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام احمندی [مہمندی] تھا۔

اس وقت لنڈوں اور اوزدوں کی آپس میں دشمنی یا لڑائی نہ تھی۔ دونوں اکٹھے یا ایک دوسرے کے نزدیک بستے تھے۔ ان دنوں جبدر خا تحصیل کی آبادی بنو غنڈی میں اور لنڈوں کی آبادی کندو چشمہ کے مقام پر تھی۔ اور دونوں جنوب یعنی تحصیل کی طرف ترقی کر رہے تھے۔

احمدی [مہمندی] تعداد میں کم اور کمزور تھے۔ اوزدوں اور لنڈوں کے معتبر وقتاً فوقتاً ان کے مہمان بنتے رہتے تھے۔ مہمان نوازی میں مہمندیوں کا بہت زیادہ زیان اور نقصان ہوتا تھا اور ان کے ساتھ دیگر زور اور زیادتی بھی کی جاتی تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ باہمی صلاح کر کے اوزدوں اور لنڈوں کے بزرگوں کو دعوت پر بلایا اور سب کو قتل کر ڈالا۔ اور بدلے کے خوف سے سب کوچ کر کے خوڑہ، زیرہ اور پشبالہ کی طرف چلے گئے اور آج دن تک تحصیل کوہاٹ کے ان علاقوں میں آباد ہیں۔ اس بات کو سات پشت گزرے ہیں۔"

اگر عام حساب کی رو سے ایک پشت کے ۳۰ سال لئے جائیں تو یہ واقعہ ۱۸۸۶ء سنہ ۸۷ سے (۷×۳۰ =) ۲۱۰ سال پہلے یعنی تقریباً (۱۸۸۷ء - ۲۱۰ =) ۱۶۷۷ء سنہ میں پیش آیا ہوگا۔ اور یہ تاریخ صحیح نظر آتی ہے کیونکہ نصرت خان بندوبست قدیم سے ۹ پشت یعنی (۹×۳۰ =) ۲۷۰ سال پہلے گزرا ہے اور اس کا زمانہ (۱۸۸۷ء - ۲۷۰ =) ۱۶۱۷ء سنہ کے لگ بھگ ہوگا۔

مثل حقیت موضع احمد والہ کے بیان میں قوم (مہمندی) اور گاؤں (مہمند والہ) کے نام اس لئے غلط درج ہیں کہ یہ بیان اصلی مالکان کے زبانی نہیں ہے۔ اور نئے قابضوں کے منہ سے ۲۱۰ سال کے بعد ایسی غلطیوں کا ارتکاب بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ کئی امثلہ حقیت میں اوزدوں نے اپنے مورث اعلیٰ کا نام اوزد

کی بجائے اوبد لکھوایا ہے!

اس بیان میں دوسری تاریخی غلطی یہ ہے کہ مہمندیوں کے چلے جانے کے بعد اوزرد اور لنڈ نہیں بلکہ لفرتی مہمندوالہ پر دوبارہ قابض ہوگئے تھے۔ اوزرد اور لنڈ یہاں اس وقت آ پائے جب لفرتی اسے چھوڑ کر موضع ٹھی لفرتی کی طرف بڑھے اور شوہ تک علاقہ قبضہ کرلیا۔

مہمندیوں کی زیادہ تر آبادی آج کل خوڑہ میں ہے اور ان کا شجرہ شل حقیت خوڑہ میں ملیگا۔ بعض مہمندی واقعہ مندرجہ بالا سے پہلے ہی خوڑہ کی طرف چلے گئے تھے اور ان کے مہمندوالہ میں رہنے سے یہ ان کے رشتہ دار بھی ان کے پیچھے چلے گئے۔ مہمندیوں میں سے کچھ ملک اکوڑے کے وقت بھی خوڑہ میں آباد تھے کیونکہ اکو کے بڑے بیٹے یحییٰ خان کی ایک بیوی مہمندی تھی [ملاحظہ ہو تاریخ مرصع ۶] موضع ڈنگر زئی میں بھی ایک کندی کا نام مہمندی ہے لیکن بندوبست قدیم کے وقت اس کندی کے مالکوں نے بیان دیا تھا کہ ہمیں اس کندی کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم۔

مہمندیوں کے چلے جانے کے بعد بھی بارک لفرتیوں اور ترکیوں کو ستاتے رہے۔ اسلئے کچھ عرصے کے بعد ترکی بھی ازنی کلی سے نکل پڑے اور گرگری کلی جاکر قابض ہوئے اور آج تک وہاں آباد ہیں۔

شل حقیت موضع ٹھی لفرتی میں لفرتیوں کا ترکیوں کی بابت یہ بیان "ترکی کی اولاد دلن، گرگری اور گنڈیری وغیرہ گاؤں کی طرف چلے گئے" صحیح نہیں ہے۔ یوں کہنا قرین صواب ہوتا کہ "ترکی کی اولاد گرگری گاؤں کی طرف گئے اور بہت عرصے کے بعد (۱۸۲۴ء میں) ترکی کی اولاد میں سے بعض لوگ دلن کی طرف گئے اور وہ گاؤں آباد کیا" کیونکہ شل حقیت موضع دلن مرتبہ ۹۴-۱۸۹۳ء میں لکھا ہوا ہے: ستر سال ہوئے ہونگے کہ [۱۸۹۴ء - ۷۰ = ۱۸۲۴ء میں] ابراہیم خیل کی اولاد آپس کی دشمنی کی وجہ سے گرگری سے [دلن کو] آگئے

اور وہ رقبہ جو وزیروں اور بنگشوں کے حد پر غیر آباد جنگل پڑا ہوا تھا اور جس سے کوئی بھی تعلق نہ رکھتا تھا حاکمِ وقت کی اجازت سے آباد کیا اور اس پر قابض ہوگئے۔ دو چار سال کے بعد علی خیل اور کدی خیل کی اولاد کے جن لوگوں نے گرگری چھوڑی تھی اور یہاں آئے تھے انہوں نے اپنی ضرورت کے مطابق غیر آباد رقبہ آباد کیا اور اس پر قابض ہوگئے .... کچھ مدت کے بعد علی خیل کی اولاد اور کربو تنے والے اپنی زمینیں چھوڑ کر اپنے اپنے گاؤں کو چلے گئے صرف ابراہیم خیل اور کدی خیل کی اولاد بدستور قابض رہے۔"

لفرتیوں کے متذکرہ بالا بیان میں گنڈبری کلی کا ذکر بھی بیجا ہے کیونکہ اس گاؤں کے رہنے اور بسانے والے بولاق تھے اور اگر ننکی کی اولاد میں سے کچھ لوگ اب وہاں پائے جاتے ہیں وہ یہاں گرگری سے اور بندوبست قدیم کے بعد آگئے ہونگے۔ کیونکہ بندوبست ۱۸۹۲ء کے وقت اس گاؤں کے مالکوں نے یہ بیان دیا تھا: "ہمارے جدِ اعلیٰ سرکی کا سلسلۂ نسب بولاق خٹک سے ہے۔ عرصہ چھ سات پشت کا گزرا ہے کہ سرکی کی اولاد میں سے ہمارے مورث (شیر ولد ہمزاد اور.....) علاقہ بارک سے اس طرف آئے تھے .... ان رب مذکورہ وارثان نے حاکمِ وقت کی اجازت سے بنجر غیر آباد سے اس گاؤں کا رقبہ آباد کیا اور اپنے اپنے وسع تک اس پر قبضہ کیا۔"

مہندیوں اور ترکیوں کے چلے جانے کے بعد لفرتی بھی ازنی کلی سے چلے گئے اور اپنے پرانے رقبے مہندوالہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اس وقت موضع ٹٹھی کا رقبہ مروت قوم کا اور تھل ایک ویران جنگل تھا۔ لفرتیوں نے آہستہ آہستہ بہ زورِ شمشیر مروتوں سے قبضہ کیا۔ حیات افغانی (ص ۴۹۱) میں لکھا ہے کہ نواز خان ولد بہگو خان قوم مروت [جو ۱۲۳۶ ھ کے حدود میں زندہ تھا] کرک کے مقام پر شہباز خان اکوڑ خیل سے جنگ کی۔ لیکن مروت بہت نقصان پاکر منہزم ہوئے۔ [نواز کا بیٹا عبدالصمد یا ابو سمند ۲۲ جولائی ۱۸۶۸ء کو مرا تھا]

اس لڑائی کے بعد گلمرنگ خان ولد سلیم خان میاں داد خیل نے (جو اپنے رشتہ دار سالار کی جگہ ملک بنا تھا) لشکر جمع کر کے نتمر کے اتڑ دوں کو ہرایا اور نتمر کا گاؤں جلا ڈالا۔

نتھی لفرتی سے تقریباً ۱½ میل جنوب کو شین غر کے دامن میں اور دو الگڈوں کے بیچ میں زرکی کلہ پڑا ہوا ہے۔ بہ استثنائے البسوڑی اور چند کاریگروں کے گاؤں کی تمام آبادی قوم گندہ خیل پر مشتمل ہے۔ پشتو کے وقتوں میں یہ گاؤں اپنے محل وقوع کی وجہ سے بہت محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ نھل میں گندہ خیلوں کے جتنے باندہ جات ہیں ان سب کے مالکان اپنے صدر مقام زرکئی

سے نکل کر اپنی ملکیتوں پر آباد ہوئے ہیں۔ زرکئی میں اور اس کے آس پاس گندہ خیلوں اور لنڈوں کی کئی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ایک لڑائی میں عبرتناک شکست پانے کے بعد لنڈوں نے پھر ادھر کا رخ نہیں کیا۔ زرکئی کلی کے مشرق کی طرف جو شین غر ہے وہ صرف گندہ خیلوں کی ملکیت ہے۔ اگر کوئی اور لفرتی وہاں سے لکڑی وغیرہ کاٹ کر لائے تو زرکی کلی والے اس سے تاوان وصول کرتے ہیں۔

گندہ خیلوں کے مورث اعلیٰ گندہ کے بعد اس کا پڑپوتا ننددد مشہور ہستی گزری ہے۔ اس کا دور آج تک ننددد خانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مصنف کے بزرگوں میں سے تاج بیگ پشتو کے وقت میں زرکی سے بغدن آیا تھا۔ اس کی موضع نتھی لفرتی میں ۵۰۰ کنال زمین تھی۔

زرکی والے مہمان نوازیوں اور فضولخرچیوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو زمین کے بڑے بڑے حصے بخشش دینے کی وجہ سے غریب ہو چکے تھے۔ اپنی زمینیں بیچنے اور ان کے گوانڈی لنڈ (جو محنت کش اور دنیوی کے شوقین ہیں) خریدتے رہے۔ اب بھی اگر سماجیت کی طرف سے گندہ خیل کمزور ہیں لیکن باہمی اتفاق کی وجہ سے کوئی ان سے ٹکر لینے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

زرکی کے شمال مغرب کی طرف بارانی پانی کا ایک بڑا تالاب ہے جس سے تھل کے لوگ دس دس میل کے فاصلے سے آ کر پانی بھر کر لیجاتے تھے۔ ٹیری کی ایسسمینٹ رپورٹ سنہ ۱۹۰۴ء ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سراج جبل کے قریب ایک چشمے سے بذریعہ نلکوں کے ٹھی لصرنی اور شنوہ گڈیخیل پینے کیلئے پانی کی ایک تجویز تھی۔ یہ تجویز اس وقت خرچ کے بہانے چھوڑ دی گئی تھی۔ لیکن مسلم لیگ کی حکومت کے زمانے میں اس پر عمل کیا گیا۔ اور تھل والوں کے پینے کے پانی کی تکلیف نہایت معمولی حد تک رفع ہوگئی ہے۔ امید ہے کہ حکومت اس چشمے سے ایک اور نل کے ذریعے مزید پانی لاکر اس تکلیف کو اور بھی کم کردیگی +

ٹھی لصرنی کے گنده خیلی طرف کے جنوب میں ایک بڑا قبرستان ہے جو مروتوں کا قبرستان کہلاتا ہے۔ اس کے آس پاس اب تو اور مردے بھی دفن کئے جاتے ہیں لیکن اصل قبرستان اس زمانے کی یادگار ہے جب مروتوں نے خٹکوں پر تاخت کیا تھا اور یہ کئی سو مردے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس کے بعد ایک پیر نے جس کا نام نور پیر تھا لصرنیوں اور مروتوں کے درمیان صلح کی۔ اور تنگہ نے الگڈہ کے کنارے لکہ اوڑہ پہاڑی کے عزلی اختتام پر نشان لگا کر وہاں سے جنوب کا حصہ مروتوں کو دے دیا۔ لوگوں نے اس مقام پر پتھر پھینک پھینک کر ایک ٹلہ (یادگار، monument) بنایا جیسا کہ یہودی بنایا کرتے تھے جو نور پیر ٹلہ کہلاتا تھا لیکن کثرت استعمال سے اب نور پٹلہ کہلاتا ہے۔ یہ ٹلہ ایک بیر کے درخت کے نیچے ٹھی لصرنی سے لنڈیری کلی جانے والے رستہ کے مشرقی طرف واقعہ تھا۔ راقم الحروف نے اسے سالم حالت میں دیکھا تھا جب کہ اس کی اونچائی ایک گز کے قریب تھی۔ اب چند سال سے اس رستے پر جیپوں کے چلنے سے اس ٹلے کے

مغربی کنارے کو قدرے نقصان پہنچا ہے۔ بعد میں مروتوں کی بد عہدی اور معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں اس مقام سے تقریباً ۲۰ میل جنوب کی طرف ہٹنا پڑا۔

تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ لوحانڑیوں [جو مروتوں کی بڑی شاخ کا نام ہے]، عیسیٰ خیلوں، سارنگوں، موسیانوں اور مرخیبول نے نصرتیوں کے ساتھ کئی مرتبہ سخت لڑائیاں لڑی تھیں۔ لوحانی دو دفعہ خوترہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ایک دفعہ لوحانڑیوں نے خلیفہ ماشی جیل کو قتل کیا۔ پھر میرا خیل [میری خیل] اور نصرتیوں نے سارنگوں، موسیانگوں اور موسیانوں پر غلبہ پایا اور انہیں لکی [جسے اب لکی مینا خیل کہتے ہیں] سے جلا وطن کیا جو وہ خوشاب چلے گئے۔

چونکہ مروت بنوں سے علاقے یعنی تحصیل لکی کو آج سے تقریباً ۴۵۰ سال پہلے آگئے تھے اور تاریخ مرصع میں ۱۳۷۶ھ تک کے واقعات درج ہیں اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لڑائیاں [۱۳۸۵ھ - ۴۵۰ = ۹۳۵ء] سنہ ۹۳۵ء اور سنہ ۱۱۴۶ء کے درمیان لڑی گئی تھیں۔

بعد ازاں خٹک مروتوں کو مانتے مانتے ان کو ان کے موجودہ حد عباسہ تک پیچھے دھکیل گئے۔

موضع ٹھی نصرتی کی ۷،۸۸۷ کی آبادی میں ۳،۶۶۶ مرد اور ۴۲۲۱ عورتیں ہیں۔ یہاں کل ۲۰۵۳ گھر ہیں جن میں ۲۲۳۰ خاندان بستے ہیں۔

بندوبست قدیم کے وقت مالیے کے نقطۂ نظر سے ٹھی نصرتی کا جو موضع مقرر کیا ہے اس کا رقبہ غیر اقتصادی حد تک وسیع اور چار ٹکڑوں میں بانٹا گیا ہے۔ اس جملہ رقبے میں صرف ایک پٹوار خانہ ہے جس میں دو پٹواری کام کرتے ہیں لیکن اپنے کام سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر ایک ٹکڑا اتنا بڑا ہے کہ اس کے لئے ایک علیحدہ پٹوار خانہ چاہئے۔ امید ہے کہ بہتر کارکردگی

کے پیش نظر حکومت آنے والے بندوبست میں یہاں چار پٹوارخانے اور کم از کم چار پٹواری مقرر کریگی ۔

موضع ٹھٹھی لفرنی میں صرف ایک مردانہ نائی سکول اور ایک ہی پولیس کی چوکی ہے ۔ تھانہ کرک میں ہے جو یہاں سے پندرہ میل دور ہے ۔ بیچ کی سڑک بیکار جیسی ہے جو زیادہ بارش ہوجانے پر لبوغر الگڈہ اور ترخہ الگڈہ کی طغیانی کی وجہ سے بند ہوجاتی ہے نیز ذرائع آمد و رفت بھی ناکافی اور تکلیف دہ ہیں اور چونکہ غربت اور بے تعلیمی کی وجہ سے موضع ٹھٹھی لفرنی میں واردات زیادہ ہوتے ہیں اس لئے امید ہے کہ حکومت یہاں مزید تعلیمی سہولیتیں بھی مہیا کریگی اور چوکی کو بھی تھانے میں تبدیل کریگی ۔

ٹھٹھی لفرنی کو نہ تو کوہاٹ بنوں سڑک سے سیدھا رستہ آتا ہے نہ کوہاٹ سے اور نہ بنوں سے ۔ بنوں کوہاٹ سڑک انگریزوں نے محض فوجی نقطۂ نگاہ سے بنائی تھی ۔ اس سڑک سے جو شاخ براستہ سورڈاگ ٹھٹھی لفرنی کو جاتی ہے وہ بجائے اس کے کہ کوشی الگڈے کے مغربی کنارے سے جنوب کو چلی جائے آگے مشرق کو گرگوزی کو نکل جاتی ہے ۔

کوشی کے کنارے سے (جو سورڈاگ سے تین میل دور ہے) تھل کی طرف ایک سڑک بنانے کی تجویز عرصے سے موجود ہے لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس تجویز کو سال ہا سال سے عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا ۔ امید ہے کہ حکومت اس طرف عنقریب توجہ مبذول فرمائیگی ۔

ٹھٹھی لفرنی سے ایک رستہ کرک کو تمکی پہاڑی پر سے ہوکر جاتا ہے ۔ اس پر لدے ہوئے اونٹ بھی آتے جاتے رہتے ہیں ۔ ایک جگہ پر جہاں سے پہاڑی پر اترنے اور چڑھنے ہیں یہ رستہ قابل مرمت ہے ۔ اس کے بننے سے ۱۵ میل کا رستہ ۹ میل

رہ جائیگا۔

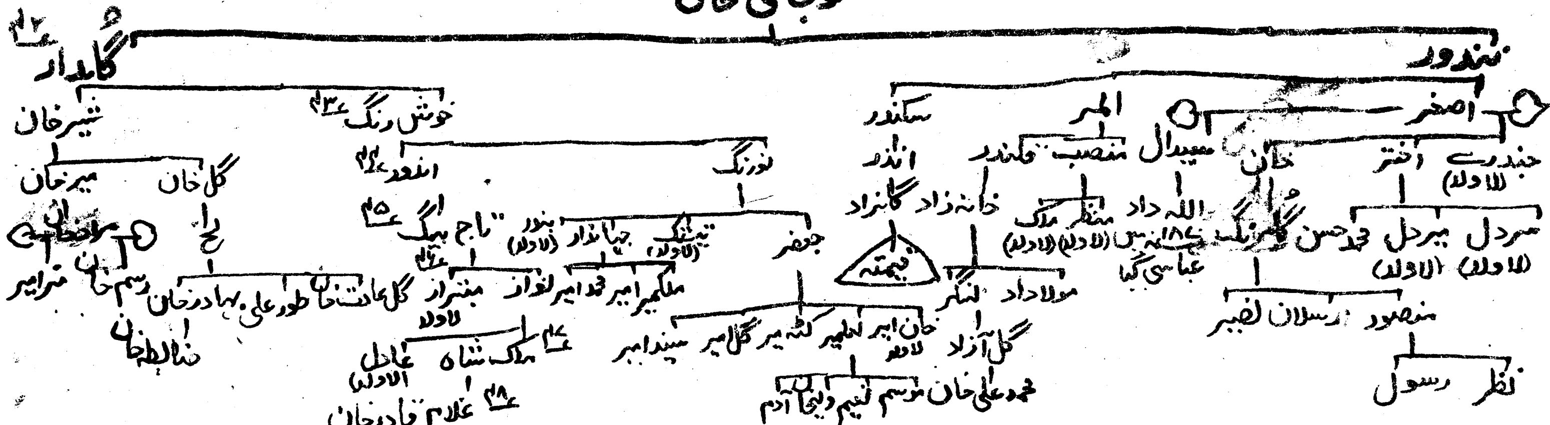
ٹھی لقرئی کی تجارت وغیرہ زیادہ تر بنوں کے ساتھ ہے۔ اگر یہاں سے براستہ منڈوہ بزن خیل تک موجودہ رستے کو پختہ بنایا جاوے تو موجودہ مسافت آدھی رہ جائیگی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ سڑک بہتر رہیگی کیونکہ نہ تو اسمیں پہاڑوں پر ۱۲ میل تک اترنا اور چڑھنا پڑیگا نہ خطرناک اگڈوں سے سابقہ پڑیگا۔

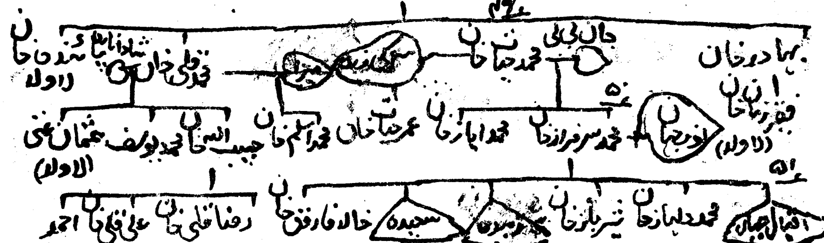
۱۹۰۴؁ سے کچھ عرصہ پہلے انگریزوں نے کوہاٹ سے براستہ تری تونترہ اور کرک بنوں تک ریل گاڑی کی سڑک بنانے کی تجویز کی تھی۔ [شروع میں کوہاٹ سے بنوں تک کی آمد و رفت اسی تری اور کرک کے رستے ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۰؁ میں بہادر خیل کی نمک کے کانوں پر قابو پانے کے لئے یہ موجودہ سڑک بہادر خیل اور شور ڈاگ کے رستے بنائی گئی۔] ریل کے رستے کے لئے مساحت کا کام شروع بھی ہو چکا تھا لیکن پھر خرچ کے بہانے یہ کام ترک کر دیا گیا۔ لیکن اب تو بفضل خدا حکومت بھی اپنی ہے، خزانے بھی معمور ہیں اور ہر علاقے میں ترقی کی تجویزوں پر عمل ہو رہا ہے۔ اچھا ہوگا اگر حکومت اس اہم، قابلِ عمل اور مفید تجویز کو بھی عملی جامہ پہنائے۔ یہ ایک ایسا ہی کارنامہ ہوگا جیسے ۱۸۸۲؁ میں کرم گڑھی کی تجویز تو ہوئی تھی لیکن انگریزوں نے تشنۂ تکمیل چھوڑ دی تھی۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو یہ تجویز بھی مکمل کر لی گئی۔

ٹھی لقرئی کا سرکہ مشہور ہے۔ یہ سرکہ مویز یا کشمش سے بنایا جاتا ہے۔ ٹھی لقرئی کے شمال مشرق کو سراج خیلوں کے علاقے میں انگور کا ایک بڑا باغ تھا لیکن ان انگوروں سے سرکہ کبھی نہیں بنایا گیا۔ یہ باغ اب بلوغر اگڈے نے برد کر لیا ہے۔

* * *

منڈ خیل (گمندہ خیل - لقرنی) کا شجرہ :-





حیات افغانی وغیرہ میں خٹکوں کے شجروں میں غلطیاں ثابت کرنے کے لئے صرف یہ ایک شجرہ بطور نمونہ دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض خاندانوں کی مکمل پشتیں نہیں لکھی گئیں۔ اس میں مصنف کا شمارہ ۵ ہے۔

ایسوڑی

مثل حقیت ۷-۱۸۷۰ء موضع ایسوڑی تپہ خٹک چک کنارہ دریا نمبر پرگنہ ۵۸ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ موضع ایسوڑ خان نے بسایا تھا جو موضع ٹیری تحصیل و ضلع کوہاٹ سے اٹھکر یہاں آیا تھا۔

بعد میں مظفر بباعث نہ ملنے ترکہ پدری موضع ڈنگرزی سے، محمد گل خٹک بباعث ناداری موضع منی تحصیل نوشہرہ سے اور بیک محمد خٹک بوجہ سفیہ الحالی موضع ٹیری ضلع کوہاٹ سے اور کچھ اور خٹک کسی اور جانب سے آئے اور یہاں آباد ہو گئے - مظفر خان بیسی خیل اور بیک محمد مندوقی تھا۔ دونوں کو کل رقبہ دیہہ سے ۱/۴ حصہ دیا گیا۔

وہ خٹک جو کسی نامعلوم سمت سے یہاں آئے پہلے اور پیشہ (اغلباً حجامی) سے گذارہ کرتے تھے - لیکن بندوبست سے عرصہ تین پشت پہلے ان میں سے بہادر شاہ اور اورنگ شاہ بذریعہ سبرے [بخشیش] بلحاظ قبضہ دیرینہ زمین مقبوضہ کے مالک قرار پائے۔

عہد سکھاں میں یہ گاؤں تین دفعہ بوجہ سختی حاکم اور ایک دفعہ انکے عہد میں اور ایک مرتبہ انگریزوں کے وقت بوجہ دریا برد ہونے کے ویران ہوتا رہا۔

دریا بردگی کے بعد پہلی مرتبہ مالکان نے آبادی سابق کی جگہ اور دوسری مرتبہ اس جگہ جہاں اب گاؤں آباد ہے یہ گاؤں آباد کیا۔ اور نہ آبادی سابقہ کو متروکہ زمین بنا ڈالی۔ ایک بانڈہ معروف بہ ایسوڑی دیہہ میں واقعہ ہے جس میں حصہ دار آباد ہیں۔

آجکل ایسوڑی دو جگہ آباد ہیں - ایک گاؤں جو ایسوڑی پائیں کہلاتا ہے بہت بڑا اور میدان میں سرائے اکوڑہ سے براستہ سڑک تقریباً ۵ میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف پڑا ہے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں جو اس گاؤں سے تقریباً ایک میل شمال مغرب کو پہاڑی

پر واقعہ ہے غالباً لرد کی تعمیر ہے جہاں خوشحال خان خٹک I بھی محو خواب استراحت ہے ۔ یہ گاؤں خان کے یہاں دفن ہونے کے بعد بنا ہے ۔

تاریخ مرصع میں گھروں کے شمار میں لفرنیوں اور الیسوڑیوں کے اکٹھے ۵۰۰ گھر لکھے گئے ہیں ۔ ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی ہو کیونکہ ان دونوں کا کسی وقت اکٹھا رہنا ثابت نہیں ہے ۔ لیکن گمان اغلب یہ ہے کہ یا تو الیسو کے بھائی یوسف کی اولاد یا یوسف خیل کی بجائے الیسوڑ لکھا گیا ہے ۔ یا یوسف اور اس کے بھائی اکبر کی اولاد الیسوڑی کہلاتی تھی ۔ ضلع پشاور کے الیسوڑیوں کا شجرہ نسب یہ ہے :-

الیسوڑ خان

سلیم	حلیم	جلال
ابراہیم	حکیم	حسن
شفیق	عمر خان	بہادر خان

اسناد جات حقیت موضع شیخی لفرنی مرتبہ ۱۸۹۶ء سنہ اور موضع الیسوڑی مرتبہ ۱۸۶۷ء سنہ میں لفرنی خان سے لیکر بندوبست تک بھی ۹ پشتیں درج ہیں اور الیسوڑ خان سے بھی ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہمعصر تھے ۔ لیکن ان کا اکٹھا رہنا یا آپس کا رشتہ معلوم نہ ہو سکا ۔ لیکن ایک امر یقینی ہے کہ وہ آپس میں باپ بیٹا نہ تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو محمد افضل خان انہیں دو ناموں سے یاد نہ کرتا ۔

موضع زرکی میں صرف ایک گھر الیسوڑیوں کا آباد ہے ۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام قطب شاہ ہے جو علاقہ نوشہرہ ... اس کا بیٹا ... زرکی آیا قطب شاہ کا بیٹا اجمل اور پوتا گلاب (پیدائش ۱۸۵۶ء سنہ وفات ۱۹۲۹ء سنہ) زرکی والوں کے کمانگر تھے ۔ میں نے ضلع پشاور کے موضع الیسوڑی کے شجرہ نسب اور اجر حاضران میں نہ تو قطب شاہ کا نام پایا اور نہ اجمل کا ۔ بہرحال یہ گھرانہ جواب سرکاری ملازمتوں میں ترقی کر رہا ہے گندہ چیلوں کے گنبد میں وصلی طور پر شامل ہے ۔ ان کے رشتے داروں کے شجرے میں شاید قطب شاہ یا اجمل کے نام مل جائیں ۔

بوگار

مزای — ترکائی

میراں — رضا بیگ — نگین — گل احمد ‏(اولادِ مزای)

عمر ‏(اولادِ ترکائی)

بہائی خان — میریاز خان — نوزنگ — مشرف ‏(اولادِ عمر)

مثل حقیقت موضع ٹھی نصرتی سنہ ۸۴-۱۸۸۳ء میں نصرتیوں کے شجرے کے بعد بوگاروں کا شجرہ ان کے مورث اعلیٰ بوگار کے نام سے شروع ہوجاتا ہے۔ اور یہ پتہ چلانا ناممکن ہے کہ بوگار کس قبیلے یا کونسے خیل سے ہیں۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بوگار نصرت خان کا ایک نوکر تھا۔ وصلی طور سے بوگار گندہ خیلوں اور اس لئے نصرتیوں کے ساتھ ہیں اور بوگار کو نصرت خان نے اراضی دی تھی۔

مثل حقیقت متذکرہ بالا میں نصرتیوں کے بیان کے متعلقہ اقتباسات یہ ہیں: "ہمارے مورثان کے درمیان کسی حصے یا پیمانے پر تقسیم نہیں ہوئی۔ جس نے جتنی زمین بذریعہ آبادی قبضہ کی اس کا مالک بن گیا۔ اسی طرح ان کے بعد ہم نے بھی حتی الوسع یعنی بنجر ملک تھا جو جتنا لینا چاہتا تھا اپنے حتی الوسع قبضہ کرلیا۔ حصے اور پیمانے کی مقدار کے بغیر قبضے کے مطابق عمل درآمد ہے۔ صرف مالیہ ادا کرنے کے لئے اور ٹیری کے حاکم نواب صاحب کی طرف سے بیگار [بدرقہ، چیغہ وغیرہ] کے انتظام کیلئے ۷۰ لوگہ مقرر ہیں۔ اس لحاظ سے قوموں کے یہ تین طرف مشہور ہیں: گندہ خیل ۲۳ لوگہ، ککی خیل ۲۳ لوگہ اور بدین خیل ۲۴ لوگہ۔ اور ہر طرف میں تپی ہیں جن کا حال طرفوں کی کیفیت میں درج ہے۔"

اور نصرتیوں کے شجرے کے اختتام پر گندہ خیل کے طرف کی کیفیت یوں درج ہے: "یہ طرف مورث گندہ کے نام پر گندہ خیل مشہور ہے۔ اور طرفوں کے مقابلے میں ملکیت کے رقبے کی تقسیم

کے بغیر، سب گاؤں کی مالگذاری کے ۲۰ لوگہ پیمانہ سے ۲۳ لوگہ مال ادا کرنے کا مالک ہے۔ اور اس [طرف] میں مالگزاری کے ادا کرنے کی رو سے یہ تبے مقرر ہیں: دُرخا خیل ایک لوگہ، نذر خیل ایک لوگہ، بشر خیل دو لوگہ، بقر خیل آدھا لوگہ، اسمٰعیل خیل آدھا لوگہ، لُغان خیل آدھا لوگہ، بنگی خیل دو لوگہ، فتح خیل دو لوگہ، جلی خیل لو لوگہ، اور بوگار ساڑھے چار لوگہ+

اور تبی بوگارہ کی کیفیت میں لکھا ہے: "یہ تبی مورث بوگار کے نام پر بوگارہ مشہور ہے۔ اور کل طرف کے ۲۳ لوگہ سے ½۴ لوگہ کی حقیت ان کو حاصل ہے+"

پہلے وقتوں میں لوگہ کا مطلب وہ مالیہ ہوتا تھا جو ایک گھر پر لگایا جاتا تھا۔ لیکن انگریزوں کے دور میں عموماً ایک مورث اعلیٰ سے پیدا ہوئے ہوئے چند خاندان یا وہ لوگ جنہوں نے خرید وغیرہ کے ذریعے حقوق حاصل کئے تھے ایک لوگہ میں شامل گنے جاتے تھے۔ (ملاحظہ ہو دی سیٹلمینٹ رپورٹ آف دی کوہاٹ دسٹرکٹ، اور گزیٹیر آف دی کوہاٹ دسٹرکٹ)+ اسلئے ہو سکتا ہے کہ بوگاروں نے بذریعہ خرید طرف گندہ خیل میں حقوق اراضی حاصل کئے ہوں اور انگریزوں نے بندوبست کے وقت انہیں طرف گندہ خیل کا ایک تبہ لکھ دیا+

حیات افغانی اور تاریخ خورشید جہان کی فاش غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں نے بوگر خیل کو گندا خیل کی اولاد لکھ دیا ہے+

بوگاروں کا گاؤں بوگارہ کہلاتا ہے اور ٹھی لفرلی سے جانب غرب واقعہ ہے+

لُغان خیل۔

اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر مشہور ہیں۔ ان کا حال بھی بوگاروں کی طرح ہے۔ انکی اصلیت بھی معلوم نہیں۔ لیکن طرف گندہ خیل میں ایک تبہ ہونے کی وجہ سے لفرتیوں کے ساتھ وصلی طور پر شامل ہیں+

فتح خیل

فتح خیل اپنے مورثِ اعلیٰ فتح کے نام پر مشہور ہیں۔ یہ بھی طرف گندہ خیل کی ایک تپی ہونے کی وجہ سے لفرنیوں کے ساتھ وصلی طور پر شامل ہیں۔ ان کے صحیح حسب نسب کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ نسل دیگر وصلی شاخوں کے کون ہیں اور کب اور کہاں سے آئے اور کیونکر مالک اراضی بنے۔ لیکن اندازہ یہی ہے کہ خٹک کی زمین بہت تھی اور آبادی کم تھی۔ خٹک ہیں جس نے جہاں چاہا وصلی طور پر کسی کا ہمسایہ بن کر بذریعہ تو آبادی زمین پر قبضہ کر لیا۔

حسن خیل

حسن
مومن — عبدالجبار
خلاص — عبدالودود
شادولا — جلوانہ — خان محمد

حسن خیل اپنے مورثِ اعلیٰ حسن کے نام پر مشہور ہیں۔ یہ بھی دراصل لفرنی نہیں ہیں بلکہ کہیں باہر سے آئے ہیں۔ ان کے اصل اور نسل کا بھی پتہ نہیں ہے۔ لیکن وصلی طور پر یہ لوگ بغرض مالیہ وکار بیگار داود خیل کے ساتھ شامل ہیں اور داود خیل چونکہ لفرنی ہیں اس لئے حسن خیل بھی وصلی طور پر لفرنی ہیں۔

حسن خیل موضع خدہ میں رہتے ہیں جو شمالی لفرنی سے تقریباً دو میل مغرب کو بڈھ عرالگڈہ کے کنارے واقع ہے۔ آجکل پرانے گاؤں کے پاس بوجہ خانگی دشمنی ایک نیا گاؤں بھی بن چکا ہے۔ سرائے اکوڑہ کے بالمقابل مصری بانڈہ میں حسن خیلوں کی کافی آبادی رہتی ہے۔ مجھے اب کی مرتبہ یہ دیکھنے کا موقعہ نہ مل سکا کہ خٹک اور پشاور کے حسن خیلوں میں کوئی تعلق ہے یا نہیں۔

سپرک

سپرک اپنے مورث اعلیٰ سپرک کے نام پر مشہور ہیں -
مالیہ اور بیگار کے لئے یہ داود خیل کے ساتھ شامل تھے اس لئے
وصلی طور پر لفرنی ہیں +
سپرک مہانکی باندہ سے شمال مغرب کی طرف لفرنیوں کی
آخری حد پر رہتے ہیں - ان سے آگے گڈی خیلوں کی ملکیت شروع
ہو جاتی ہے +
سپرک ایک بہادر اور جنگجو شاخ ہے +

منده خیل

ان کا شجرہ ان کے مورث اعلیٰ منده سے شروع ہوتا ہے
ان کے دیگر کوائف بھی حسن خیل اور سپرک کی طرح ہیں اور یہ
بھی وصلی طور پر لفرنی ہیں - انہیں مقامی طور پر مینده خیل کہتے ہیں +

پیری خیل

پیر محمد

اصغر چار گل کلائی سید احمد بخشا اللہ جان

گل دین خود علم لوکی فتح خان جبید طوطائی زر محمد دلبر نور تذنک

پیری خیل اپنے مورث اعلیٰ پیر محمد کے نام پر مشہور ہیں جس
کا اسم تصغیر پیری تھا - یہ لوگ وصلی طور پر لفرنی ہیں - ان
کا تبہ لفرنیوں کی شاخ بدین خیل کے ساتھ شامل تھا - پیری خیل
امن پسند لوگ ہیں +
ان کی بابت یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک دن گندہ، گگی اور بدین
(بہاء الدین) تینوں بھائی کسی طرف جا رہے تھے - رستے میں انہیں

ایک نوزائیدہ بچہ رستے میں پڑا ہوا ملا۔ بہت چلائے کہ یہ بچہ کس کا
ہے لیکن کچھ جواب نہ پایا۔ بدین نے کہا کہ اسے بچانا چاہئے ورنہ
یہیں صعوبت سے مر جائیگا۔ اس کے بھائیوں نے کہا کہ اسے یہیں
رہنے دو اگر کوئی پیرائی (جن) ہوا تو مصیبت میں پھنس جائینگے۔
اس نے کہا کچھ بھی ہو میں تو لیجاؤنگا۔ وہ بولے کہ اچھا لے جاؤ
لیکن اگر پل کر بڑا ہو گیا تو اس کا حصہ بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔
چنانچہ بدین اسے اٹھا لایا۔ لوگ اس بچے کو پیرائی (جن) پکارتے
تھے۔ جب بڑا ہوا تو بدین نے اسے اپنی جائداد میں سے حصہ دیا
اور اس کی اولاد اب پیری خیل یعنی جن کی اولاد یا پیری خیل یعنی
پیری (پیر محمد) کی اولاد کہلاتی ہے

* * *

اکوڑخیل

کہ خٹک دی خود آنک دی +

ملک اکو

یحییٰ خان وغیرہ ۲۰ بیٹے

عالم خان ۔ شہباز خان I ۔ بہادر خان وغیرہ ۱۱ پسران

(فقیر) جمیل بیگ خان ۔ خوشحال بیگ خان I ۔ شمشیر خان ۔ بیرباز خان

بہرام خان ۔ اشرف خان (ہجری) وغیرہ ۵۶ بیٹے

محمد افضل خان I ۔ عبداللہ خان ۔ نامدار خان وغیرہ

(خان شہید) سعد اللہ خان ۔ کاظم خان (شیدا) ۔ محمد علی خان وغیرہ ۱۱ کسان

شریف خان ۔ شرافت خان ۔ سردار شہباز خان II وغیرہ ۲۰ کسان ۔ سردار افضل خان (لاولد) ۔ خوشحال خان II ۔ سرفراز خان الملقب ۔ سعادت یار خان

وجی خان

محمد علی خان

لشکر خان

حسن خان ۔ رسول خان ۔ منصور ناصر علی وغیرہ ۹ کسان ۔ عجب خان ۔ معظم خان ۔ کرم خان ۔ زبردست ۔ سکندر ۔ دلاور ۔ شاہنواز ۔ نور اللہ ۔ آصف ۔ اشرف (لاولد)

(ایک ماں) ۔ (ایک ماں) ۔ (ایک ماں) ۔ (ایک ماں) ۔ (ایک ماں)

ارسلان خان وغیرہ ۔ خوشحال خان III ۔ عبدالکریم ۔ عبداللہ ۔ جعفر خوشدل ۔ مرتضیٰ ۔ حسین ۔ سرفراز حبیب ۔ سرفراز خان ۔ فیروز خان ۔ میر خان ۔ نجف خان

(نواب سر) خواجہ محمد خان ۔ عباس ۔ شہباز خان III

محمد افضل خان II ۔ جعفر خان وغیرہ ۔ عباس خان ۔ خواص خان

مظفر خان ۔ محمد ظفر خان ۔ عبدالغفور خان ۔ سبین خان وغیرہ

حکیم خان ۔ باز محمد خان (نواب حال)

یادداشت: کاظم خان شیدا مورثِ خوانین اکوڑہ تھا۔ اور سردار شہباز خان III مورثِ خوانین ٹیری + محمد افضل خان II جاگیردار خوڑہ تھا اور جعفر خان ولد میر خان جاگیر دار نیلاب + بلند خان ولد حسین خوشحالگڑہ کا جاگیر دار تھا +

اکوڑخیل اکو (یا اکوڑ) کی اولاد اور اس کے نام پر اکوڑخیل کہلاتے ہیں۔ اکو کے سوینیالہ آنے کا حال آپ اس کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں وہ اپنے ساتھیوں کا سردار اور ایک بہادر اور مشہور راہزن تھا جو اپنے گروہ کے ذریعہ دریائے سندھ کے غربی کنارے سے لے کر نوشہرے تک لاہور سے پشاور جانے والی سڑک پر آنے جانے والے مغل مسافروں، سوداگروں اور قافلوں کو لوٹتا تھا۔ وہ خود اٹک سے چھ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی میں رہتا تھا اور گیدڑگلی سے نوشہرے تک راہزنی کرتا تھا۔

اس زمانے میں یوسفزئی، خلیل اور مہمند بھی اٹک سے آنے اور جانے والے مغلوں کو لوٹتے تھے۔ علاقے میں عام بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور ہر فارسی بولنے والا قتل کر دیا جاتا تھا۔

۱۵۸۱ء میں اکبر بادشاہ نے اپنے بھائی مرزا حکیم سے لڑنے کے لئے ہندوستان سے کابل جاتے وقت شاہی سڑک کی حفاظت کی غرض سے اٹک کا قلعہ بنوانا شروع کیا۔ اور نیز ایک اشتہار کے ذریعے اس علاقے کے معتبر زمینداروں کو اپنے پاس بلایا۔

اس موقعے پر مہمندوں اور خلیلوں نے اکبر سے کہا کہ لوٹ مار تو در اصل لنڈئے دریاب کے جنوب کے یوسفزی اور مندڑ کرتے ہیں اور مفت میں بدنام ہم ہوتے ہیں۔ پہلے انہیں مطیع کیجئے۔ ہم تو سڑک کی حفاظت سے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ اکبر نے یوسفزیوں پر حملے شروع کر دئے جن کی وجہ سے بارہ سال کے عرصے میں یوسفزی اور مندڑ بہت کمزور ہو گئے۔

عبدالرحمٰن خورم، میری خیلوں اور بعض ڈھنگرزیوں نے اکو کا نام تجویز کیا کہ وہ اس علاقے میں بہت اثر اور رسوخ رکھتا ہے وہی یہ کام کر سکیگا۔ مان سنگھ اور دوسرے مغل سرداروں نے بھی اکبر کو یہی صلاح دی۔ اکبر نے اکو سے کہا کہ تمہیں منصب دیدونگا سڑک

کی حفاظت کرتے رہنا۔ اس نے کہا کہ منصب کی وجہ سے میرے لوگ
میرے ساتھ حسد کرینگے ۔ اس لئے اکبر نے خیرآباد سے نوشہرے اور
تبی سے موسیٰ درہ تک کا علاقہ، زیوزئی اور سپین خاک کے موضعے
اور اکوڑے کے گذر پر بیڑیوں اور جانوروں کے گزرنے پر محصول
لینے کا حق اکو کو بطور جاگیر دے دئیے ۔ اکو کے چار بھائی اور بھی تھے۔
اکبر نے محض اپنی مطلب برآری کے لئے اکو کو یہ جاگیر دی تھی ورنہ
دیسے تو اکبر بھی اپنے باپ بھائیوں اور دادا بابر کی طرح پشتونوں کا
جانی دشمن تھا اور ان کو طرح طرح کے بہانے سے تراشتا رہتا تھا ۔ تعصب
کا یہ حال کہ اکبر نے ۴۱۲ منصبوں میں سے صرف نو پشتونوں کو
دئیے تھے وہ بھی نہایت گھٹیا پائے کے یعنی ایک دو سو کا، ایک
تین سو کا، ایک چار سو کا، چار ایک ایک ہزار اور دو منصب
دو دو ہزار کے!

شاہی جاگیردار بننے کے بعد اکو نے لنڈئیے دریاب کے جنوبی اور
شاہی سڑک کے شمالی کنارے ایک اونچی جگہ پر ایک چھوٹا گاؤں
بسایا جو پہلے تو ملک پور کہلاتا تھا لیکن بعد میں اکو کے نام پر سرائے
اکوڑہ مشہور ہوگیا جس سے شمال کی طرف سر سبزہ غونڈی کے
یوسفزیوں کے مورچے صاف نظر آتے تھے اور اپنے لوگوں کو
اپنی جاگیر پر بسایا۔

اکو سے سعادت خان کے وقت تک اکوڑہ خٹکوں کا دارالخلافہ رہا۔
اس کے بعد مشرقی علاقے کے خوانین اکوڑہ اور جہانگیرہ میں اور مغربی
علاقے کے خان ٹیری میں رہنے لگے۔

اب اکو نے لوگوں سے تلنگ لینا بھی شروع کیا۔ بولاق کے لوگوں
سے پیداوار کا چوتھا حصہ اور دو روپیہ فی ہل لیتا تھا۔ چاہی رقبے
سے فی کنواں ۱۵ روپے سالانہ، اور اگر کنواں اکو کھدوا کر دیتا تو ۲۵
روپے سالانہ لیتا تھا۔ خیرآباد سے نوشہرے تک جو تری آباد تھے

رشتے میں اکو کے قریب تر تھے ان سے پیداوار کا دسواں حصہ اور تیرنی یعنی مال چرائی کا محصول اور ایک حصۂ زمین کا ۳ روپیہ سالانہ محصول لیتا تھا۔ بیل غاشہ سے لے کر سینی خورم تک ہر گھر سے دو روپے لوگ لیتا تھا لیکن ان سے تہائی نہیں لیتا تھا۔ (حضرو میں ۵ روپیہ فی گھر لوگ لیتا تھا) اس وقت علاقہ خٹک میں صرف جٹہ اور مالگین کی کانوں سے نمک نکالا جاتا تھا۔ جٹہ کی کان کا اکو خٹکوں سے بیل کے نو باروں اور دوسری قوموں سے سات باروں کا ایک روپیہ محصول لیتا تھا۔ مالگین کی کان کا دس بیلوں یا تین اونٹوں کے بار پر ایک روپیہ محصول لیتا تھا۔

یوسفزیوں سے جنگوں کے لئے اکو ہر علاقے کے خٹک اپنی کمک کے لئے بلاتا تھا اور ہر قبیلے کے لوگ قوی ننگ کی وجہ سے اسے مدد کے لئے آدمی بھیجتے تھے۔ بدیں سبب وہ سب خٹکوں کا ایک قسم کا خان سا بن گیا تھا۔ اس کے بیٹے یحیٰی خان کے وقت بھی یہی حالت رہی۔ اس کے بیٹے شہباز خان کے وقت اتنا اور ہوا کہ مغلوں نے ایک مرتبہ اس سے جاگیر لے لی تھی لیکن پھر لوٹا دی تھی۔ اس کے بیٹے خوشحال خان I کے وقت دو باتیں ہوئیں: (۱) شاہجہان نے اس سے پہلی مرتبہ ہندوستان، بلخ اور بدخشان وغیرہ میں فوجی خدمات لیں اور (۲) جب وہ اورنگزیب کا اعلانیہ مخالف بنا تو نہ تو بادشاہ اسے گرفتار کر سکتا تھا، نہ اسے شکست دے سکتا تھا۔ نہ اس کا اثر زائل کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کی جاگیر ضبط کر سکتا تھا۔ اس کے پوتے محمد افضل خان I کے وقت اس نے بنوں وغیرہ میں بہادر شاہ ولد اورنگزیب کی فوجی خدمات کی تھیں۔ اس کے بیٹے سعد اللہ خان عرف شہید خان اور اس کے بعد کا زمانہ طوائف الملوکی کا تھا۔ پہلے نادر شاہ تھا اس کے بعد احمد شاہ تھا اور اس کے بعد سکھ۔ سکھوں کے وقت اکوڑہ میں اکوڑخیلوں کی شرقی شاخ کی خانی ختم ہوگئی۔ لیکن ٹیری میں ان کی مغربی شاخ کی خانی برائے نام آج تک باقی ہے۔

ملک اکو، اس کے بیٹے یحیٰ خان اور پوتے شہباز خان I کی پیدائش، حکومت اور وفات کی تاریخیں ہم یوں متعین کرتے ہیں:-

شہباز خان ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱-۹۲ء میں پیدا ہوا تھا- اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۹ سال کی عمر میں ۱۰۱۹ھ میں اکوڑے کا حاکم بنا- یعنی کہ یحیٰ خان ۱۰۱۹ھ میں مرا تھا۔ ۱۰۰۲ھ کے واقعات ہیں

چونکہ تاریخ مرصع میں خان کی زبانی لکھا ہے کہ "میرا باپ، دادا اور پردادا بھی پچاس سال کی عمر میں مرے تھے" اس لئے یحیٰ خان کی پیدائش ۱۰۱۹ھ - ۵۰ = ۹۶۹ھ/۱۵۶۱-۶۲ء میں ہوئی + اور جب ۹۸۹ھ میں اکبر اکو کو جاگیر دے رہا تھا تو اس وقت یحیٰ کی عمر (۹۸۹ھ - ۹۶۹ھ =) ۲۰ سال کی تھی۔

اب جبکہ ۹۸۹ھ میں یحیٰ کی عمر ۲۰ سال کی تھی تو اس کے باپ اکو کی عمر بھی ۳۷ (۱۶ + ۱ + ۲۰ = ۳۷) سالوں سے کم نہ ہوگی- اس لئے اکو ۹۸۹ھ - ۳۷ =) ۹۵۲ھ کے حدود میں پیدا اور ۹۵۲ھ + ۵۰ = ۱۰۰۲ھ کے حدود میں مرا ہوگا + اور یوں اس نے (۱۰۰۲ - ۹۸۹ =) ۱۳ سال سرداری کی ہوگی۔ حیاتِ افغانی ص ۳۲۲ کا یہ بیان غلط ہے کہ اکو نے اکبر کی نوکری اختیار کرنے کے بعد ۴۱ سال حکومت کی یعنی وہ ۹۸۹ھ + ۴۱ = ۱۰۳۰ھ میں مرا + اب یحیٰ خان کی سرداری کی مدت اکو کی موت سے شہباز خان I کی تخت نشینی تک (۱۰۱۹ - ۱۰۰۲ھ =) ۱۷ سال ہوئی +

اکو اپنے بیٹے یوسف وغیرہ کے ساتھ نازو خان بولاق خٹک کے ہاتھوں بمقام موضع پیر سباک مارا گیا تھا + یحیٰ خان بمعہ اپنے فرزند عالم خان خٹکوں کے بعض قبیلوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا-

۱۰۴۷ھ میں شاہجہان نے یوسفزیوں کا علاقہ ۱۲ ہزار روپے سالانہ ٹھیکے پر شہباز خان کو دیا تھا + شہباز خان ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۱ء میں یوسفزئی لٹیروں کا تعاقب کرتے ہوئے منوڑ کمال زئی کے علاقے میں

دشمن کے ہاتھوں سر پر پتھر کا گذار لگنے کی وجہ سے مرا تھا۔

شہباز خان کے بعد اس کا شہرۂ آفاق بیٹا خوشحال خان I (پیدائش ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء وفات ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء) ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں حکمران ہوا اور ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں حکومت اپنے بیٹے بہری کو سونپ دی

۱۶۶۷ء میں اورنگزیب کی طرف سے سید امیر خوافی کابل کا صوبیدار اور مرزا عبدالرحیم شیعہ پشاور میں اس کا نائب مقرر تھے۔ عبدالرحیم بہاکو خان کے ذریعے یوسفزیوں کا دوست تھا۔ بہاکو خان کو خوشحال خان کو نقصان پہنچانے کی غرض سے عبدالرحیم نے بادشاہ سے اٹک کی بیزکری کا محصول معاف کروایا۔ خان نقصان پا کر بھی کچھ نہ بولا۔ پھر عبدالرحیم کی انگیخت پر سید امیر نے بادشاہ سے کہا کہ جب تک چند زمیندار گرفتار نہ کر لئے جائیں تمہارا حکم نہ چلیگا۔ اس نے کہا کہ اختیار تمہارا ہے جو کچھ کرنے ہو۔ اس مبہم اجازت کے ملنے سید امیر نے ۱۲ یا ۱۹ جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۴ء کو خان کو پشاور بلوایا۔ وہ تیزی سے پہنچا جہاں بہ ۵۲ سال کا بڈھا پنسیری بیڑیوں میں دہلی روانہ کیا گیا۔

تاریخ مرصع میں خان کی گرفتاری وسط جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ میں لکھی گئی ہے۔ ہم گرفتاری کی تاریخ ۱۲ یا ۱۹ جمادی الثانی یوں متعین کرتے ہیں:۔

خان "دستار نامہ" میں جو ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۷۶ھ کو رنتھمبور میں قید کے دنوں میں لکھی گئی تھی لکھتا ہے (ص ۱۰۲): اس دن جب یہ واقعہ پیش آیا تھا رجال الغیب رو بہ رو مغرب میں، دن جمعے کا، کہ اس طرف کو ممانعت تھی، میں پشاور کو ان کے سامنے چل پڑا۔" اور کلیات ص ۹۸۲ میں کہتا ہے:۔

ورځ وه د جمعې رجال الغیب ده برابر تلهٔ مغرب رویه وی پدا ما نه کړه نظر

رِجَالُ الْغَیب جنہیں متصرفینِ اہلِ تکوین اور پشتو میں غائبان اور سنسکرت میں جوگی کہتے ہیں کی، سپر کے حساب سے یہ لوگ جمادی الثانی کی ۴، ۱۲، ۱۹ اور ۲۷ تاریخ کو مغرب میں ہونگے۔
لیکن ۴ اور ۲۷ تاریخیں تو وسطِ ماہ میں نہ ہونے کی وجہ سے خارج از بحث ہیں۔ نیز ۴ تاریخ کو جمعرات اور ۲۷ کو سنیچر کا دن تھا۔
اب رہ گئیں ۱۲ اور ۱۹ تاریخیں۔ چونکہ یہ دونوں جمعے کے دن آتی ہیں اس لئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خان ۱۲ یا ۱۹ کو گرفتار ہوا تھا۔
رجال الغیب کی روزانہ سمت معلوم کرنے کا صحیح شعر تو یہ ہے:
کُنْجِخْ بَاسِشْ کُنْجِخْ بَہِشْ۔ کُنْجِخْ بَاسِشْ کُنْجِخْ اَمِشْ۔ لیکن دستار نامہ ص ۹۸ اور فضلنامہ ص ۲۳۷ دونوں میں یہ شعر ایسا غلط لکھا ہوا ہے: کنجخ باشم کنجخ لشم۔ کنجخ باشم کنجخ اشم۔
اس اتنے اہم شعر کا مندرجہ بالا دو کتابوں میں اسطرح غلط چھپنے سے یہ نتیجے نکلتے ہیں کہ (۱) ان دونوں کتابوں کا اصل مسودہ نہ تو خان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا نہ اس کی نظروں سے گزرا تھا۔ اور (۲) ان کتابوں میں اس قسم کی اور بھی بہت سی غلطیوں کا امکان ہے۔
یہ تو شاید کوئی نہ کہیگا کہ خان جیسے جید عالم کو صحیح شعر معلوم نہ تھا۔ اگر معلوم نہ ہوتا تو وہ حملے کے دن انہیں مغرب میں کیونکر لکھتا؟
۵ ذوالقعدہ ۱۰۷۶ھ / ۹ مئی ۱۶۶۶ء کو قید سے رہائی پانے کے بعد خان کو دہلی میں نظر بند رکھا گیا اور وطن جانے کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ اپنی بیویاں اور لڑکے اور لڑکیاں یرغمال بٹھا دے تو وطن جا سکتا ہے۔ خان نے یہ شرط نہ مانی۔
سید امیر خوافی سات سال (۱۶۶۱ - ۱۶۶۸) تک کابل کا صوبیدار رہا۔ اس کی بہت نازپروری کی وجہ سے یوسفزئی حد سے گزر گئے اور انہوں نے بہاکو کی زیر سرکردگی مغلوں سے کئی لڑائیاں لڑیں لیکن ہر بار شکست کھاتے رہے۔ آخر جب پشاور کے پہاڑی علاقے

میں عام سرکشی شروع ہوگئی تو اورنگ زیب نے امن بحال کرنے کی امید پر خان کو کابل کے نئے صوبہ دار مرزا لہراسپ عرف مہابت خان کے ساتھ سنہ ۱۰۷۹/ ۱۶۶۸ء میں اپنے وطن کو رخصت کر دیا۔

سنہ ۱۰۸۱ / ۱۶۷۰ میں جب مہابت خان کی جگہ امین خان کابل کا صوبیدار مقرر ہوا اور سنہ ۱۰۸۳/ ۱۶۷۲ میں جب اس کی جگہ پھر مہابت خان ولد علی مردان خان مقرر ہوا تو وہ پھر خان سے مغلوں کی اطاعت کی امید رکھتا تھا۔ لیکن خان کے انکار کرنے پر اس نے خان کے بیٹے بہرام خان کو لالچیں دے کر باپ کے برخلاف اکسایا اور خان کو دشمنی کرنے پر مجبور کیا۔ اس وجہ سے سنہ ۱۰۸۲ کے بعد خان مغلوں کی اعلانیہ مخالفت کرنے لگ گیا۔

سنیچر ۲ محرم سنہ ۱۰۸۳/ ۱۶۷۲ء کو محمد امین نے پشتونوں کے ہاتھوں ایسی شرمناک شکست اٹھائی تھی کہ باقی سب ساز و سامانِ جنگ کے علاوہ اپنی بیوی، بیٹی اور ماں بھی میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ پھر کڑپہ میں مغلوں کو شکست ہوئی جو محمد امین کی شکست کا بدلہ لینے آئے تھے۔

ان شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے اورنگزیب ایک زبردست فوج لاکر خود تو فوج کے قاعدے کے ساتھ حسن ابدال میں بیٹھ گیا اور مغل فوجوں اور مہروں کو پشتونوں میں منتشر کر دیا۔ بادشاہ ربیع الثانی سنہ ۱۰۸۵/ ۱۶۷۴ تک دو سال حسن ابدال میں ٹھہرا رہے اور کچھ نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکنے کے بعد واپس ہندوستان لوٹا۔

خٹکوں کے بارے میں اورنگزیب کی سیاست محض ناکامیاب اور نامناسب تھی۔ اسے بہاکو خان کے دوستوں یعنی اپنے راشی نوکروں خوافی اور نبیرہ کے کہنے پر بلا وجہ اور بلا تحقیق خان کو گرفتار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور نہ ایک ایسے وقت میں جب جرنیل جلال خان الملقب بہ دلبر خان جو روہیلہ اور اصل میں داؤدزئی

اور بہادر خان روہیلے کا چھوٹا بھائی اور دریا خان روہیلے کا بیٹا تھا اور جس کے خان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اورنگزیب کے لئے ہندوستان میں تلوار کے جوہر دکھا رہا تھا اورنگزیب کو محمد امین کے ذریعے خان کو مغلوں کی اطاعت پر مجبور کرنے اور یوں خان کو اپنا اعلانیہ دشمن بنانا مناسب تھا۔ نہ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہندوستان میں چاروں طرف اورنگزیب کے انگریز، مرہٹہ، سلاطین دکھن، راجپوت، جاٹ، ست نامی اور سکھ دشمن سرگرم عمل تھے اور اورنگزیب کا انحصار صرف پشتون پر رہ سکتا تھا اسے ہندوستان کے سب دشمنوں کو اپنی ...ن مانی کرنے کے لئے اور اپنی طاقتیں جمع اور منظم کرنے کے لئے چھوڑ کر اور صرف دریائے سندھ کے اس پار ہندوستان کی بھاری شاہی فوج ہند سے نکال کر صرف ایک خوشحال خان کو (جو اورنگزیب کا عملی دشمن بھی نہ تھا، شاہی سڑک کو بھی غیر محفوظ نہ بناتا تھا) مطیع کرنے کے لئے دو سال تک دارالخلافے سے بہت دور حسن ابدال میں دو سال کے لئے ٹھہرنا مناسب تھا۔ ایسے ہی ایک موقعے پر ہند کے ایک پشتون بادشاہ نے اس طرف آکر یہاں کی بغاوت فرو کرنے کے مشورے کے جواب میں کہا تھا کہ مجھے پہلے اندرونی دشمن سے نپٹنا چاہئے۔ اگر ہند ہے تو کابل کہیں گیا نہیں اور اگر ہند گیا تو کابل کچھ معنے نہیں رکھتا۔ ایسے وقت اورنگزیب کو بھی پہلے ہند کی اور پھر اٹک کے اس پار کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ لیکن اس کی ناعاقبت اندیشانہ حرکت سے ہند کی حکومت اس کے مرنے کے ۱۵ سال بعد ہی اس کے خاندان سے جاتی رہی۔

۔ بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ خان کو اورنگزیب کی اسلامی حکومت کی مخالفت نہ کرنی چاہئے تھی یہ دورِ حاضرہ کے "اسلام خطرے میں ہے" کے غیر اسلامی نعرے سے متأثر ہیں اور اسلام سے بعض

نا بلد ہیں + اسلام میں تو صرف ایک حاکم ہے ــ اللہ تعالیٰ "الحکم للہ" ــ اور کسی حاکم کا کیا مطلب ؟ اور اگر اورنگ زیب کی حکومت اسلامی تھی تو خان کی بھی تو اس سے بھی زیادہ اسلامی تھی یعنی پشتونوں کو مغلوں کی غلامی سے نجات دلانا ۔ اور حق کے لئے لڑنا ۔ اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یا تو خان اسلام کا اورنگزیب سے کم شیدائی تھا ۔ یا اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو یہاں اکبر جہانگیر یا شاہجہاں کی طرح حکومت بناتا ۔ بلکہ یہ کہ اس کی مخالفت خاص مدافعانہ نہ تھی ۔

یہاں "اولی الامر منکم" کا مسئلہ بھی آڑے نہیں آتا کیونکہ نہ تو اورنگ زیب اس وقت ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ متقی تھا نہ اجماع نے اسے خلیفہ منتخب کیا تھا نہ اس نے پشتونوں کو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مغلوب کیا تھا بلکہ وہ تو ایک موروثی حکمران تھا جو بادشاہ بننے کے بعد کافی نیک مسلمان ثابت ہوا ۔ اور خٹکوں کی حیثیت تو بالکل ہی جداگانہ تھی وہ تو کبھی مفتوح ہوئے ہی نہ تھے محض ایک اقتصادی سودا بازی کی رو سے شاہی سڑک کی حفاظت کے بدلے اکبر نے انہیں جاگیر دی تھی ۔ اگر اورنگزیب کا دل نہ چاہتا تھا تو اپنی رعایت واپس لے لیتا ۔ محمد امین کے ذریعے خان سے اپنی اطاعت منوانے کا کیا مطلب ؟

یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اس زمانے میں وفاداری ذاتی تھی ۔ خان بادشاہ کا وفادار تھا اور جب بادشاہ نے اس کے ساتھ ظلم کیا تو گویا ساری مغلیہ سلطنت نے اس کے ساتھ ظلم کیا ۔ اور ظالم کی اطاعت کونسے مذہب میں روا ہے ؟ کونسا منصف المزاج کہہ سکتا ہے کہ خان کا پشتونوں کو مغلیہ سلطنت اور اس کے راشی نوکروں سے نجات دلانا اسلامی حکومت کو نقصان پہنچانے کے مترادف تھا ۔ اسلامی حکومت میں بھی ایسے مظالم ہوتے ہیں اور وہ بھی خلیفہ کے علم سے ؟

اگر مغل صدیوں تک پشتونوں کے پیچھے لٹھ لے کر نہ پھرتے اور اورنگزیب افریدیوں، مہمندوں اور خٹکوں کو اس قدر کمزور نہ بناتا تو خان شاید یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پشتونوں کو سکھوں اور انگریزوں کی غلامی کے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ لیکن اس وقت بھی خان کی ساعی کا یہ نتیجہ تو نکلا کہ پشتون مغلوں کی غلامی سے تو محفوظ رہے۔

سنہ ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء سے کچھ عرصہ پہلے خان نے اپنی پگڑی اپنے بیٹے ہجری کے سر رکھی اور خود مغلوں کا اعلانیہ حریف بن گیا کیونکہ مغلوں کے عمل سے اس پر ثابت ہو گیا تھا کہ مغل تیمور کے وقتوں سے پشتونوں کو ٹالتے پڑیلے ہوئے ہیں اور انہیں آپس میں لڑا لڑا کر کمزور کر رہے ہیں

خان نے تھتردرا (خیبر)، دوآبہ، نوشہرہ، کوٹ، گنداب (سنہ ۱۶۷۳ء)، خاپس (سنہ ۱۶۷۴ء) کڑپہ اور مہمندوں کے پہاڑوں میں مغلی فوج کو شکستیں دی تھیں۔ بعض جنگوں میں ایمل خان آفریدی اور دریا خان مہمند بھی خان کا ساتھ دیا تھا۔

ہر دشمنی کی طرح پہلے تو خان کی مغلوں سے دشمنی بھی ذاتی رنجش کی وجہ سے تھی لیکن بعد میں قومی رنگ اختیار کر گئی جیسا خان سے پہلے خانجہاں لودی نے شاہجہاں سے اپنی بغاوت کو قومی تحریک میں بدل کر مغلوں سے ہندوستان چھیننے کے لئے استعمال کی [ملاحظہ ہو مآثر الامراء جلد I ص ص ۳۰۷-۳۱]۔ لیکن لودی اور خان کی جنگوں میں یہ فرق تھا کہ (۱) اس کا میدانِ عمل ہندوستان اور خان کا سندھ کے اِس پار- (۲) اس کی تحریک کا اثر ہند سے اٹک کے اِس پار پشتونخواہ کو بھی پہنچا- خان کی تحریک پشتونخواہ سے ہند نہ پہنچ سکی- اور (۳) لودھی کی جنگ جارحانہ اور خان کی جنگ اپنے محلِ وقوع کی وجہ سے مدافعانہ تھی۔

خٹکوں، افریدیوں اور مہمندوں کی یہ کوشش تھی کہ اپنے وطن کو مغلوں سے آزاد کریں - کیونکہ مغل ان کے ساتھ ہمیشہ سے بدسلوکی سے پیش آتے تھے - سابقہ بادشاہ تو پشتونوں سے زیادہ تعرض نہ کرتے تھے لیکن اورنگ زیب نے ان کا وطن ہتیانے اور انہیں محکوم بنانے کے منصوبے پر عمل شروع کیا تو پشتون بھی اپنی آزادی کی حفاظت کرنے کے لئے لڑنے پر مجبور ہوگئے +

اورنگزیب کی اسلامی حکومت میں پشتونوں کے ساتھ جو غیر منصفانہ رویہ برتا جاتا تھا اسکی بابت نکولس منوسکی (جلد ۲ ص ۴۵۷ اور ص ۴۶۲) لکھتا ہے: "اورنگزیب ویسے بھی پشتونوں پر اعتبار نہ کرتا تھا - اس کی بادشاہی میں ایک "سو قلعے تھے لیکن ایک کا حاکم بھی پشتون نہ تھا - اس نے سب مغلوں، راجپوتوں اور سیدوں کو دے رکھے تھے"+

خٹک، افریدی اور مہمند سات آٹھ سال تک مغلوں سے لڑتے رہے تاکہ اپنا وطن ان سے آزاد کریں - پشتون اپنے ان جنگوں کو جہاد اور مغلوں کے غیر اسلامی کاموں کو مغلوانی کہتے تھے - ان تین قبیلوں کے علاوہ باقی پشتون اپنی بے اتفاقی اور یوسفزئی خٹکوں سے اپنی دشمنی اور مغلوں سے راضینامے کی وجہ سے ان جہادوں میں حصہ نہ لیتے تھے - اور اورنگزیب پشتونوں پر عدم اعتماد کیوجہ سے انہیں پند نہ لیتا اپنا جاتا تھا -

تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ اورنگزیب کی حکومت کے آخری دس سالوں میں اس کا کوہاٹ اور بنوں پر کوئی اثر نہ تھا اور کئی کئی سال تک کابل کا کوئی صوبیدار نہ ہوتا تھا + اس سے پہلے بھی وہ خان کے ساتھ جتنی لڑائیاں لڑ چکا تھا ان سب میں شکست کھائی تھی +

خان اور مغلوں کی سب لڑائیاں میدانی علاقے میں ہوئی تھیں باوجود اس کے مغل ہارتے رہے - خان ایک سمجھدار سیاستدان تھا - ہر اہم معاملے میں ایمل خان اور دریا خان اس سے مشورہ

کرتے تھے۔ خان ایک زبردست منظم تھا اور مغلوں کے برخلاف پشتونوں کی تنظیم کے لئے پورے پشتونخواہ میں پھرا تھا۔

خان کا اصلی نام خوشحال بیگ خان تھا۔ کئی معتبر کتابوں اور اس کی کئی کتابوں پر اس کا یہی نام لکھا ہوا ہے۔ عبدالقادر خان گلدستہ میں لکھتا ہے: "کہ عقل، پوھہ کہ تیغ کہ دیگ وو
پہ پښتانہ کښے د خوشحال بیگ وو۔"

خان کے بڑے بھائی کا نام جمیل بیگ ہے جسپر وہ آج بھی موسوم ہے۔

خان نے اورنگزیب کی بادشاہت کے پہلے چھ سال میں اگر اورنگزیب کی کچھ تعریف کی بھی ہو تو اس سے لگاؤ پیدا ہونے کے بعد وہ سب کچھ بھی اپنی کلیات سے نکال دیا اور اپنے نام سے بھی بیگ کا لفظ ہٹا دیا۔ اب کلیات میں صرف اورنگزیب کے بیان شدہ عیوب باقی ہیں۔ خان نے جنگ تخت نشینی میں اورنگزیب کا ساتھ دیا تھا۔

خوشحال خان ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ سے (جس سال خان اور ایمل خان نے مغلوں کا نوشہرہ کا قلعہ فتح کیا تھا) لے کر اپنی زندگی کے آخری دو سال تک مغلوں سے لڑتا رہا۔ اپنی عمر کے آخری دو سالوں میں جبکہ اس کی عمر بھی ۷۶ سال کی ہوچکی تھی، ایمل خان اور دریا خان بھی مرچکے تھے، اس کا بڑا لڑکا بہرام بھی مغلوں کی قید میں تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا بہرام خان مغلوں کا طرفدار اور باپ کا اعلانیہ بدخواہ تھا۔ خٹکوں کی سرداری بھی خان کے پوتے محمد افضل خان I کے ہاتھ میں تھی جو ۱۰۷۵ھ یا ۱۰۷۶ھ میں پیدا ہوا تھا اور اس وقت (۱۰۹۸ میں) ۲۲ یا ۲۳ سال کا ایک نوعمر اور کم تجربہ کار جوان تھا اور بہرام اور مغل خان کی گرفتاری کے فکر میں تھے اور شاہی فوج سے کئی برس لڑنے کی وجہ سے خان کے محدود ذرائع بھی تقریباً ختم ہوچکے تھے) وہ افریدوں کے پہاڑوں کی طرف گیا اور وفات پائی۔

خان کا بیٹا اشرف خان ایک آزمودہ کار اور جیالا لڑاکا اور بلند پایہ شاعر اور صاحب کلیات ہے۔ پشتونوں میں پہلا شخص ہے جس نے اپنے اشعار میں اپنے نام کی بجائے تخلص کا استعمال کیا۔ وہ پانچ تخلص رکھتا تھا۔ سب سے مشہور تخلص ہجری ہے بے نقط اشعار میں اکرم تخلص کرتا تھا۔ اس کے کلیات میں بہت سی اندرونی شہادت اور اس زمانے کے رسم و رواج اور زیورات وغیرہ پر کافی مواد پایا جاتا ہے۔ اس کا اکثر کلام جیسے اور ہندی شاعری سے متاثر ہے۔

ہجری کی کلیات کے ایک نسخے کے حاشیے پر کسی نے یہ الحاقی شعر لکھ دیا ہے: نہ یہ بندد اورنگ نہ بم چہ بہ خلاص شم

ہندی کڑہ رحمکار زیری کاکا بم

کاکا صاحب ہجری کے ۱۰۹۳ھ میں قید ہونے سے ۳۰ سال پہلے ۱۰۶۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔

شیرخان بنگش کے وقت کوہاٹ میں ترین خان کی سرداری میں جو مغلیہ فوج تھی اسے بنگشوں نے روندا تھا۔ کابل کے صوبیدار امیرخان نے ہجری کو لکھا کہ ترین خان کی کمک کرو اور بنگشوں کو تباہ اور برباد کردو۔ ہجری نے اور سب کچھ تو کیا لیکن جب بنگشوں کو شکست ملی تو نہ تو ان کا تعقب کیا اور نہ ہی انہیں نقصان پہنچایا۔ امیرخان نے اورنگزیب کو ہجری کی شکایت لکھ بھیجی کہ پشتونوں کا پالن کیا ہے اور بنگشوں کے ساتھ رعایت کی ہے اورنگزیب تو پہلے ہی سے وار کے لئے تیار تھا یہ بہانہ ہاتھ لگا تو ہجری کو ۱۰۹۳ھ/ ۱۶۸۲ میں قید کر ڈالا جہاں یہ شمع حریت ۱۱۱۱ھ میں گل ہو گئی۔

پشتون کی وفاداریوں کے صلے میں انہیں اس سے پہلے بھی سزائیں مل چکی ہیں۔ اورنگزیب کے والد کے وقت کا ایک واقعہ سنئے۔

سنہ ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء میں نذر محمد خان حکمرانِ بلخ نے شاہجہان سے آخری بار بغاوت کرکے شاہجہانی فوج سے شکست کھائی تھی جس کی قیادت ۸ شوال سنہ ۱۰۵۷ھ تک شاہزادہ مراد اور اس کے بعد شاہزادہ اورنگ زیب نے کی تھی۔ اس جنگ میں (اور اوزبکوں کی جنگ میں) بہادر خان روہیلے نے جو شاہجہان کی فوج میں پنج ہزاری ذات اور پنج ہزار دو اسپہ سہ اسپہ منصبدار تھا اور اس مہم میں مسلمانوں کی ہراول فوج کا سردار تھا بہت جرأت دکھائی تھی۔

لیکن بدخواہوں نے شاہجہان کے کانوں تک یہ بات پہنچائی کہ بہادر خان نے نذر محمد خان کا تعاقب نہ کیا اور بہادر خان کی سستی کی وجہ سے سعید خان نے اوزبکوں کی جنگ میں ہزیمت اٹھائی۔ کینہ پرور شاہجہان نے بہادر خان کی وفاداری اور جانثاری کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے کابل اور غزنوج میں بہادر خان کی ۳۰ لاکھ روپے کی جاگیر ضبط کر ڈالی۔ بہادر خان سنہ ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں قندھار میں مرا جہاں وہ اورنگزیب کے ساتھ مہم پر گیا تھا۔ [ملاحظہ ہوں بادشاہ نامہ جلد ۱ ص ص ۳۸۰-۱، ۵۵۳-۴، ۶۶۶، ۶۹۱-۲ اور مآثر الامراء جلد I ص ص ۴۲۰-۱، ۲۲۳ وغیرہ۔]

محمد افضل خان I اورنگزیب کے بیٹے شاہ عالم کا (جو بعد میں بہادر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بنا) شکاری دوست اور مددگار تھا جسے مغلوں نے سنہ ۱۰۹۸ھ میں گرفتار اور خان کی موت کے بعد رہا کیا تھا۔ بہرام خان اسے آرام سے نہ چھوڑتا تھا لیکن جب بہرام ۱۱۲۴ھ میں مر گیا تو اس نے سنہ ۱۱۵۴ھ تک آرام سے حکومت کی۔ سنہ ۱۰۹۴ھ میں بہرام خٹکوں کا حاکم بنا فقط لیکن سنہ ۱۰۹۸ھ میں محمد افضل خان نے اسے ہٹا دیا۔ کاکا صاحب کے پوتوں نے حصول مملکت کے لئے محمد افضل خان سے کئی لڑائیاں لڑی تھیں لیکن ہر بار شکست کھاتے رہے۔ محمد افضل خان کا کارنامہ "تاریخ مرصع" ہے۔ یہ پشتونوں کی پہلی مروجہ تاریخ ہے جو ایک پشتون نے پشتو زبان میں پشتو نثر میں لکھی۔ خان کے بیانات پر مبنی ہے۔

محمد افضل خان کا بیٹا محمد علی خان اکوڑہ میں رہتا تھا اور اپنے والد کے بڑھاپے کے دنوں میں حکومت کیا کرتا تھا + محمد افضل خان کا ایک اور بیٹا سعد اللہ خان عرف شہید خان (پیدائش ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) باپ کی زندگی میں باپ سے ناراض ہوکر اپنے باپ کے دشمن غیاث الدین عرف کاجی بابا (ولد قیاس الدین ولد آزاد گل ولد کا کا صاحب رح) کے ساتھ ٹیری میں رہتا تھا + [اس دن سے لے کر آج دن تک ایک کاجی خیل میاں خان کے ساتھ ٹیری میں رہتا ہے + ٹیری کی اہمیت اور آکوڑ خیلوں کی مغربی شاخ کا دارالخلافہ بننا اسی وقت سے شروع ہوتا ہے +

اس کے بعد کے حالات حقیقتاً تاریخ اکوڑ خیلان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری کتاب کے حیطہ موضوع سے باہر ہیں اس لئے ہر چند کہ وہ بہت بسیط اور دلچسپ ہیں لیکن سردست چھوڑ دئے گئے ہیں +

بارک

تُف پہ زیرہ د ہمہ واڑہ بارکو۔ لا د ما پہ زیرہ ہم کہ نہ بارک یم (خان)

خٹکوں میں بارک نام کے دو قبیلے ہیں (۱) چنجو وغیرہ کا بھائی بارک۔ اور (۲) ببر کا بھائی بارک +

ذیل میں ہم ببر کے بھائی بارک کے حالات لکھتے ہیں :۔

ع۲۹ یلمن

ع۳۰ ع۳۹ دس پشت گم ہیں

ع۴۰ بارک

گل (گاری) — امین (منزئی)

گل (گاری): منداینز

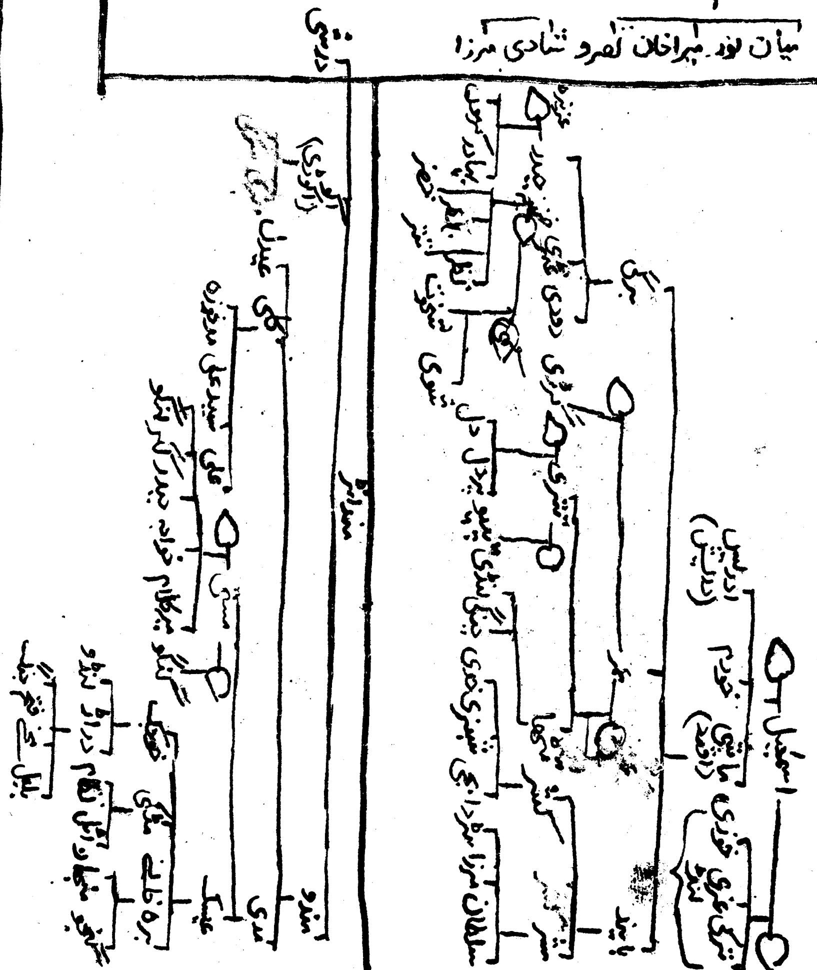
منداینز: میندو، اکو (اکوخیل)، دریشی

میندو: مدی، گلی، عبدل

مدی: عیسک، مستی

امین (منزئی): محمد علی، سرکٹ، میان محمد، گڈی، یلتی، باغی

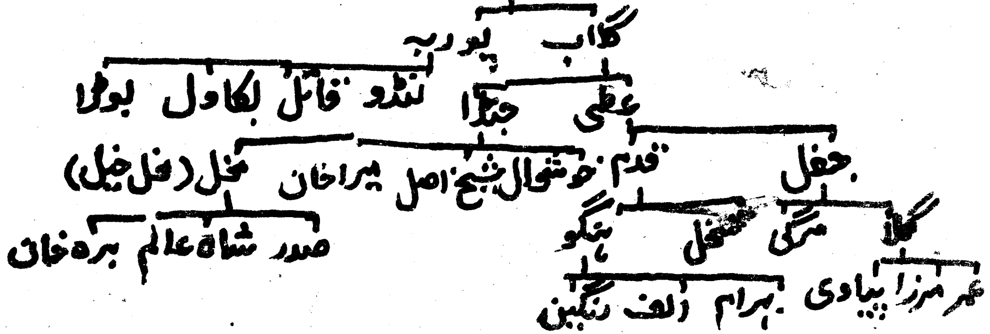
پارک کی چار شاخیں ہیں : (۱) منرئی (منجھلا) ۔ (۲) ماشی جبل (اوزرد یعنی لمبا) لنڈ (ٹھگنا) اور منڈا نڑ ۔
ہر ایک پھیلے کی چند ابتدائی پشتیں یہ ہیں :۔



ابتداء میں بارک تیرہ خونترہ میں لغرتیوں کے مشرق میں رہتے تھے الفنسٹن (جلد ۲ ص ۴۹) لکھتا ہے کہ اس کے وقت میں بارک دونوں خانوں یعنی آکوڑے کے خان اور ٹیری کے خان سے آزاد تھے اور خود مختیاری کی حالت میں رہتے تھے۔

محمد افضل خان تاریخ مرصع میں لکھتا ہے کہ اس وقت بارک کی خانی ماشی خیل (یعنی اوزد میں جو کہ گلزئی ہیں) اور عیسک میں (جو کہ ان کے نرلور اور منڈانڑ ہیں) بٹی ہوئی تھی۔ آج مفلوک الحال ہونے کے علاوہ ان دونوں شاخوں میں خانی کی کوئی خو یا بُو نہیں پائی جاتی۔

گڈی خیل



یہ شاخ اپنے مورث کے نام پر گڈی خیل مشہور ہے۔ یہ پہلے تیرہ خونترہ میں ڈمر کلی میں رہتے تھے۔ جب ان کی اولاد بڑھ گئی اور ان کی ملکیت ان کے گزارے کے لئے کافی نہ رہی تو وہ آہستہ آہستہ وہاں سے عیسیٰ خیل (پنجاب) کے گاؤں چاہری، کرندی، چشمئی اور مٹھہ خیل کو کوچ کرتے رہے۔ وہاں بنجر زمینیں آباد کیں اور کچھ عرصہ رہے۔ پھر ان میں سے بعض خاندان پہاڑوں میں واقعہ میدان اور خوشحال کو چلے آئے اور لاوارث لیکن قابلِ کاشت زمینوں پر قبضہ جما لیا۔

اس وقت اس علاقے میں، پہاڑ کے دامن میں، عام طور پر قوم مروت کا ویران جنگل پڑا ہوا تھا۔ لیکن سب قوم یہ چاہتی تھی کہ یکجا ہو جائے اور سب مل کر کہیں بنجر زمین کے ٹکڑے پر قبضہ کریں اور اسے آباد کر لیں۔

گنڈیخیل (جو کثیر التعداد تھے) اور دران خیل، کمال خیل، تترن، کوٹانہ بینا خیل، مونا خیل، بلشے خیل، کلی خیل اور فتا خیل جو بعض بارک کی اولاد اور بعض اور قوموں سے ہیں اور سب وصلی اور ہمسایہ کے طور پر گنڈیخیلوں کے ساتھ رہتے تھے سب نے اتفاق کیا اور اسی موجودہ علاقے کو آ گئے۔ مروت کے غیر آباد علاقے پر زبردستی قبضہ کر کے دخل حاصل کر لیا۔

گنڈیخیلوں نے جب شنہ غرہ کے دامن میں شنوہ الگڈہ کے کنارے گاؤں آباد کیا تو وہ الگڈہ اور مالکوں کے نام پر شنوہ گنڈیخیل کہلایا۔ یہ ان کا سب سے مشہور گاؤں ہے۔

ہر گنڈیخیل بہت زیادہ اراضی کا مالک ہے۔ زمین بھی اچھی ہے اس لئے بہت مالدار ہیں۔ موجودہ تہذیب سے بہت دور اور پہاڑوں کے بیچ میں میدان وغیرہ میں رہنے کی وجہ سے یہ لوگ موجودہ تہذیب کی برائیوں سے بہت حد تک بچے ہوئے ہیں۔ ملکیت کی زیادتی، تعلیم کی کمی اور دوسرا کوئی روزگار نہ رکھنے کی وجہ سے ان میں قتل مقاتلے کی واردات بہت ہوتی رہتی ہیں۔

ان کی جو زمینیں تھل میں ہیں وہ بارانی لیکن عمدہ حیثیت کی ہیں۔ وادیوں میں چشمے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آج کل افریدیوں کے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف رہتے ہیں۔

گنڈیخیلوں میں جو کہ منزئی ہیں اب بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور بھی بن چکی ہیں۔ اگرچہ گنڈیخیلوں اور منزیوں کا مفاد اب بھی مشترکہ ہے لیکن گنڈیخیلوں نے ایک منزیوں سے علاوہ حیثیت اختیار کر لی ہے۔

ماشی خیل (اوزدہ)

تحصیل کرک کی کوئی مثل حقیقت ایسی نہ ملی جس میں ماشی
یا مشی یا اوزد کا نام بطور مورث اعلیٰ لکھا ہوا ہو اور نیچے اس کی
اولاد درج ہو۔ موضع کرک کے مثل حقیقت بابت ۱۸۸۷ء میں عمر اور بائنڈ سے
شجرے چلائے گئے ہیں جو یہ دونوں ماشی کے بیٹے ہیں - اور دفعہ اول
میں اوزد کی بجائے اوید لکھا ہوا ہے - جیسے یا تو بیان دہندوں کی
غلطی ہو گئی ہو یا نویسندہ پرلے درجے کا احمق ہو۔ دیگر مواضعات
کی امثلہ حقیقت میں بائنڈ کا نام بائین، پائندہ وغیرہ لکھا ہوا ہے۔
میں نے ماشی کے بیٹوں کے نام ان گاؤں کے امثلہ جات حقیقت کے
دفعہ اول حصول ملکیت وغیرہ کے مطالعے سے لکھے ہیں جہاں ماشی
خیل رہتے ہیں۔ لیکن ان میں ماشی کا نام کہیں مشی اور کہیں مستی
لکھا ہوا ہے۔ اس مجہول بیانات کے پیش نظر ممکن ہے کہ میں نے بڑگی
وغیرہ کے بارے میں کوئی غلطی کی ہو۔

ماشی خیلوں کا علاقہ چونکہ بہت لمبا ہے اس لئے انہیں اوزدہ
(لمبے) کہتے ہیں۔

اوزدہ پہلے سُوخونزہ میں انبا (زیبا) نامی چشمے کے آس پاس آباد
تھے - ان کے ساتھ لنڈ (ترکی، غوری اور خوزی کی اولاد) اور منزئی
بھی کبیر کلہ میں آباد تھے -

مروت خٹکوں کے علاقے میں تاخت کیا کرتے تھے - آخر سردار شہباز
خان II نے اوزدوں، لنڈوں اور منزیوں کی مدد سے کونہ خونزہ اور شمالشرقی
تہل مروتوں سے چھینے - اس علاقے پر جو اس وقت غیر آباد تھا
اوزد اور منزئی نے قبضہ کر لیا اور وہاں رہنے لگے۔ اور اوزد شوخیل
سے گرگوزی تک (کرک، ٹیپو) وغیرہ میں اور لنڈ بلا زمین کے رقبے میں
(جو اب موضع کندہ میں ہے) آباد ہو گئے۔
جب آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے اوزدوں کا اکٹھا گذارہ مشکل

ہو گیا تو ان میں سے بزرگی کے بیٹے حیدر خان کی اولاد اپنے بھائیوں سے بچھڑ کر پہلے بنتو غنڈی میں بسے۔ کچھ عرصے کے بعد لوڑ میلہ اور تتر غونڈہ میں (جو اب گڑوزی کے حد میں ہے) آباد ہو گئے۔ پھر اور آگے کو بڑھے اور لتمبر کا رقبہ بھی لے لیا جو اس وقت ایک ویران جنگل اور قوم مروت کے قبضے میں تھا۔

حیدر خان کی تین بیویوں کمی، خزینہ اور عزیزہ سے اس کے اٹھ بیٹے ہوئے تھے جن کی اولاد ان کی ماؤں کے نام پر کمی خیل، خزین خیل اور عزیز خیل اور مجموعی طور پر حیدر خان خیل کہلاتے ہیں۔

پھر حیدر خان کے ایک بیٹے بہادر خان نے بہادر خیل کے رقبے پر قبضہ کر لیا جس کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے۔

سردار شہباز خان کے ساتھ کبیر کلہ سے منزلوں، اوڑدوں اور ننڈوں کے چلے جانے اور مفتوحہ علاقوں میں بس رہنے کی وجہ سے کبیر کلہ غیر آباد پڑ گیا تھا اور ویران ہو گیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد کچھ مالکان واپس کبیر کلی کو چلے گئے اور اپنی جدی زمینوں پر قبضہ کر لیا لیکن باقی زمینیں بدستور غیر آباد رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ شاخ کلی خیل اور منزی کے لوگ ادھر ادھر کے گاؤں سے آتے تھے اور غیر آباد زمین کو آباد کر کے آبادی بناتے تھے۔ پھر لواڑوں، براجوں، کلالوں، ندگروں اور سیدوں نے بھی جو شاخ ہائے منزی اور کلی خیل کے ہمسایہ تھے مالکوں کی اجازت سے بنجر زمین آباد کر کے قبضہ بنا لیا۔

اب کبیر کلی میں دو آبادیاں ہیں، ایک منزلوں کی جسے ڈم کلہ کہتے ہیں اور دوسری کبیر کے نام سے کبیر کلہ کہلاتی ہے۔ یہ دونوں آبادیاں جدا جدا ہیں لیکن گاؤں کا مجموعی نام کبیر کلہ مشہور ہے۔

لنڈ

گنگائی — تترکائی — منگائی
احمد، میرحسن، قاسم، جانخان

خوزائی
ولی خان، پیپو
(سوی خیل) (نبیل خیل)

غزی
اسحٰق
تیرکی، ممری

تترکائی یا تترکی، خوزائی یا خوزی اور غزی تینوں بھائیوں کی اولاد اس لئے لنڈ کہلاتی ہے کہ ان کا علاقہ لنڈہ یعنی کوتاہ ہے۔
جب یہ بلا زین میں رہتے تھے (دیکھو اوڑدوں کا حال) تو ان کی اوڑدوں سے دشمنی چھڑ گئی اور اوڑدوں نے انہیں مار مار کر بلا زین سے آوارہ کر دیا۔
ترکی خیل اور غزی خیل تور ڈھنڈ وغیرہ میں، اور خوزی خیل نری خوڑہ کے کنارے چھپروں میں رہنے لگے۔ یہ علاقہ (جیسے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مروت کا اور غیر آباد جنگل تھا۔ سب لنڈوں نے مل کر نری خوڑہ کے کنارے ایک قلعہ بنایا۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آیا کیونکہ اوڑدوں نے حملہ کر کے جلا دیا۔ اس قلعے میں اس زمانے کی جلی ہوئی گندم جو رسد کے لئے جمع کی گئی تھی ابھی تک موجود ہے۔
۱۸۳۴ء سے کچھ عرصہ پہلے جب سکھوں کی حکومت کمزور پڑ گئی اور انہوں نے یہ علاقہ سلطان محمد خان بارکزئی کو دے دیا جو خود تو پشاور میں رہتا تھا لیکن اس کا بیٹا خواجہ محمد خان بارکزئی کوہاٹ میں رہتا تھا اور خوانین ٹیری میں طوائف الملوکی کے بن جانے سے یہ علاقہ حاکموں کے تشدد سے قدرے مامون ہوا اور یہاں امن جیسا بن گیا تو خوزی خیلوں نے بمعہ دیگر دمنی اقوام کے جو کہ ان کے ساتھ تھے نری خوڑہ کے آس پاس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے پہلے تو لیوٹ غر الگڑھ کے کنارے ایک کمر (ٹیلے) پر ایک بڑی آبادی بنائی جو پہلے کمر کہلاتی تھی لیکن اسے اسی نام کی ایک دوسری جگہ سے تمیز کرنے کے لئے بعد میں یہ ایزادی نام قوم

لنڈ کمر کہلانے لگی۔ بعد میں یہ لوگ اس کمر سے اپنی زمینوں کی طرف بھی گئے اور وہاں بھی مکانات تعمیر کئے۔

لنڈوں کا صدر مقام لنڈ کمر اور دوسری قابل ذکر جگہ چوکارہ ہے جہاں بیر بہت لگتے ہیں۔ اگر انہیں قلمی نہ کر ان سے مربہ اور شربت وغیرہ بنائے جائیں تو مالکان کی آمدنی بڑھ جائیگی۔ پرانے بڑے بڑے بیر تو سب کاٹ دئے گئے ہیں ورنہ یہاں لاک کا ایک چھوٹا کارخانہ بھی قائم کیا جا سکتا تھا۔

لیسن خیل

جیبنی

اک عیسٰی لیسن بکی

آدم

غالب

سیف

بہادر خان (لرزک) جابر بابر

کستیر گل (کاکا صاحب) جبات خان عفان

زرد گل (ضیاء الدین) عبدالحلیم محمد گل عبدالجلیل نجم الدین غازی خان (لاولد) کوکو شاہنشاہ لالی گل اسمٰعیل گل

احمد گل کوکو لعل یحیٰ

نجم الدین، شکور الدین، برہان الدین، باز گل (زین العابدین)، غیاس الدین، عباس، دلدار

افضل گل، حسن، فخرالدین، غنی دل، جمشید خان

بہادر خان کو کاکا صاحب کا والد ہونے کی وجہ سے لوگ ایک صاحب اور اس کے تینوں بیٹوں کی اولاد کو ایک خیل کہتے تھے۔ جب کاکا صاحب نے شہرت اختیار کرلی تو اس کی اولاد کاکا خیل یا میاں گان کہلانے لگے۔

ایک خیل اور کاکا خیل کئی گاؤں میں

آباد ہیں ۔ کاکا خیلوں کی آبادی کا مرکز موضع زیارت کاکا صاحب ہے کاکا صاحب کے یہاں دفن ہونے کے بعد اس کی اولاد بھی اپنے آبائی گاؤں بیلہ سے (جو زیارت سے ۲ میل جنوب مغرب کو واقع ہے) یہاں چلی آئی ۔

خٹکوں میں کاکا خیلوں نے بہت ترقی کی ہے ۔ کیونکہ ہر علاقے کے پشتون انہیں تجارت وغیرہ میں ہر قسم کی رعایت دیتے ہیں ۔

اکوڑی

اکو
تری
سری
کیمل ایمل اراکت قادر محمود مکر

اکوڑی منڈانڑ کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے جو اپنے مورث کے نام پر اکوڑی کہلاتے ہیں ۔ ان کی زیادہ تر آبادی نبی خوا میں بستی ہے ۔ بعض اکوڑی اپنے آپ کو اکوڑ خیل سمجھنے لگے ہیں ۔

اوریا خیل

بہ روایتِ تاریخ مرصع یہ لوگ اپنے مورثِ اعلیٰ اوریا کے نام پر اوریا خیل مشہور ہیں ۔ کہتے ہیں کہ عوریہ خیل خلیل کی ایک بیوہ انڑو خیل خٹکوں کے پاس آئی ۔ وہ اپنا ایک بیٹا بھی ہمراہ لائی جس کا نام اوریا تھا ۔ اس لڑکے کو بٹی (ولدِ انڑو) نے پالا اور جب جوان ہوگیا تو اپنے قبیلے میں اس کی شادی کرادی ۔ اوریا کی اولاد کو اوریا خیل کہتے ہیں اور وصلی طور پر بٹی خیلوں (تریوں) میں داخل ہیں ۔

پشتونوں کے رواج کے مطابق اوریا خیل بھی خٹک ہیں کیونکہ خانہ داماد کی اولاد ہیں ۔

سوریا خیل

بٹی کے منہ بولے بھائی مہمندی نے اس بیوہ کے ساتھ شادی کی جو اعدیا کی ماں اور غوریہ خیل قبیلے سے تھی اور جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ اس شادی سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام بروزنِ اوریا سوریا رکھا گیا۔ سوریا خیل مہمندی کی شاخ ہے۔

ڈنگرزی (آدم زی)

غوری خان
- زین الدین
  - بہرام
  - خان محمد
    - سکندر
    - مظفر
- نازودین
  - نادر

تاریخ مرصع وغیرہ میں لکھا ہے کہ ڈنگرزی کسی غوریہ خیل کوکی زی کی اولاد ہیں اور حیات افغانی میں لکھا ہے کہ یہ کسی ترین کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں بیانات غلط ہیں۔ ڈنگرزی در اصل غوری خان عرف ڈنگر بابا کی اولاد ہیں جس سے ان کا شجرہ آٹھویں پشت میں ملتا ہے جو تقریباً (۱۸۷۰ء - [۳۰ × ۸ = ۲۴۰]) یعنی ۱۶۳۰ء کے زمانے کا آدمی ہے۔ یعنی محمد افضل خان I سے تقریباً سو سال پہلے کا۔

مثل حقیقت موضع ڈنگرزی مرتبہ ۱۸۷۰ء میں ایسے کوئی آثار نہیں ہیں جن سے ڈنگرزیوں کا خٹک کے علاوہ کسی اور قبیلے سے ہونا پایا جاوے۔

محمد افضل خان نے غوری خان اور غوریہ خیل کے ناموں میں دھوکا کھایا ہے۔ اگر یہ خٹکوں سے علاوہ کوئی اور ہوتے تو یہ بھی منگلی کی طرح صاف کہہ دیتے کہ ہم فلاں قبیلے سے ہیں۔

محمد افضل خان نے چونکہ ڈنگرزیوں سے بہ زور زمین حاصل کی تھی اس لئے ان کے متعلق ایسا لکھ گیا۔

کرلانڑی لہجے میں ڈنگر کا مطلب ہے دُبلا + خوشحال خان I نے شینکوں کے پیر کا نام ڈنگر پیر لکھا ہے۔ اور کرلانڑیوں میں ایسے نام اب بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ قبیلوں کے لہجے میں ڈنگر (اپنے لغوی معنی میں) بیل کو کہتے ہیں اس لیئے ڈنگرزیوں کے پڑوسی جہل کی وجہ سے ان کے نام کا مذاق اڑاتے تھے۔ حتیٰ کہ اب کچھ عرصے سے ڈنگرزیوں نے اپنا اور اپنے گاؤں کا نام بدل کر آدم زئی رکھ لیا ہے۔

موضع ڈنگرزئی میں علاوہ غوری خان کی اولاد کے گلزادہ خٹک، محمد افضل خان خٹک (مصنف تاریخ مرصع)، اکبر خان مہمندی خٹک اور محمد گل خٹک کی اولاد بھی آباد ہے اور چند قبیلے غیر خٹک پشتونوں وغیرہ کے بھی +

ڈنگر کے ساتھ بابا کا لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی نیک آدمی تھا۔

خلوزی

دنڑ (ولد ببری) قبیلے کے دو بھائی علیخان اور ملیخان صحرا میں کیتڑدی (جری بیٹی) لگائے ہوئے تھے + ایک خاندانِ القلی سا نوجوان ان کی کیتڑدی کو آیا اور چند سال ان کے ساتھ رہا۔ آخر ایک دن اس جوان کے بھائی اسے ڈھونڈتے ہوئے آگئے اور اسے پا کر چاہا کہ اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ لیکن وہ ان کے ساتھ نہ جاتا تھا۔ اس جوان کا نام رشید، باپ کا نام یعقوب اور وہ غوریہ خیل خلیل تھا۔ کہتے ہیں کہ ماں بہت زور سے بچھڑنے کے سبب اسے نظر لگ گئی تھی۔ اور کوہ دیبان کا رستہ لے کر علی خان کی کیتڑدی تک پہنچا تھا۔

رشید کے حسب اور نسب کا پتہ پا کر کہ اصیل ہے علی خان نے خلو نامی اپنی لڑکی رشید سے بیاہ دی۔ ان کے پانچ بیٹے ہوئے۔ ان بیٹوں سے یہ اولاد باقی ہے جو اب اپنی ماں کے نام پر خلوزئی کہلاتے ہیں۔

یہ تو رہا لب لباب محمد افضل خان کی تاریخ مرصع کا۔ اس کے برخلاف مالکان قوم جلوزئی نے مثل حقیت موضع جلوزئی (رقبہ خٹک پرگنہ ۱۰۴ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور) ۔ مثل حقیت ۱۸۷۰ء کے وقت یہ ناقابلِ قبول بیان دیا ہے کہ ان کا سلسلہ ان کے مورثِ اعلیٰ جلو خان سے چلتا ہے جس کو عرصہ دس پشت کا ہوا کہ اس وقت کے حاکم سردار محمد افضل خان [مصنف تاریخ مرصع] نے بہ نظر آبادی دفتر خٹک کے ۱۶ سیروں سے ایک سیر رقبہ دیا تھا۔
تاریخ مرصع کے بیان کے مطابق رشید کی اولاد بوجہ اس کے علی خان کا خانہ داماد ہونے کے خٹک ہیں ۔ اس کی اولاد کا بجائے اپنے باپ کے اپنی ماں کے نام پر کہلانے کا سبب یہ ہے کہ وہ دیوانہ سا تھا اور خلو ہی اپنی اولاد کی نگہداشت کرتی تھی۔

درشی

وصلی طور پر قبیلہ خٹک کے ساتھ شامل ہیں۔ بہادر خیل کے پاس جو درشی خیل رہتے ہیں ان کی بابت انگریزوں کے وقت کی لکھی ہوئی کتابوں میں لکھا ہے کہ خورم کی طرح یہ بھی وصلی طور پر ماشی خیلوں اوڑدوں کے ساتھ شامل ہیں۔

کمدی

یہ بھی وصلی طور پر قبیلہ خٹک کے ساتھ شامل ہیں

درک

درک بھی وصلی طور پر قبیلہ خٹک کے ساتھ شامل ہیں۔

* * *

مُغلکی

تاریخ مرصع وغیرہ میں لکھا ہے کہ مُغلکی کسی مغل کی اولاد ہیں جو مغل فوج سے جدا ہو کر بولاق کو آیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہا اور ایک بولاق لڑکی سے شادی کرلی اور برابر حصہ پایا اور بولاق الوس میں وصلی طور پر شامل ہو گیا۔ یہاں بھی وہی خانہ داماد کا قصہ چلا ہے۔
مغلکای ساغری قبیلے کی شاخ درے نیبی میں شامل ہیں
بندوبست ۱۸۷۱ء کے وقت مغلکیوں نے بیان دیا تھا کہ ہمارے مورث کا نام مغل تھا جو محمد افضل خان [I] کے ہاں نوکر تھا۔ اور خان نے نوکری کے عوض اسے موضع مغلکی کی زمین دی تھی۔ مغل نے وہاں یہ گاؤں آباد کیا۔ پھر مغل وقتاً فوقتاً اور خٹکوں کو بھی آبادی کے لئے جگہ دیتا تھا۔ ۳۲ سیرول میں اس گاؤں کا دفتر ایک سبر ہے۔

سیبنی

تاریخ مرصع اور حیات افغانی میں لکھا ہے کہ سیبنی سبن کی اولاد ہیں جو اصل میں دلازاک تھا۔ سبن نے آکر بولاق کی [یا بولاق قبیلے میں کسی کی] لڑکی سے شادی کی اور یہیں کا ہو کر رہ گیا اس لئے وصلی طور پر بولاق الوس میں داخل ہو گیا۔ سیبنی ساغری قبیلے کی درے نیبی شاخ میں شامل ہیں۔
سیبنی قبیلے کی بڑی آبادی ٹیری کے شمال میں نہہ سیبنی خورم میں رہتی ہے۔
سینٹرل ایشیا حصہ ۱ جلد ۲ ص ۱۵۰ میں سیبنیوں کو سبن خان ولد مروث کی اولاد لکھا ہے۔

خورم

خورم تنری میں بھی پائے جاتے ہیں اور لولاف میں بھی۔ تاریخ مرصع میں دونوں کے گھروں کی تعداد جدا جدا دی گئی ہے۔ اور ہم نے بھی شجروں میں انہیں دونوں جگہ دکھا دیا ہے۔ پتہ تنری میں جو خورم ہیں وہ بھی غالباً لولاف ہیں لیکن رہتے تنریوں کے علاقے میں ہیں۔

خورم

ابنی طوطا — محمد زی — گمراخان

اسم جبلی — ملی — حسن مٹھا — گمینس — اکراڑ — مجک

ذکر فضل لوگہ مرزا میوہ عطی خان ملا پیر محمد ننگر شادی چنو جعفر ولگا اسماعیل ولی گلی بیستر خان نواز

بندوبست ۱۸۹۶ء کے وقت خورموں نے بیان دیا تھا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارا مورث خورم کہاں سے آیا اور اس نفعے پر قبضہ کیا۔

ضلع کوہاٹ کے سیٹلمینٹ رپورٹ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۵ء (ص ۸) میں لکھا ہے: "کہا جاتا ہے کہ بیبنی اور خورم ہر دو پردیسی ہیں"۔ یہاں لکھنے والوں نے یہ غلطی کی ہے کہ بیبنی کے ساتھ خورم کا نام بھی ملا دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ملکی انتظام وغیرہ کے لئے بیبنی اور خورم ایک حلقہ بنایا گیا تھا۔

درحقیقت خورم کے خٹک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اگر کوئی بات ہوتی تو محمد افضل خان تاریخ مرصع میں خورم کا ذکر بھی وصلی قبیلوں کی ذیل میں کر دیتا۔

خورم کا علاقہ بیبنی کے گاؤں کے اِرد گِرد ان کے جنوب کی طرف خوشحالگڑھ سے لیکر جنڈ اسمٰیل خیل تک پڑا ہوا ہے۔ یہ علاقہ بہت ویران ہے جس میں یا تو پہاڑ ہیں یا بڑے بڑے کھڈے۔ قابل زراعت زمین بہت کم ہے اس لئے اس علاقے کے لوگ بھی بہت غریب ہیں۔ لیکن باوجود غربت کے خورم دیندار اور امن پسند لوگ ہیں اور سادہ بھی ہیں۔

نیہ شیری میں ابتداء ہی سے خورموں کی تعداد کم تھی اس لئے ان کا رقبہ بھی یہاں کم ہے۔ اس علاقے میں جب خورم کی اولاد بڑھ گئی تو انہوں نے آپس میں تقسیم کرلی: خورم کا گاؤں اور شیبوہ محمد زئی کے حصے میں آگئے۔ جب محمد زئی کی اولاد بڑھ گئی تو مٹھا، گیلش اور اکراش کے بیٹوں ولی اور کلی نے آپس میں گاؤں کو بہ حد نظر چار حصوں میں بانٹا اور شبیوہ کا غیرآباد رقبہ مشترکہ چھوڑ دیا۔
پہلے پہل محمد زئی نے اراضی موسومہ لوٹا میلہ میں آبادی بنائی تھی۔ اور وہاں رہنا شروع کیا تھا اور اس گاؤں کا نام اس کے باپ کے نام پر خورم مشہور ہوگیا۔ چند سے بعد یہ گاؤں کسی نامعلوم وجہ سے غیرآباد پڑ گیا۔ پھر اس گاؤں کے مالکوں نے ھند نامی ٹیلے پر آبادی بنائی۔ یہ نئی آبادی بھی دو تین مرتبہ وزیروں اور بہادر خیل اورزدوں کے ہاتھوں مسمار ہوئی ٹیری کے حاکم محمد رسول خان کے وقت مالکان نے اپنی اپنی زمینوں کے سروں میں کوٹھے بنائے اور یہ گاؤں بسایا جو اب بھی موجود ہے اور اسی پرانے نام پر خورم کہلاتا ہے۔
الفنسٹن اپنی کتاب جلد ۲ ص ۵۰ میں لکھتا ہے کہ بارک کے شمال کے خشک سانولے اور ھندوستان کے بعض لوگوں کی طرح لباس پہنتے تھے۔ لیکن طور و اطوار میں مقابلتاً زیادہ پسماندہ تھے۔
بولاق خورموں کی ایک بڑی شاخ موشنک ہے جو زیڑہ، عزلکی اور کمر میں رہتے ہیں۔ سیفی کی آبادی زیادہ تر کمبٹ، لاچی مخدرخیل وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔
خورم کے بڑے بڑے گاؤں اسمٰعیل خیل، کربرو سم، دارنیی، تکیہ برگدی، نرتنگی، ورشم، درکونس، مالگین اور سودل ہیں۔

ساغری

ساغرخان

مکوڑی | بنگی | ترن | گلی روزی | شان

ساغرخان کی اولاد ساغری کہلاتے ہیں - ساغری بھی پہلے
ملک اکوڑ کے ساتھ خوڑہ کو گئے تھے لیکن جلد ہی شکردرہ اور تندرکہ
کو جو شکردرہ سے تقریباً تین میل دور ہے لوٹ آئے - اب کی مرتبہ
انہوں نے الوانڑوں (اوان) کو شکست دے کر بھگایا اور تقریباً کالا
باغ تک علاقہ قبضہ کرلیا - یہاں تین چار پشت تک رہنے کے بعد دریائے
سندھ کو پار کرکے پنجاب میں ضلع راولپنڈی تک پہنچ گئے اور اوانڑوں
کو مکھڈ اور اس کے آس پاس کے علاقے سے بھی نکال دیا - اور
ترنہ، کھیڑی، گھمی اور جھب تک علاقہ پکڑ لیا، اور ابھی تک ان علاقوں
پر قابض ہیں - یہ لوگ بارکوں کے شمال کی طرف بستے ہیں -

ساغریوں کا ہمیشہ ایک سردار رہتا تھا جو کبھی ایک اور کبھی
دوسرے خیل (شاخ) سے ہوتا تھا -

احمد شاہ ابدالی نے ۶۰ تومان تبریزی (جس کے سنہ ۱۸۶۴ء میں ۱۲۰۰
روپے بنتے تھے) کے بدلے میں کالا باغ کا علاقہ معاذ خان ساغری کو
دیا تھا - معاذ خان اس رقم کی تہائی یعنی ۴۰۰ روپیہ کالا باغ کے
محمد اعظم خان (دیکھو ص ۱۴۷ کتاب ہذا) کو از راہ دوستی اور مالیے
کی وصولی کے انتظام کے لئے دیا کرتا تھا - سنہ ۱۲۰۴ھ میں بادشاہ تیمور
شاہ سدوزئی نے سارا کالا باغ کا محصول محمد اعظم خان کے نام کر
دیا اور معاذ خان کا دخل ختم کر دیا -

ساغریوں کی سرداری پہلے تو شادی خان کے گھرانے میں تھی - لیکن
احمد شاہ بادشاہ کے وقت عباس خان نے شادی خان کے خاندان
کے آخری حکمران کو مکھڈ سے نکال دیا اور شادی خان کا خاندان

اب تقریباً نیست ہے +

عباس خان مکھڈ میں خانی کرتا تھا اور اس کا بھائی نجم خان اس کی طرف
سے شکردرہ میں نائب تھا اور ملک کے لقب سے پکارا جاتا تھا
اس لئے عباس خان کی اولاد خان خیل اور نجم خان کی اولاد ملک خیل
کہلاتی ہے +

عباس خان اور اس کی اولاد نے دو تین پشت تک سراغزی قبیلے
کی خانی کی +

آج سے تقریباً ۱۵۰ سال پہلے غلام مصطفیٰ خان نے عباس خان
کے خاندان کے آخری حکمران عزن خان کو مکھڈ سے نکال دیا اور خود
مکھڈ کا خان بن گیا + ۱۸۹۴ء میں عزن خان کا بیٹا رحمت خان بہت
تنگی کے دن گزار رہا تھا +

غلام مصطفیٰ خان کی اولاد حیدر خیل کہلاتی ہے - حیدر ان کا مورثِ
اعلیٰ تھا جو چھ سات پشت پہلے گزر چکا تھا - غلام مصطفیٰ خان الحاق
کے وقت زندہ تھا اور ۱۸۹۴ء میں اس کا بیٹا غلام محمد خان مکھڈ میں
رہتا تھا اور ضلع پنڈی اور ضلع کوہاٹ پر دو کا جاگیردار تھا +

تاریخ مرصع میں لکھا ہے کہ ساغر نندوک کا سگہ اور مروت کا
سوتیلا بھائی تھا - ساغر نے بیٹنی عورت کی تھی اور اپنی بیوی کے
ساتھ اپنی خسر گنی (خسر نے) جاکر عمر بتانے لگا - اس کے چھ بیٹے
ہوگئے - تین کے نام ترہ، بنگی اور مکوڑی ہیں - اور باقی کے تین
گگلی، روزی اور شان دے سے تھی کہلاتے ہیں +

ساغر کے بیٹوں کا نام پیدا کرنے کی وجہ سے ان میں اور ان کے
ماموؤں میں حسد اور دشمنی پھوٹ پڑی - ساغر مع اپنے بیٹوں کے
اپنے بھائی نندوک کے پاس آیا - یہاں مروت اس کو اپنا حصہ نہیں
دیتا تھا - اور ساغر بہ زور اس لئے اپنا حصہ جدا نہیں کروا سکتا تھا کہ
مروت کی اولاد زیادہ تھی + تب ساغر نے نندوک، سپنی اور مغلکی
اپنے ساتھ ملالئے - اپنے پیر دمے سے تھی نام نکلوا اور مروت سے اپنا حصہ علاحدہ کر لیا +

بنگی خیل

بنگی

مروج

ابی — نرکہ

جونو — سود — تپی

بابر — منڈون — شوی — چینت

بمری — دولتوان — شرکی — جمال — جلدبن — مریم جل — عالمشاہ

بازید — ملخان — مجنوم — دیا — میرگل — گوورب — معری — میرباز — شہباز — جوزی — میرزا — خارک — کریمداد — دلاور — سرو

ماماکی — کتنی — سگو

منڈورک

سلیمان — عظمت خان

بنگی حقیقتاً تو ساغری کا بیٹا تھا ۔ لیکن اب تعداد اور علاقے کی وجہ سے
بنگی نے اپنی جداگانہ حیثیت اختیار کر لی ہے ۔

بنگی نے خانگی جھگڑوں کی وجہ سے شکردرہ چھوڑ دیا اور تحصیل عیسیٰ
خیل کے شمال میں کچھ علاقہ قبضہ کر لیا ۔ بنگی خیلوں کی جائے سکونت
بھی بنگی خیل کہلاتی ہے ۔ انہوں نے یہ علاقہ اُس وقت پکڑا تھا جس
زمانے میں ساغریوں نے شکردرہ کے جنوب میں کالا باغ تک علاقہ لیا تھا
انگریزوں کے وقت یہ علاقہ پہلے ضلع بنوں میں شامل تھا ۔

بنگی خیل ایک پہاڑی علاقہ ہے ۔ کالا باغ کے جنوب میں جو میدان
ہے اس میں بھی بنگی خیلوں کے بہت سے گاؤں ہیں ۔ کالا باغ کے
جنوب میں مٹھا خٹک تک بنگی خیلوں اور گدی خیلوں کے نو گاؤں
میدان کے اس علاقے میں واقع ہیں جو خٹک نیازی پہاڑوں کے دامن
میں ہے ۔ ان دیہاتوں میں ملاخیل سب سے پرانا گاؤں ہے جو نیازیوں
کے اس علاقے میں آنے سے پہلے موجود تھا ۔ پانچ سو سال سے زائد کا عرصہ ہوا
ہے کہ بنگی خیل اپنے اس پہاڑی علاقے پر قابض ہوئے تھے ۔ پچھلے اڑھائی سو
سال میں انہوں نے بہت سی مزروعہ زمین اپنے عزیزوں ساغریوں سے
یا تو ویسے ہی پکڑی ہے یا مول خریدی ہے ۔ سکھوں کے حملے کے وقت
تک بنگی خیل مکھڈ کے خان کی قلمرو میں تھے ۔

شروع شروع میں بنگی خیلوں نے اپنا سب علاقہ ونڈوں میں بانٹا تھا ۔

اور ہر خیل نے ایک یا ایک سے زیادہ ونڈ حاصل کئے تھے۔ مالکان اراضی نے مزروعہ زمین کے علاوہ علاوہ قطعے اور ان کے ساتھ بنجر زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ اکثر لوگ اپنی ملکیتوں میں بنائے ہوئے گھروں میں رہتے تھے۔ ان کا پہاڑی علاقہ صرف بکریاں، بھیڑیں، گائیں اور گھوڑے وغیرہ چرانے کے لئے موزوں ہے۔

عرصہ ڈیرہ یا دو سو سال کا ہوا ہوگا کہ کوٹلی اور شیواخیل میں بہت سا علاقہ عیسٰی خیل کے خانوں نے خٹکوں سے چھینا تھا۔

قدرتی لحاظ سے ساغری علاقے کے شمالی بنگی خیل اور شکردرہ تونترے کا ایک حصہ ہے۔

فروری ۱۸۰۹ء میں ایلفنسٹن علاقہ بنگی خیل سے چشمئی کو گیا تھا جو شکردرے کے قریب ہے اور وہاں سے مالگین اور شادی خیل کے رستے کوہاٹ گیا تھا۔ اس نے غلطی سے ان لوگوں کو بارک سمجھا ہے جو بنگی خیلوں کے مغرب کو رہتے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ ایک خود سر قبیلہ ہے جو بادشاہ گردی کی حالت میں اور ٹیری کے خان سے خود مختیار زندگی بسر کرتے ہیں۔

تحریکیں

ملک کو اغیار سے آزادی دلانے کی سب تحریکوں میں خٹکوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے جن کا مختصر حال حسب ذیل ہے :-

(۱) ہجرت۔- ۱۹۲۱ء میں اکثر علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان دار الحرب ہے جہاں نماز جمعہ با جماعت نہیں پڑھی جا سکتی۔ اس لئے کسی اسلامی مملکت کو ہجرت کرنی لازم ہے۔ اس لئے صوبہ سرحد کے کئی لوگوں کے ساتھ کئی خٹک بھی افغانستان گئے تھے۔

لیکن ایک تو انگریز لوگوں کو جانے نہ دیتے تھے۔ دوسرے وسائل بار برداری بھی کم تھے اور تیسرے حکومت افغانستان بھی اتنے لوگوں کا انتظام نہ کر سکی۔ اس لئے بعض لوگ تو وہاں سے جلد لوٹ آئے۔ اور انہیں آتے دیکھ کر بعض لوگ رستے ہی سے لوٹ آئے۔ آخر کچھ عرصے کے بعد سب ہی لوٹ آئے۔

(۲) خلافت۔- اس تحریک میں بھی کئی خٹک شامل ہوئے تھے۔

(۳) خاکسار تحریک میں شامل ہونے والے اراکین کی تعداد کم تھی۔ خٹکوں کی تہذیب کے پیش نظر عورتیں اس تحریک میں شامل نہ ہو سکیں۔

(۴) خدائی خدمت گار، سرخ پوش یا کانگریسی۔- یہ تحریک یہاں ۱۹۳۰ء میں شروع ہوئی۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں تحصیل ٹیری میں سرخپوشوں کی کل تعداد ۶،۰۰۰ تھی۔ ان میں سے دو ہزار زیر دفعہ چالیس سرحدی گرفتار ہوئے اور ۲۰۲ ماہ سے لے کر ۳،۳ سال تک سزائیں پائیں۔ ۱۹۳۲ء میں دوبارہ گرفتاریاں ہوئیں۔

(۵) مسلم لیگ۔- اس تحریک کی بنیاد علاقہ خٹک میں ۱۹۴۲ء میں پڑی۔ اور بہت سرعت سے تمام علاقے میں پھیل گئی۔ پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے ۱۹۴۷ء میں کانگرس حکومت کے برخلاف جو تحریک سول نافرمانی چلی تھی اس میں خٹکوں نے کثیر تعداد میں حصہ لیا تھا اور گرفتار ہوئے تھے اس تحریک میں راقم الحروف بھی سے بہ حیثیت ڈکٹیٹر ضلع مسلم لیگ اور مونس و ناظم اعلیٰ غازی پشتون گرفتار ہو کر قید ہوا تھا۔

پشتونستان:- بٹوارے کے بعد تحریک پشتونستان اور ظلمے پشتون کی تحریکیں بھی کچھ عرصے کے لئے ابھری تھیں لیکن رفتہ رفتہ ماند پڑ گئیں۔

(۷) جہاد کشمیر:- یہ تحریک چونکہ عسکری جوہر دکھانے کا موقعہ میسر کرتی تھی جس میں خٹک مہارت تامہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس میں جوق در جوق شامل ہوئے۔ فوج کے تربیت یافتہ پنشنروں نے فوجی طرز پر پلٹنیں منظم کر کے انہیں باقاعدہ تربیتیں دینی شروع کیں۔ زاں بعد خٹک مجاہدین نے محاذ کشمیر پر قابل قدر کارنامے انجام دئے۔

حکومتیں اور حملہ آور

ہخامنشی (۵۵۰-۳۳۱ ق م)۔ نے ننگش (سنا بگھری) پر حکومت کی تھی۔ یہ خٹکوں کے پرانے ایرانی اور یونانی نام ہیں۔

یونانی (۳۲۷-۳۰۵ ق م)۔ ۳۳۱ ق م میں سکندر کی فتح نے ہخامنشی کے آخری تاجدار دارا کوڈومینس کو شکست دی تھی۔ سکندر کا مورخ ایریان یونانی زبان میں لکھی ہوئی اپنی کتاب "انا باسس" iii۔۸ میں لکھتا ہے کہ اس جنگ میں دارا کی فوج میں ہندی قبائل یعنی خٹک اور افریدی وغیرہ شامل تھے۔ چونکہ سکندر کا رخ دوسری طرف تھا اس لئے وہ خٹکوں پر حکومت نہ کر سکا۔

یہ جو بعض مورخین کہتے ہیں کہ افریدی سکندر کی فوج کے ان بھگوڑوں کی اولاد ہیں جو افریدیوں کے علاقے چمر اور تیراہ میں رہ گئے اور ان کا خون افریدیوں کے خون سے مل گیا۔ اور اپنے کہے کے ثبوت میں افریدیوں کے خد و خال، چہرہ مہرہ اور خصوصاً عقابی ناکوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ محض لغو ہے کیونکہ ہندوستان یا یونان کی کسی تاریخ میں سکندر کا ان علاقوں میں سے گزرنا ثابت نہیں ہے اور سکندر کے حملے سے ۱۵۰ سال پہلے ہیرودوٹس نے افریدی قوم کا ذکر کیا ہے۔

موریہ (۳۲۳-۱۹۰ ق م)۔ موریہ خاندان کے بانی چندر گپت نے ۳۰۵ ق م میں سکندر کے نائب سلیوکس کو شکست دی جس نے دریائے سندھ کے مشرق کا تمام یونانی علاقہ بمعہ غزنی، قندھار، بلوچستان اور وادیٔ پشاور چندر گپت کے حوالے کیا۔ چندر گپت کے پوتے اشوک کی موت کے ساتھ موریہ خاندان ۲۲۷ ق م میں ختم ہوا۔

یونانی باختری (۱۸۵-۹۷ ق م) موریہ خاندان کے بعد انہوں نے وادیٔ پشاور پر حکومت کی۔

سکہ (۹۷ ق م - ۷۵ء) سکوں نے ۹۷ ق م میں دو سمتوں میں فوج کشی شروع کی تھی۔ انہوں نے سیستان، غزنی اور قندھار پر بھی حکومت کی تھی اور پیواڑ (کرم)، ٹوچی (بنوں) اور گومل (ڈیرہ اسمٰعیل خان) کے دروں کے رستوں پشتونوں کے علاقے میں بھی اتر آئے تھے۔

ہندی پارتھین (۵ء-۶۴ء) سکہ کے بعد برسر عروج آگئے اور دریائے سندھ کے کناروں تک حکومت کی۔

کشان (۶۴ء-۲۲۵ء)۔ ۶۴ء میں کشانوں نے پارتھین کے علاقے کا مشرقی حصہ فتح کیا۔ باختر کو فتح کرنے کے بعد مشرقی ایران یعنی موجودہ افغانستان اور پاکستان کے علاوہ ہند میں متھرا تک کا علاقہ فتح کیا۔ اس خاندان کے راجہ کنشک کی شمالی راجدھانی پشاور تھی جو بدھ مذہب کا گہوارہ بن چکی تھی۔ کنشک کے زمانے میں بدھ بجائے ایک بزرگ کے خدا مانا جانے لگا۔ پشاور کے سب باشندے بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ اسی بادشاہ کے زمانے میں پشتون تہذیب اور ہنر تمام ایشیا میں پھیلے

ساسانی (۲۲۵ - ۳۶۵ء)۔ اس ایرانی خاندان کے ایک بادشاہ اردشیر اور اس کے بیٹے شاہپور نے کشان بادشاہی کا خاتمہ کیا اور مشرق کی طرف دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے زیر تصرف کیا۔ ساسانیوں کے مقبوضہ علاقے کو (جس میں وادئ پشاور، ڈیرہ جات، سندھ اور افغانستان کا بہت سا علاقہ شامل تھا) کوشانشہر اور اس علاقے کے نائب کو کوشانشاہ کہتے تھے۔

ھن (۴۵۵ - ۵۵۰ء)۔ ساسانیوں کی حکومت کے دوران ہی میں ہنوں کے حملے شروع ہو گئے تھے۔ پشتونوں نے خان کا لفظ ہنوں کی زبان سے اخذ کیا ہے۔

ساسانی۔ ۵۶۸ء میں دریائے سندھ تک کا علاقہ خسرو انوشیروان نے سفید ہنوں سے فتح کر لیا تھا۔

عرب (۶۴۲-۸۷۰ء)۔ ۶۴۲ء میں عربوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدجرد ثالث کو شکست دی۔ دیگر فتوحات کے بعد حضرت معاویہؓ کے گورنر عبدالرحمٰن نے کابل فتح کیا۔ اس کے نائب المہلب ابن ابی صفرہ نے بانہ (بنوں) اور الاھور (لاہور، ضلع پشاور) پر حملہ کیا تھا۔ لیکن کوہ سلیمان کا علاقہ عرب تسلط سے مبرا رہا۔

سامانی (۸۷۰-۹۹۹ء)۔ وقت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین، بنو امیہ، اور عباسیوں کی حکومتیں بھی گزر گئیں۔ آخر سامانیوں کا زمانہ آیا۔ یہ ایرانی النسل تھے۔ ان کا مذہب اسلام اور دارالخلافہ بلخ تھا۔

غزنوی (۹۹۰-۱۱۹۲ء)۔ ساسانیوں کے ترک غلاموں کے اس خاندان کے حکمران سبکتگین نے ۹۷۸ء میں خٹک اور دیگر پشتون قبائل کی مدد سے جیپال کو شکست دے کر دریائے سندھ کے شمال کی طرف کا سب علاقہ فتح کیا۔

غزنوی دور سے پہلے کرلانڑی قوم کے دِلازاک قبیلے نے لنڈئے دریا کی جنوب کو پشاور کا تمام میدانی علاقہ اور دریائے سندھ کے مشرق کو چھچھ کا علاقہ فتح کیا تھا

غوری (۱۲۰۶ء) ملک سیف الدین والئی غور نے بہرامشاہ غزنوی (۱۱۱۸-۱۱۵۹ء) کو ہندوستان بھگا دیا۔ اس نے واپس آ کر غزنی پر حملہ کیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ۱۱۵۰ء میں علاء الدین جہانسوز نے بہرام شاہ کو شکست دے کر غزنی اور بست جلا ڈالے۔ غوریوں کے زمانے میں بہت سے پشتون قبائل نے اپنے موجودہ پہاڑی اور میدانی علاقوں اور ہندوستان کی طرف کوچ کیا تھا۔ انہی کے زمانے میں نیازی اور منگل بنوں آئے تھے۔

سلجوق۔ ۱۱۵۱ء میں سلطان سنجر سلجوقی نے علاء الدین کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

جہانسوز کے بعد اس کے بھتیجوں غیاث الدین اور معز الدین (محمد

ابن سام، شہاب الدین] محمد غوری نے ۱۱۷۳ء میں غزنی فتح کیا۔ بڑا بھائی غیاث الدین غور پر حکومت کرتا تھا اور چھوٹے بھائی محمد غوری کو غزنی میں اپنا نائب مقرر کیا۔

محمد غوری نے خٹک، غلزئی اور دوسرے پشتون قبائل کی مدد سے ہندوستان میں فتوحات حاصل کیں۔ ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی حکمران خسرو ولد بہرام شاہ سے لاہور فتح کیا۔ ۱۱۹۰ء میں رائے پتھورا عرف پرتھوی راج سے شکست کھائی اور ۱۱۹۱ء میں اسے شکست دے کر ہند میں اسلامی حکومت کی بیل داغ دی۔

محمد غوری ۱۲۰۶ء میں قتل کر دیا گیا۔ وہ لاولد تھا۔ اس لئے دہلی میں اس کے تخت پر اس کا ترک مملوک قطب الدین ایبک اور غزنی کے تخت پر اس کا ایک اور مملوک ایالدز قابض ہو گئے۔

ترکمان۔ ۱۱۵۳ء میں غُز ترکوں کی ایک شاخ تُرکمان نے شمال کی طرف سے آکر سنجر کو شکست دی۔ انہوں نے دس سال تک غزنی اور اس کے نواحی علاقوں کرم اور گردیز پر حکومت کی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ بالائی بنگش کے باشندے یعنی توری، منگل، مقبل، خاجی اور خوگیانڑی شاید ان ترکمانوں کی اولاد ہوں اور اپنی تائید میں اس بھونڈے استدلال کے علاوہ کچھ نہیں پیش کر سکتے کہ "توری" اور "تورانی" ہم صوت ہیں۔ قطع نظر دیگر قبائل کے کرم کے توری آج بھی کہتے ہیں کہ ہم ترک ہیں اور اسلام لانے سے پہلے ہمارا مذہب "شُدَلی بُدَلی" [یعنی الحاد یا بدھ مت] تھا۔

خوارزم شاہ۔ ۱۲۱۵ء میں خوارزم محمد شاہ نے ایالدز سے غزنی کا تخت اور اباسندھ تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اور غزنی کی حکومت اپنے بیٹے جلال الدین کے حوالے کی۔

چنگیزی۔ چنگیز خان نے ۱۲۱۹ء میں محمد شاہ خوارزم شاہ اور ۱۲۲۱ء میں جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست دی۔ چنگیز خان ۱۲۲۷ء میں مر گیا اور

غزنی اور کابل کا علاقہ اس کے بیٹے چغتائی کے ہاتھ لگا۔ جو ان علاقوں کی غربت اور دشوار گزاری کی وجہ سے ان پر تسلط جمانے سے باز رہا۔

۱۳۷۹ء / ۹۳ سنہ میں تیمور نے ہرات، سیستان اور قندھار فتح کرنے کے بعد پشتونوں کے پہاڑی علاقے پر حملہ کیا۔ اور ۱۳۹۳ء سنہ میں لودیوں اور شیرانیوں کی مدد سے ہندوستان فتح کیا۔

لودھی (۱۴۵۱ - ۱۵۲۶)۔ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ سنہ / ۱۴۵۱ سنہ ء کو بہلول لودھی ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ ۵ و ۶ شعبان ۸۹۴ سنہ کو مر گیا۔ اس کا بیٹا سکندر ۹۲۳ سنہ میں مر گیا۔ اور اس کا بیٹا ابراہیم ۸ ذیقعدہ ۹۲۳ سنہ کو تخت نشین اور ۷ رجب ۹۳۲ سنہ کو مرا۔ لودھیوں کے زمانے میں دریائے سندھ کے اس پار کا سب علاقہ تیموری شہزادوں کے زیر تصرف رہا۔

مغل:۔ بابر نے ۱۵۲۶ سنہ میں ابراہیم لودی کو شکست دی۔ بابر ۱۵۰۵ سنہ میں پشاور، کوہاٹ، اور کوہاٹ اور بنوں اور دیگر علاقوں کے پشتونوں کو کئی مرتبہ لوٹ چکا تھا۔ لیکن اس نے پشتونوں پر حکومت کبھی نہیں کی تھی۔ بابر کی موت پر اس کا بیٹا ہمایوں ۱۵۳۰ سنہ میں تخت نشین ہوا۔

سوری:۔ ۱۵۳۹ سنہ میں شیر شاہ سوری نے جس کا مسکن غور اور مادری زبان پشتو تھی ہمایوں کو شکست دے کر ہند سے بھگا دیا۔ شیر شاہ ۱۵۴۵ سنہ میں اور اس کا بیٹا اسلام شاہ ۱۵۵۳ء سنہ میں مر گئے۔

مغل:۔ اسلام شاہ لودی کے تخت کے تین دعویدار آپس میں لڑ رہے تھے کہ ہمایوں نے ایرانی فوج کی مدد سے ان سے بادشاہی چھین لی۔

ہمایوں نے تخت نشینی کے وقت اپنے بھائی کامران کو کابل،

قندھار اور غزنی کی نیابت دی تھی۔ شیرشاہ نے ہمایوں کو شکست دی تو کامران بھی ہمایوں کا اعلانیہ مخالف بن گیا۔ ہمایوں نے ۱۵۴۵ء میں کامران کو ناکامران بنایا۔ ۱۵۵۱ء میں کامران نے جلبلوں اور مہمندوں اور خٹکوں کی مدد سے ہمایوں کی عسکرگاہ پر ناکام حملہ کیا۔ کامران پشاور شہر پر برائے نام حکومت کیا کرتا تھا۔

ہمایوں کے بعد اسکا ایک بیٹا اکبر ہندوستان کا اور دوسرا بیٹا مرزا حکیم کابل کا حکمران بنا۔ مرزا حکیم اکبر سے بگڑ بیٹھا۔ اور ۱۵۸۱ء میں حکیم کی موت سے پہلے اکبر پشتونوں پر حکومت نہ کرسکا۔

اکبر نے پشاور ۱۵۸۶ء اور کوہاٹ ۱۵۸۷ء میں فتح کئے۔ اکبر کے زمانے میں خٹک شاہی سڑک کے محافظ اور جاگیردار تھے۔ اکبر ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں مرا۔ جہانگیر ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء-۱۶۲۷ء، شاہجہان ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷-۱۶۵۸ء اور اورنگزیب ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء/۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ کے اوائلی دور میں بھی خٹکوں کی وہی حالت رہی۔ لیکن جب اورنگزیب نے انہیں غلام بنانا چاہا تو وہ ۱۰۸۵ھ سے اورنگزیب کے اعلانیہ دشمن بن گئے جو حالت تقریباً ۱۰۹۱ھ تک رہی۔ اس وقت سے لیکر مغلیہ دور کے اختتام تک خٹک کم وبیش خود مختیار رہے۔

نادر شاہ (۱۷۳۹-۱۷۴۷ء):- نادر نے دہلی فتح کرلنے کے بعد محمد شاہ مغل سے دریائے سندھ کے اس پار کا علاقہ بھی لے لیا لیکن خراسان میں شورش کی وجہ سے یہاں تسلط نہ جما سکا۔ چونکہ نادر کی فوج کی اکثریت پشاور اور اولیت بنوں کے رستے ہندوستان گئی تھی اس لئے کوہاٹ کے خٹک اس کے حملے سے محفوظ رہے۔ پشاور کے پہاڑی علاقے کے خٹک اور دیگر پہاڑی قبائل نادر سے تمام عرصہ آزاد رہے لیکن میدانی علاقے کے خلیل، مہمند، داؤدزئی گگیانی اور محمد زئی اپنے امیروں کے ذریعے نادر کو قلنگ دیا کرتے تھے۔

نادر کو ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ قاچار نے قتل کر دیا تھا۔

درانی (۱۷۴۷ - ۱۸۱۸ء)۔ - نادر کی موت کے بعد پشتونوں نے نادر کے فوجی دستے کے محافظ احمد شاہ ابدالی کو جو سدوزیوں میں سے تھا قندہار میں دُرِ دوران کا لقب دے کر اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اس نے پہاڑوں کے کرلانڑی قبیلوں کو مطیع کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ ہاں مرہٹوں کے خلاف جہاد میں خٹکوں نے اس کی مدد کی اور فتح پانے کے بعد اس نے بھی خٹکوں کے خان کو نوازا۔

احمد شاہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ (۱۷۷۳ - ۱۷۹۳ء) بادشاہ بنا۔ وہ خٹکوں کے معاملات میں قدرے دست اندازی کیا کرتا تھا۔ تیمور شاہ کی موت میں بقول یوسفی صاحب حضرت میاں عمرؒ صاحب چمکنی کا بھی ہاتھ تھا (دیکھئے ص ۲۲۴)۔ میاں صاحب نے ۱۷۷۹ء میں تیمور شاہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکام رہا۔

تیمور کے بعد اس کا بیٹا زمان مرزا، شاہ زمان کے نام سے ۱۷۹۶ء سے ۱۸۰۰ء تک بادشاہ رہا۔ اس نے اوائل ۱۷۹۹ء میں لاہور کا ضلع رنجیت سنگھ کو دے دیا تھا۔

محمود (۱۸۰۰ء - ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۹ء - ۱۸۱۸ء) نے اپنے سوتیلے بھائی شاہ زمان کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا۔ ۱۸۰۳ء میں شاہ زمان کے سگے بھائی شاہ شجاع (۱۸۰۳ء - ۱۸۰۹ء و ۱۸۳۹ء - ۱۸۴۲ء) نے ۱۸۰۳ء میں محمود سے کابل کا تخت چھین لیا۔ ۱۸۰۹ء میں محمود نے دوبارہ تخت حاصل کر لیا اور ۱۸۱۸ء تک حکمران رہا۔

۱۸۱۸ء میں محمود نے اپنے بارکزئی وزیر فتح خان ولد پائندہ خان کو قتل کر دیا۔

بارکزئی (پائندہ خیل، ۱۸۱۸ء - ۱۸۳۴ء)۔ - بارکزیوں نے فتح خان کے ۲۱ بھائیوں کی سرکردگی میں بغاوت کر کے محمود کو ہرات بھگا دیا۔ اور ۱۸۱۸ء میں پشاور اور کوہاٹ کے حاکم بنے۔

بارکزئی خٹکوں کے خوانین کو خٹک کا علاقہ اجارے پر دیا کرتے تھے اور خوب سودا بازی کیا کرتے تھے لیکن ان کے عہد میں خٹک اندرونی طور پر خود مختیار رہے +

۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۶ء تک بد امنی رہی۔ ۱۸۲۳ء میں کابل کا بادشاہ محمد اعظم خان بھی مر گیا۔ آخر ۱۸۲۶ء میں دوست محمد خان (۱۸۲۶ء۔ ۱۸۶۳ء) کابل کا بادشاہ بن گیا۔ ۱۸۲۶ء میں یار محمد خان پشاور کا حاکم بنا اور سلطان محمد خان بھی اس کے ساتھ پشاور میں رہتا تھا۔ ۱۸۲۹ء میں یار محمد خان فوت ہو گیا اور اس کی بجائے سلطان محمد خان پشاور اور ملحقات پشاور کا حاکم بن گیا۔ اس کے بھائی پیر محمد خان اور سید محمد خان بھی اس کے ساتھ پشاور میں رہتے تھے +

۱۸۳۴ء میں شاہ شجاع نے پشاور وغیرہ رنجیت سنگھ کو اس شرط پر دئیے کہ وہ کابل سے دوست محمد خان کو ہٹانے میں شاہ شجاع کی مدد کریگا +

سکھ:- ابھی دوست محمد خان شاہ شجاع کے مقابلے کے لئے بڑھ ہی رہا تھا کہ سکھوں نے مئی ۱۸۳۴ء میں پشاور دوست محمد خان کے بھائی سلطان محمد خان سے چھین لیا۔ جو پھر اپنے بھائیوں کے دوست محمد خان کے پاس کابل چلا گیا + شاہ شجاع نے قندھار پہنچ کر جولائی ۱۸۳۴ء میں دوست محمد خان سے شکست کھائی +

۱۸۳۵ء میں دوست محمد خان سکھوں سے لڑنے جمرود آیا۔ لیکن چونکہ سلطان محمد خان سکھوں کا امدادی تھا اور جو سکھ یرغمال پکڑے تھے انہیں رہا کر دیا تھا۔ اس لئے دوست محمد خان بلا مقابلہ کئے واپس چلا گیا + اس امداد کے بدلے سکھوں نے کوہاٹ اور پشاور سلطان محمد خان کو بطور جاگیر دے دئیے۔ لیکن ان اضلاع کا فوجداری اور دیوانی انتظام ہری سنگھ نلوہ کو سونپا +

جب سکھ جمرود کا قلعہ بنانے لگے تو محمد اکبر خان ولد دوست

محمد خان نے ۳۰ اپریل ۱۸۳۷ء کو سکھوں کو شکست دی۔ ہری سنگھ مارا گیا اور سکھوں کی دو توپیں بھی محمد اکبر خان کے ہاتھ آئیں لیکن درانی سرداروں کی بدعہدی کی وجہ سے نہ تو جمرود پکڑ سکا نہ پشاور پر تسلط جما سکا۔ اور چند دنوں کے بعد واپس جلال آباد چلا گیا۔ اکبر خان ۱۸۴۷ء میں مر گیا۔

جنگ ۱۸۳۷ء کے بعد سکھوں نے اٹک کے اس پار کا علاقہ دوبارہ بارکزئی بھائیوں میں بانٹ دیا۔ جس میں کوہاٹ سلطان محمد خان کو ملا جو اعلیٰحضرت محمد ظاہر شاہ موجودہ بادشاہ کابل کا مورثِ اعلیٰ ہے اور جس کے بیٹے یحییٰ خان کی رعایت سے کابل کا شاہی خاندان یحییٰ خیل کہلاتا ہے۔

۱۸۳۴ء میں پشاور فتح کرنے کے بعد سکھوں نے پشاور کے اکوڑ خیلوں کی خانی تقریباً ختم ہی کر دی۔ لیکن کوہاٹ میں ان کی خانی برائے نام آج تک باقی ہے۔

۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۹ء تک کے حالات ہمارے لئے اہمیت نہیں رکھتے۔

انگریز (۱۸۴۹ء - ۱۹۴۷ء)۔ - مارچ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کو دوسری اور آخری شکست دینے کے بعد انگریزوں نے پنجاب اور سکھوں کی اٹک کے اس پار کی تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔

انگریزوں نے بھی حسبِ سلاطینِ سابق خانِ خٹک کو اس کا علاقہ مقررہ اجارے پر دیا۔

پاکستان۔ - ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے سے سب پاکستانی علاقے خود مختیار ہوگئے۔ پاکستان کی بعض دیگر ریاستوں کی طرح آج تک ریاست ٹیری کا بھی [illegible] ادغام نہیں کیا گیا۔ نواب صاحب کو آج بھی تعلقہ داری اور [illegible] قدری دی جاتی ہے۔ اور نمک کی کانوں کی آمدنی کا کچھ حصہ لیتو غر کے باقی خٹکوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں موروثی ہیں۔ اور [illegible] تقسیم ہو کر اب بعض لوگوں کو صرف چند آنے سالانہ ملا کرتے ہیں۔

غلطنامہ

اس غلطنامے میں چند غلطیاں میری اپنی ہیں۔ لیکن زیادہ تر وہ ہیں جو پریس والوں نے اس کتاب کی سنگسازی کرتے وقت اور مجھے ان کا پروف دکھائے بنا چھاپ کر کی ہیں۔ میں نے اپنی کی ہوئی غلطیوں پر × کا نشان لگا دیا ہے۔

ص	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۲۲	×لڑکا	لڑکا
۱۷	۱۸	رحمت	رحمٰن
۲۳	۲۵	ک	تک
۲۵	۱۱	یا	[
۲۶	۱۶	×سکھوں	سکھوں
۳۰	۶ و ۱۱	پشتوں	پشتون
۳۱	۶	جو	اور
"	۱۱	سیگمیٹک	سیمیٹک
۳۳	۱	نظرپشتو	نظریہ
"	"	یہی	یہی
"	"	موضحات	موضحانہ
۳۴	۲۴	کوبو	رگوید
۵۰	۷	رکھے	دکھنے
۶۰	۶	جنکا	کو
"	۱۷	بخوصاً	خصوصاً
"	۲۱	(خالی)	تائید
"	۲۴	مانگنے	مانگنے
"	"	باندھ	چھڑک
"	۲۵	پٹروس	پڑوسی

ص	س	غ	صحیح
۶۰	۲۶	۲۳-۲۲	ص ۲۵
۶۵	۱۷	عباموود	الامور
"	۱۸	دھل زلقبوری	اہل القبور
"	۲۰	رہانا	رچانا
"	۲۴	پپا	چچا
۶۸	۳	لئے ہی کے سال	ایک سال بعد
۷۰	۴	×لکھا	(زائد ہے)
۷[illegible]	۲۴	قلج	قالج
۸۳	۱۷	پشتبن	پشتین
۸۷	۱۳	سمات	سات
۹۸	۷	گیرانی	گیرائی
"	۱۲	روپیے	لوپیے
"	۲۴	۲۳ سے	۲۵
۱۰۰	۸	نحو	نر
"	۱۳	وجہ	قصے
"	۱۴	نیروت	تحریفات
۱۰۱	۲۴	جزند	جمند
۱۰۳	۳	[illegible]	قبیلہ دِلازاک
۱۰۵	۱۴	علاقے	علاقہ

ص	س	غ	صحیح
۱۰۵	۲۵	اشنز	اشنغر
۱۰۷	۲۰	۱۷۷۳	سنہ ۹۷۷ھ
۱۰۸	۲۰	میٹربن	مٹربن
″	۱۴	حامل	حال
″	۲۴	سنہ ۵۷۳ھ	سنہ ۵۷ھ
″	۲۵	سنہ ۵۸۲ھ	سنہ ۸۵۲ھ
۱۳۰	۷	جٹکوں	جتھوں
۱۳۱	۱۰	پشتوں	پشتونوں
۱۳۹	۵	کے	کے مکان
۱۴۹	۱۶	رتیلا	رتیلی
۱۵۹	۱۸	مالکان نے	مالکان
۱۶۱	۹	تکلیف	تکلیف ہے
۱۷۱	۱	اس	اس کا
۱۸۱	۱۲	لوردوسر	توردوسر
″	۱۸	بنجر	بنجر
۲۲۲	۲۲	کے	کی
۲۲۴	۴	۴۹	۷۹
۲۴۴	۱۸	شنفسوں	متنفسوں
۲۴۷	۷	چقہ	حُقہ
۲۶۰	۷	حل	محل
۲۶۷	۱۹	صراف	صرف
۲۷۲	۷	پکاتے	پکارتے
۳۰۰	۲۱	کھیس	کو حسن
۳۰۳	۱۷	۳۰۰	۴۰۰

ص	س	غ	صحیح
۳۰۷	۱۳	خاکسلر	خاکسار
۳۰۹	۴	فتح	فوج

* * *